لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ



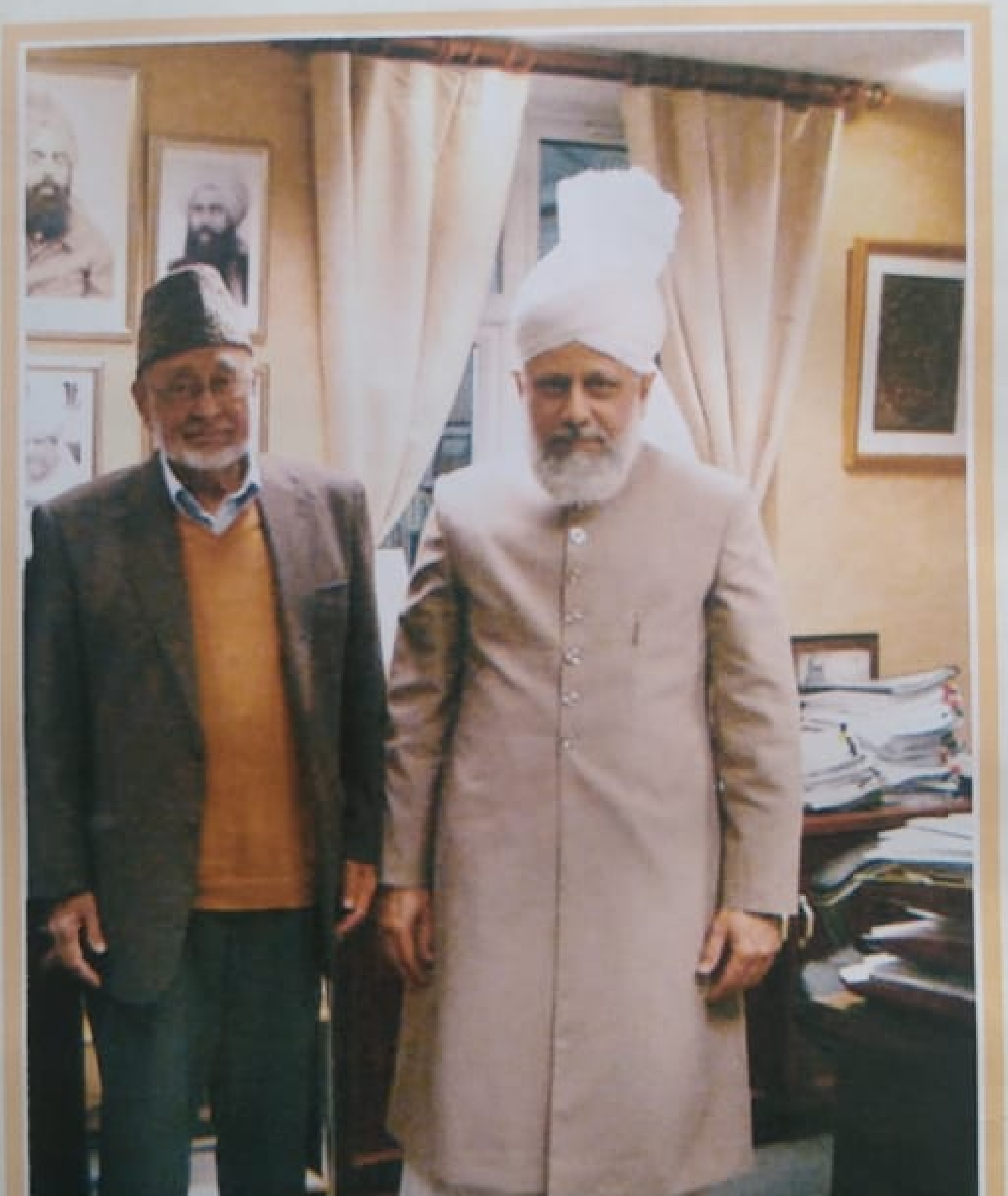
چند خوشگوار یادیں

بشیر احمد رفیق

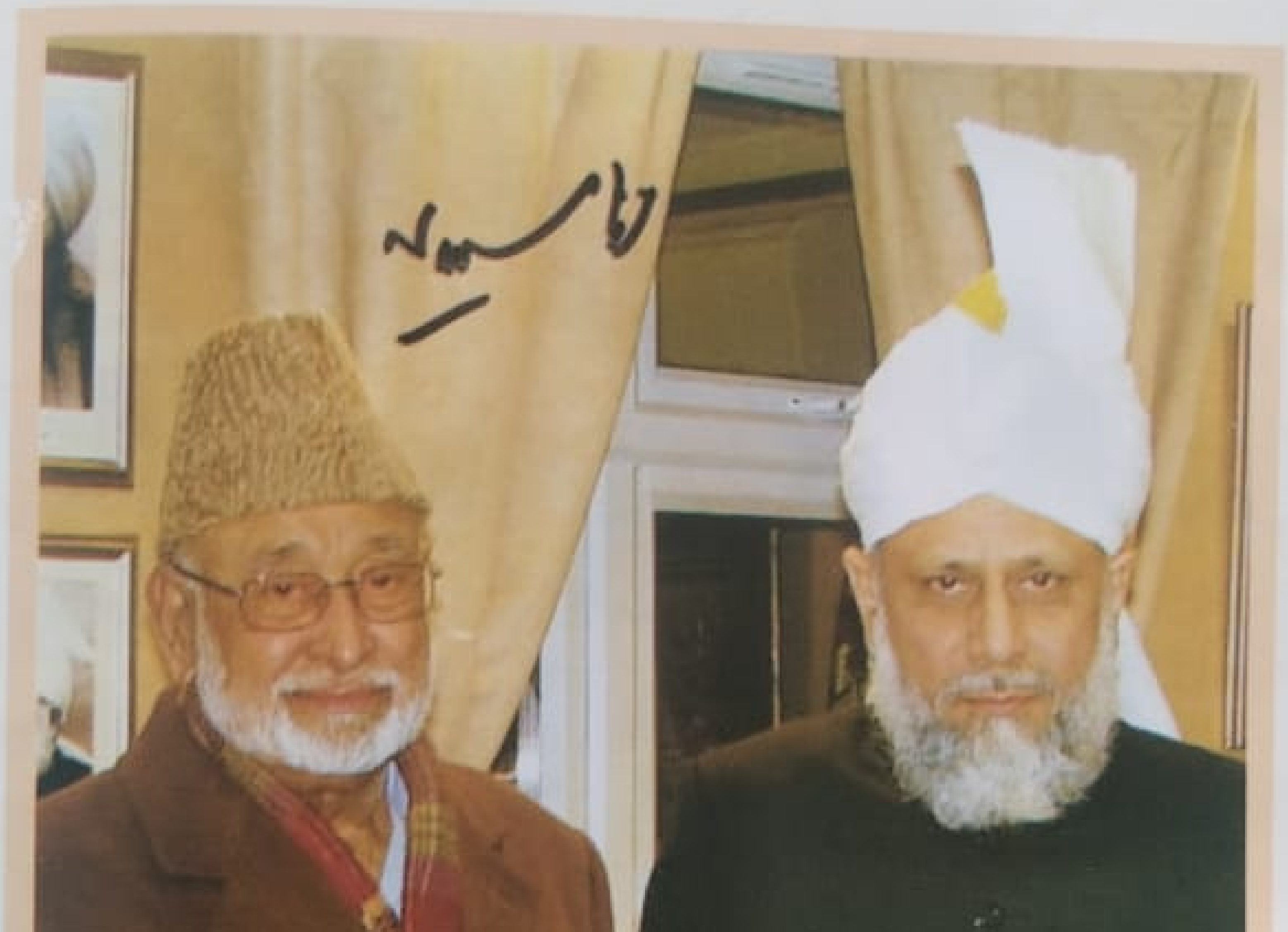
سابق امام مسجد فضل، لندن

نام کتاب	:	چند خوشگوار یادیں
مصنف	:	بشیر احمد رفیق، سابق امام مسجد فضل، لندن
سن اشاعت	:	2009ء
تعداد	:	2000
کمپوزنگ، ترتیب و تزئین	:	خورشید احمد خادمؔ، کرشن احمد قادیان
مقام اشاعت	:	

Unitech Publications Qadian
Distt. Gurdaspur - 143516
Punjab, INDIA.
Ph. 00-91-9815617814 , 9872341117
khursheedkhadim@yahoo.co.in
krishanahmad4@gmail.com



بشیر احمد رفیق اپنے آقا
حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہمراہ



بشیر احمد رفیق اپنے آقا
حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہمراہ

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

چند خوشگوار یادیں

انتساب

میں اس کتاب کو اپنے بزرگ نانا جان حضرت محترم مولوی محمد الیاس خان صاحب مرحوم و اپنے بزرگ والد محترم حضرت دانشمند خان صاحب مرحوم اور اپنی پیاری والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بی بی صاحبہ مرحومہ کے نام کرتا ہوں جن کی دعاؤں، تربیت اور توجہ سے مجھے اپنی زندگی راہ مولیٰ میں وقف کرنے کی توفیق ملی اور جن کی دعائیں ساری عمر میرے سر پر ہر قسم کی بلاؤں، مصیبتوں اور ابتلاؤں سے بچاؤ کیلئے چھتری کا کام دیتی رہیں۔

قارئین سے ان کیلئے خاص دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔

پیش لفظ

''چند خوشگوار یادیں'' محترم بشیر احمد صاحب رفیق سابق امام مسجد فضل لندن کی زندگی کی وہ خوبصورت اور گرانقدر یادیں ہیں جن میں موصوف نے اپنی جماعتی خدمات کا ایمان افروز تذکرہ کیا ہے۔ بحیثیت ایک واقف زندگی مبلغ ان کی ہمہ جہتی مساعی واقفین زندگی کیلئے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔آپ اگر کہیں جماعتی تربیت کے کاموں میں مصروف ہیں تو دوسری طرف مختلف ممالک کے سفراء، وزراء اور سلاطین کو پیغام حق پہنچاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ایک طرف جماعت کے ایک عام فرد کے ساتھ آپکے رابطہ کی جھلک ملتی ہے تو دوسری طرف حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب صدر عالمی عدالت انصاف کے ساتھ آپ کے گہرے روابط پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

صوبہ سرحد کے مخلص خاندان سے تعلق رکھنے والے امام بشیر احمد صاحب رفیق نے، جو اپنی زندگی کی 77 بہاریں پوری کر چکے ہیں، ابتدائی تعلیم قادیان اور ربوہ میں حاصل کی اور پھر خلافت ثانیہ کے مبارک دور میں 1959ء میں آپ کا تقرر لندن میں بحیثیت امام مسجد فضل لندن ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کو تین خلفاء کرام کے مبارک ادوار میں اپنی خدمات جاری رکھنے کی توفیق ملتی رہی اور اب خلافت خامسہ کے اس مبارک دور میں آپ اپنی تحریری خدمات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔کتاب کے مطالعہ سے جہاں تحریر و تقریر کے میدان میں آپ کی نمایاں خدمات نظر آتی ہیں وہیں آپ شعر و ادب کی محفلیں سجائے ہوئے بھی دکھائی

دیئے۔ مختلف ممالک کے سفراء اور حکام سے آپ کے گہرے روابط سے جماعت کو جو فائدہ حاصل ہوا اس کی جھلک ہمیں بالخصوص 1974ء میں نظر آتی ہے۔ جہاں آپ نے ایک طرف ان تعلقات کے ذریعہ عالمی پریس میں آواز اٹھانے کا بھرپور فائدہ اُٹھایا، تو دوسری طرف ان ایام میں لندن مشن نے دنیائے احمدیت کو پاکستان کے مظلوم احمدیوں کے حالات سے باخبر رکھنے کا اہم فریضہ بھی سرانجام دیا۔ لندن میں 1978ء میں منعقد ہونے والی کسر صلیب کانفرنس، جس میں حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، آپ کے دور کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

محترم امام بشیر احمد صاحب رفیق کی اس کتاب کے ذریعہ جہاں کئی ایمان افروز واقعات سے آگاہی ہوگی وہیں مبلغین کو دعوت الی اللہ کا سلیقہ سکھانے اور ان کی راہنمائی کے لئے بھی یہ کتاب یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ محترم رفیق صاحب کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے اور اس علمی خزانہ کو نافع الناس بنائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

منیر احمد خادم

مدیر ہفت روزہ بدر، قادیان

15-06-09

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

......باب اوّل......

میرا گاؤں۔میرا بچپن

ایک دریا تھا اور کنارا تھا
میرا گاؤں بہت ہی پیارا تھا
لے چلو پھر مجھے وہیں ماہ رُخ
میں نے بچپن جہاں گزارا تھا

(ماہ رُخ زیدی)

شام ڈھلتے کسانوں کا دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد گھروں کو لوٹتے وقت دلکش اور سریلی آوازوں میں مدھر گیت گانا اور چرواہوں کے مویشیوں کے ریوڑوں کو ہانکتے ہوئے ٹپے الاپنے کے مناظر، میری ابتدائی یادوں کے چند خزانے ہیں۔ ٹپہ پشتو شاعری کی ایک معروف صنف ہے۔ یہ غزل کی طرح دومصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔جس میں عشق ومحبت، فراق و وصال اور گل وبلبل کا تذکرہ ہوتا ہے میرا گاؤں خوبصورت سرسبز وشاداب کھیتوں کے عین وسط میں آباد ہے۔گاؤں سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر دریائے کابل کی تیز وتند موجیں دریائے سندھ میں اٹک کے پاس جا ملنے کیلئے بے تابی سے رواں دواں رہتی ہیں۔

میں روزانہ دن ڈھلے دریا کے کنارے پر کھڑا ہو کر غروب آفتاب کا دلکش منظر دیکھا کرتا تھا اور کئی دفعہ شام کو چاندنی راتوں میں چاند کو دریا کی لہروں میں منعکس دیکھ کر بے اختیار گنگنانے لگ جاتا۔ ایک عجیب سی روحانی کیفیت مجھ پر طاری ہو جایا کرتی تھی۔

یہ مناظر آج بھی سنیما کے پردہ پر چلنے والی فلم کی طرح میرے ذہن میں محفوظ ہیں اور میں ان مناظر کی جگالی اب بھی کیا کرتا ہوں اور ان سے اسی طرح محظوظ ہوتا ہوں جیسے بچپن میں ہوا کرتا تھا۔

میں اسی گاؤں میں، جس کا نام 'محبّ بانڈہ' ہے، پیدا ہوا۔ اگرچہ اپنی تعلیمی مصروفیات کے سلسلہ میں لمبا عرصہ گاؤں سے باہر رہنا پڑا، لیکن موسم گرما کی تعطیلات میں ضرور گاؤں جاتا اور گاؤں کی پر کیف، صاف ستھرے اور شفاف ماحول اور معطر ہواؤں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

میرا گاؤں نہ زیادہ بڑا ہے اور نہ بہت چھوٹا۔ یہی چند سو کی آبادی ہوگی۔ اب تو یہ کافی بڑا ہو گیا ہے۔ اس میں مختلف پٹھان قبائل کے لوگ آباد ہیں اور باہم شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔ میرا تعلق بنی اسرائیل کے جمریانی قبیلہ سے ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے اُن دس قبائل میں سے ہے جنہیں نبوکدنضر بادشاہ نے حراست میں لیکر فلسطین سے جلا وطن کر دیا تھا۔ بعد ازاں یہ لوگ افغانستان، صوبہ سرحد اور کشمیر میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' جن بارہ اسرائیلی قبائل کا ذکر فرمایا ہے، جمریانی قبیلہ ان میں سے ایک ہے۔

''حجرہ'' پٹھانوں کا ایک ایسا ادارہ ہے جس کے بغیر کوئی گاؤں یا ڈیرہ مکمل نہیں کہلا

سکتا۔حجرہ میں زیادہ ترنو جوان لڑکے وقت گذارتے ہیں اوراکثر راتیں بھی بسر کرتے ہیں۔ بعد از دوپہر سے شام ڈھلے تک گاؤں کے بزرگ، بڑے بوڑھے بھی 'حجرہ' کی رونق بڑھانے آجایا کرتے تھے۔عموماً حجرہ ایک یا ایک سے زیادہ کمروں اور چوپال پر مشتمل ہوتا ہے۔سردیوں میں کمرہ استعمال ہوتا ہے تو گرمیوں میں چوپال۔ چوپال چاروں اطراف سے کھلے ہوتے ہیں اوراس کی چھت عموماً سرکنڈوں سے تیار کی جاتی ہے۔

شام کو جب بڑے بوڑھے گھروں کو چلے جاتے ہیں تو حجرہ پر کلیتاً نوجوانوں کا قبضہ ہوجاتا ہے۔چلم کے دور چلنے لگتے ہیں۔رباب،ستاراور گھڑے کو بطور طبلہ بجانے کا شغل شروع ہوجاتا ہے۔'ٹپے'اور'بدلے' گائے جاتے ہیں۔'ٹپہ'ایک شعر کا ہوتا ہے جبکہ'بدلہ'عام طور پرکسی رومانی یا جنگی کہانی کوشاعری میں ڈھال کرخوش الحانی سے موسیقی کی مدد سے گایا جاتا ہے۔میرے بچپن کے زمانے میں'' آدم خان درخانے'' کی رومانی کہانی اورمشہور ڈاکو''چمنے خان'' کی دلاوری کے قصے اشعار میں پیش کئے جاتے تھے۔یہ محفلیں رات گئے تک جاری رہتی تھیں۔

حجرہ یوں تو ایک شخص کی ملکیت ہوتا ہے لیکن اس کے دروازے ہرخاص وعام کیلئے کھلے ہوتے ہیں۔گاؤں کے تمام لوگوں کواس کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ بیک وقت مہمان خانہ بھی ہوتا ہے اورنوجوانوں کا کلب بھی۔ بڑے بوڑھوں کی مجالس شوریٰ بھی یہیں منعقد ہوتی ہیں۔حجرہ میں پانی اورتمبا کومہیا کرنا حجرے کے مالک کی ذمہ داری ہوتی ہےاوراگرکوئی مہمان آجائےتو بھی حجرے کا مالک اس کی مہمان نوازی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ہمارے گاؤں میں دو تین بڑے حجرے تھے۔جن میں ایک بڑا حجرہ میرے والد صاحب کا بھی تھا۔اس میں تین بڑے کمرے تھےاور یہ کچی پکی اینٹوں کےامتزاج سے بنا

ہوا تھا۔ یہ چار کنال کے صحن کا تھا اور اس میں ایک چوپال بھی موجود تھا۔ جس میں بیک وقت 15 کے قریب چار پائیاں بچھی ہوتی تھیں۔ حجرہ کے ایک کمرہ کی الماری میرے والد صاحب کی لائبریری کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ دیواروں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ حضرت گورو بابا نانک ؒ جی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ بقیہ دو بڑے کمرے عوام کے استعمال کیلئے تھے۔

ہمارے حجرہ اور دریائے کابل کے درمیان کھلی زمین تھی۔ کوئی آبادی نہ تھی۔ اس لئے گرمیوں کے مہینوں میں دوپہر یا رات کو دریا کی جانب سے ٹھنڈی ہوائیں براہ راست بلا روک ٹوک حجرہ تک پہنچتی تھیں۔ جس سے دوپہر کی کڑکتی دھوپ سے حجرہ کے چوپال میں پناہ لینے والوں کو بڑا سکون ملتا تھا۔

ہمارا گھر حجرہ سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ اتوار کے دن پشاور اور نوشہرہ سے احمدی احباب ہمارے گاؤں آتے تو حجرہ میں مقیم ہو جاتے۔ روحانی محفلیں سج جایا کرتی تھیں اور خوب رونق ہو جایا کرتی تھی۔ بعض احباب دریا میں مرغابی کے شکار کا شوق پورا کرتے تھے۔ جس کے لئے میرے والد صاحب نے اپنی ایک کشتی بھی رکھی ہوئی تھی جو شکار کے کام آتی تھی۔ ان مہمانوں کیلئے کھانا ہمارے گھر میں تیار ہوتا تھا جسے حجرہ تک پہنچانا کارے داد ہوتا تھا۔ میری والدہ صاحبہ مرحومہ خود اعلیٰ درجہ کا کھانا پکاتی تھیں۔ خصوصاً پلاؤ اور صبح کے وقت پراٹھے آپ کے بہت مشہور تھے۔ بعض اوقات پشاور سے آنے والے احباب بے تکلفی میں خود ہماری والدہ صاحبہ سے پراٹھوں کی فرمائش کیا کرتے تھے۔

یہ بھی عجیب وقت تھا۔ احمدی جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو یوں لگتا تھا گویا دو سگے بھائی آپس میں مل رہے ہوں۔ باہمی تعارف کیلئے بس احمدی ہونا ہی کافی ہوا کرتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ جب جنگ عظیم دوئم کے زمانہ میں ہمارے گاؤں میں بھرتی ہونے والی تھی تو گاؤں کے نوجوان سج دھج کر صاف ستھری پوشاک میں کسی حجرہ میں جمع ہوجایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بھرتی ہمارے حجرہ کے قریب ہی واقع ایک اور حجرہ میں مقرر تھی۔ بھرتی کے خواہش مند نوجوان میجر صاحب کے منتظر تھے جو پشاور سے تشریف لانے والے تھے۔ میجر صاحب آئے تو ان کا خاص استقبال ہوا۔ ایک اونچی کرسی ان کیلئے مہیا کی گئی۔ تھوڑی دیر بعد بھرتی شروع ہوگئی۔ ہر نوجوان کی خواہش تھی کہ اسے بھرتی کیا جائے دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کھانے کے وقفہ کے دوران میجر صاحب نے حجرہ کے مالک سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اس گاؤں میں ایک احمدی خاندان بھی آباد ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ حجرہ کے مالک نے ہمارے گھر کی جانب ایک آدمی دوڑایا۔ میرے والد صاحب مرحوم اس دن گاؤں میں نہیں تھے۔ میں موجود تھا۔ میں میجر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھے ایک طرف لے گئے اور فرمانے لگے کہ میرا نام ڈاکٹر شاہ نواز ہے۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں۔ کیا تم بھی احمدی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ الحمدللہ۔ میں بھی احمدی ہوں۔ میرے والد صاحب گاؤں میں نہیں ہیں۔ میجر صاحب نے مجھے گلے لگایا۔ اور فرمایا مجھے اپنی والدہ صاحبہ کے پاس لے چلو۔ میں انہیں گھر لے آیا۔ دروازہ کی اوٹ سے انہوں نے میری والدہ صاحبہ کو سلام کیا اور کہا: بہن صاحبہ میں آپ کا ایک احمدی بھائی ہوں اور آپ کے گاؤں میں بھرتی کروانے کی ڈیوٹی کیلئے آیا ہوں۔ اگر آپ کو کسی کو بھرتی کروانا ہو تو ارشاد فرماویں۔ میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ وہ کسی کو بھرتی کرانا نہیں چاہتیں البتہ اب جبکہ آپ میرے بھائی بن گئے ہیں تو شام کو چائے پر ضرور تشریف لائیں۔ شام کو میجر صاحب

بھرتی سے فارغ ہوکر ہمارے گھر تشریف لائے۔ میری والدہ صاحبہ نے اس دوران پرتکلف چائے اور ماکولات کا انتظام کیا ہوا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ایک احمدی کو کوئی دوسرا احمدی بھائی مل جاتا تو وہ یوں سمجھتا گویا ایک لعلِ بے بہا مل گیا ہے۔ اللہ کرے ہماری آپس کی محبتوں کو کبھی زوال نہ آئے۔

ہمارے حجرہ کی ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ جب والد صاحب مرحوم گاؤں میں ہوتے تو روزانہ بعداز دوپہر حجرہ میں آ کر بیٹھ جاتے اور چائے کا دور چل نکلتا۔ والد صاحب مرحوم کو جنون کی حد تک تبلیغ کا شوق تھا۔ بات خواہ کسی موضوع پر چل رہی ہو وہ بات کو احمدیت کی طرف موڑ دیتے تھے اور دعوت الی اللہ کا فریضہ زور شور سے ادا فرماتے۔ یوں ہمارا حجرہ ایک ''دارالتبلیغ'' کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ مجھے والد صاحب مرحوم کی ان پرلطف، ایمان افروز اور علمی محافل میں شامل ہونے کا بیحد شوق رہتا تھا اور جب کبھی والد صاحب مجھے گھر سے چائے لانے کا ارشاد فرماتے تو ان کی محفل سے اُٹھ کر گھر جانا مجھے بہت ناگوار گذرتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے ایک عظیم نعمت سے میں محروم ہوا جا رہا ہوں۔

گھر جا کر والدہ صاحبہ سے شکوہ کرتا کہ والد صاحب کی محفل سے مجھے بادل ناخواستہ اٹھنا پڑتا ہے جو مجھ پر بہت شاق گذرتا ہے، تو وہ فرماتیں کہ مہمان نوازی بھی تو اسلام کا حکم ہے اور پٹھانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔

حضرت والد صاحب مرحوم کس طرح بات کا رُخ پھیر کر احمدیت کا ذکر فرمایا کرتے تھے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ حجرہ میں محفل جمی ہوئی تھی۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک صاحب نے، جو زمیندارے کا کام کرتے تھے، کہا خان صاحب!

خشک سالی کی وجہ سے فصلوں کو نقصان پہنچ رہا ہے بارشیں بالکل بند ہیں۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔ والد صاحب مرحوم نے فرمایا، بھئی کیا ہوا اگر بارشیں بند ہیں تو کنویں اور نہر وغیرہ جو ہیں۔ اس زمیندار نے بڑی حیرت سے کہا: خان صاحب آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب آسمان سے پانی اترنا بند ہو جاتا ہے تو کنویں وغیرہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور نہروں میں پانی کم ہو جاتا ہے! اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر تمہیں اس بات کے تسلیم کرنے میں کیوں تردد ہے کہ جب تک آسمان سے وحی کا نزول نہ ہو، اولیاء واصفیاء کا درجہ پانے والے لوگ بھی کم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو آج مہدی نہ آتے، جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے دعویدار تھے، تو رُوحانی خشک سالی کی وجہ سے اولیاء کا وجود بھی نہ رہتا اور روحانی زمین بنجر بن جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر یعنی صدی کے سر پر مہدی کو مبعوث کر دیا اور روحانی خشک سالی کا خاتمہ فرما دیا۔ پس انہیں مانو تا تمہاری روحانی حالت بدلے اور تم اللہ تعالیٰ کے انعامات پانے والے بن سکو۔

حجرے گاؤں میں خوشی وغمی کی تقاریب میں کافی کام دیتے تھے۔ گاؤں میں خوشی ہو، شادی ہو یا بچہ کے ختنہ کی تقریب ہو، لوگ حجروں کا رُخ کرتے تھے۔ اب تو ٹیلی ویژن، ریڈیو وغیرہ کے آنے کی وجہ سے ماحول بدل گیا ہے۔ میرے بچپن کے دنوں میں ایسے مواقع پر بعض دفعہ پشاور سے گانے بجانے والے منگائے جاتے تھے جو رات بھر گانے بجانے کا شغل کرتے تھے۔ اردگرد کے دیہاتوں سے بھی لوگ آجایا کرتے تھے۔ حجرہ لبالب بھر جاتا تھا۔ چلم کے دور چلتے۔ گرمیوں کے مہینوں میں شکر کے شربت کے مٹکے تیار کئے جاتے تھے اور سارے گاؤں میں رت جگا ہوتا۔ میرے والد صاحب نہ تو خود ان محفلوں میں شمولیت اختیار کرتے تھے نہ ہمیں جانے دیتے تھے۔ لیکن بعض اوقات ان محافل میں غیر

ارادی طور پر شمولیت ہو ہی جاتی تھی۔ یہاں جہالت کے وہ مظاہرے ہوتے کہ اللہ کی پناہ۔ غریب لوگ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی طوائفوں پر نچھاور کرتے اور مہینوں، سالوں کی کمائی ایک ہی رات میں برباد کر کے گھروں کو واپس جاتے تھے۔

جن لوگوں میں کچھ دینی حدت ہوتی تھی وہ بجائے طوائفوں کو بلانے کے پشاور سے کوئی بڑا مولوی بلاتے تا کہ رات کو محفل میلاد منعقد ہو سکے۔ میں نے ایسی بے شمار محافل میں شرکت کی ہے۔ یہ مولوی صاحبان اگر چہ اچھے مقرر ہوتے تھے لیکن مطلق جہالت سے بھری ہوئی بے سروپا داستانیں دین کے نام سے سناتے اور لوگوں کو گرماتے تھے۔ یوسف وزلیخا کے قصّے، امیر حمزہؓ کے فرضی واقعات، دوزخ میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے جلنے اور گلنے سڑنے کے واقعات لہک لہک کر بیان کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی پر اس لئے زیادہ زور ہوتا تھا کہ زکوٰۃ انہی مولویوں کو ادا کی جاتی تھی۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کے بیان کردہ خوفناک دوزخی مناظر سے متاثر ہو کر اگلے دن زکوٰۃ کی رقم ان کے حوالے کر دیں اور ایسا اکثر ہوتا بھی تھا۔

میلاد کی یہ محافل اکثر گاؤں کی مسجد میں منعقد ہوتی تھیں لیکن بسا اوقات حجروں میں بھی اس کا انتظام کیا جاتا تھا۔ غرض پشاور کے دیہات میں حجرے ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے بغیر کسی پختون گاؤں کا تصور ادھورا ہوگا۔

میرے والد صاحب مرحوم جب بھی گاؤں میں ہوتے تو عموماً پانچوں نمازیں قریبی مسجد میں ادا کیا کرتے تھے اور اکثر مجھے مسجد میں ساتھ لے جا کر باجماعت نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اُن دنوں احمدیت کے خلاف تعصب کی وہ کیفیت نہ تھی جو آج احمدیت کے دشمن ملاؤں نے پاکستان میں پیدا کر رکھی ہے۔ عوام میں ملا کی پیدا کردہ آج کی مسموم فضاء

والی بات نہ تھی بلکہ عمومی شرافت اور مذہبی رواداری کا دور دورہ تھا۔ ہمارے محلّہ کی مسجد کے دروازے احمدیوں اور غیر احمدیوں کیلئے یکساں طور پر کھلے ہوئے تھے۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ مسجد کے امام صاحب بے دھڑک احمدیت کے بارہ میں ہم سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ بحث مباحثہ بھی جاری رہتا تھا لیکن نوبت کبھی کسی کی دل شکنی تک نہ پہنچتی تھی اور ہم سب باہم شیر وشکر ہوکر رہتے تھے۔

1953ء میں جب پنجاب میں احمدیوں کے جان و مال کو خطرات درپیش ہوئے تو اس کا اثر لامحالہ صوبہ سرحد پر بھی پڑا۔ ہمارے گاؤں میں ہمارا گھرانہ واحد احمدی گھرانہ تھا۔ سب رشتہ دار غیر احمدی تھے۔ ایک دن پشاور سے ایک ملا ہمارے گاؤں آیا اور لوگوں کو جمع کر کے احمدیت کے خلاف واہی تباہی بکنے لگا۔ آخر میں اس کی تان اس بات پر ٹوٹی کہ تمہارے گاؤں میں ایک احمدی گھرانہ موجود ہے، اسے ختم کرنا اور انہیں قتل کرنا عین جنت میں داخل ہونا ہے اور جو لوگ بھی یہ کار خیر کر گذریں گے خدا تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے گا۔ ملاّ نے جب لوگوں کو ہمارے قتل پر اکسایا تو اچانک چند لوگ کھڑے ہو گئے، جو سب مسلح بھی تھے اور ملاّ کو کہا کہ فوراً گاؤں سے نکل جاؤ وگرنہ ختم کر دیے جاؤ گے۔ ملاّ تو بزدل ہوتا ہی ہے۔ جونہی ان لوگوں کا جوش دیکھا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اُٹھا۔ پھر یہ لوگ ہمارے گھر آئے اور میرے والد صاحب کو کہا کہ آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور کسی کی مجال نہیں کہ آپ کا بال بھی بیکا کر سکے۔ چنانچہ نہ صرف 1953ء بلکہ 1974ء کے فسادات میں بھی میرے والد صاحب مرحوم نے گاؤں کو نہ چھوڑا اور گاؤں والے ان ایام میں بھی ہماری حفاظت پر کمر بستہ رہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گاؤں میں احمدیت کی مخالفت نہ تھی۔ مخالفت تھی اور بعض حلقوں میں زوروں پر تھی،

لیکن اس مخالفت نے کبھی تشدّد کا رنگ اختیار نہیں کیا۔ بحث و مباحثے جاری رہتے تھے۔ دونوں طرف سے دلائل دیئے جاتے تھے، کتابوں کو حوالوں کیلئے کھولا جاتا تھا، لیکن یہ سب کچھ روادارانہ ماحول میں ہوتا تھا۔

ہمارے گاؤں کی زمینیں بہت زرخیز ہیں۔ نہری پانی کے بافراط میسر آنے کی وجہ سے ہر قسم کی فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔ میرے والد صاحب مرحوم فصلوں میں گندم، مکی اور نیشکر کے علاوہ برسیم اور سرخ مرچ بھی اُگاتے تھے۔ برسیم، مرچ اور نیشیکر تینوں اجناس زمینداروں کی آمدنی کے لحاظ سے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ برسیم اور مرچ تو پاکستان بھر میں اور خصوصاً سندھ میں بہت اچھی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ میرے بچپن میں حضرت والد صاحب نے ''دانشمند اینڈ سنز'' کے نام سے برسیم کی تجارت کا ایک بڑا وسیع کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ برسیم کا بیج نہ صرف سندھ، پنجاب وغیرہ کو بھجواتے تھے بلکہ مصر تک برآمد کیا جاتا تھا۔ علاقہ میں بحیثیت برسیم کے تاجر کے آپ کی شہرت تھی۔ پاکستان بننے تک یہ تجارت زوروں پر رہی پھر حضرت والد صاحب کی توجہ اس طرف کم ہوگئی اور آخر عمر میں کلیۃً تجارت کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹ گئی۔ بجلی ہمارے گاؤں میں پہلی مرتبہ 1948ء میں آئی اور سب سے پہلے ہمارے گھر میں لگی۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ میرے ماموں جناب عبدالسلام خان صاحب (مرحوم) ان دنوں محکمہ بجلی صوبہ سرحد میں ملازم تھے۔ جب گاؤں میں بجلی آنے کا فیصلہ ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے بجلی کا آغاز ہمارے گھر سے کیا۔ قریباً دو ماہ تک صرف ہمارے گھر میں بجلی جلتی رہی۔ بعد میں آہستہ آہستہ سارے گاؤں کو اس کی سپلائی مکمل ہوگئی۔ بجلی کے آنے سے گاؤں کا ماحول بھی بدلنے لگا۔ گھروں میں موذی حشرات الارض کا خاتمہ ہوگیا۔ گرمیوں میں بجلی کے پنکھے گرمی کی شدت کو کم کرنے کا باعث ہوئے۔

چونکہ ہمارے گھر بجلی سب سے پہلے لگی تھی، اس لئے میں نے ایک ریڈیو سیٹ خریدا اور جب اسے گھر کے صحن میں میز پر رکھ کر چلایا تو اردگرد کی خواتین جمع ہوگئیں اور یوں روزانہ عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی نماز تک ریڈیو پاکستان، پشاور کے پشتو پروگرام سننے کے لئے خواتین کا ایک جمگھٹا ہمارے گھر میں رہتا۔ بعد مغرب اپنے دوستوں کی فرمائش پر میں ریڈیو باہر حجرہ میں لے جاتا تا وہ بھی اس سے محظوظ ہوں۔ ریڈیو کے آنے سے رفتہ رفتہ حجروں میں منعقد ہونے والی موسیقی کی مجالس ماند پڑنے لگیں اور اب تو غالبًا شاذ ہی کسی حجرہ میں نوجوان ستار یا گھڑے کو طبلہ بنا کر محفل موسیقی منعقد کرتے ہوں گے۔ ریڈیو اور ٹی وی نے دیہاتی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔ ان کی بدولت اب دیہات کے لوگ ویسے سادہ مزاج نہیں رہے جیسا کہ وہ میرے بچپن کے دنوں میں ہوا کرتے تھے۔

پاکستان بننے سے قبل اور جنگ عظیم دوم کے دور میں میں نے پہلی دفعہ سنیما دیکھا۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ محکمہ بھرتی کی طرف سے ایک سنیما کا ٹرک ہمارے گاؤں میں آیا۔ دن بھر یہ اعلان ہوتا رہا کہ رات کو سنیما دکھایا جائے گا۔ کسی نے اس سے قبل پردہ پر چلتی پھرتی تصاویر کو نہیں دیکھا تھا اس لئے گاؤں میں غیر معمولی جوش وخروش تھا۔ شام کو ایک وسیع میدان میں لوگ جمع ہوگئے۔ خواتین اردگرد کے گھروں کی چھتوں پر بیٹھ گئیں۔ میدان میں پردہ کو اتنا اونچا نصب کردیا گیا کہ نہ صرف سامنے بیٹھنے والے بلکہ اردگرد گھروں کی چھتوں پر بیٹھنے والی خواتین بھی با آسانی دیکھ سکیں۔ فلم شروع ہوئی۔ یہ ایک ایسے خاندان کی کہانی تھی جس کے بعض نوجوان فوج میں بھرتی ہوگئے تھے اور ان کی وجہ سے ان خاندانوں میں مالی وسعت پیدا ہوگئی تھی اور غربت سے یہ خاندان امارت میں داخل ہوگئے تھے۔ آخر میں نوجوانوں کو بھرتی ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ ان فلموں کا بہت اثر ہوتا تھا۔ ہمارے گاؤں کے اکثر ان پڑھ نوجوان بھی بھرتی کے شوق

میں گاؤں سے پشاور چلے جاتے تھے اور وہاں سے بھرتی ہوکر میدان جنگ میں جھونک دیئے جاتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ گھر سے نوجوان دو بیلوں اور ہل کو لے کر کھیتوں کی طرف جاتا۔ دوپہر کو جب گھر والے اس کا کھانا لیکر کھیت پر جاتے تو وہاں اس کو نہ پا کر گھبراتے کہ نوجوان کو کیا ہوگیا ہے۔ اگلے دن یا دو چار دن کے بعد خبر آتی کہ نوجوان کھیت سے سیدھا پشاور جا کر بھرتی ہو چکا ہے۔ نوجوانوں کی اس حالت کو دیکھ کر شعراء نے اس موضوع پر اشعار بھی کہے۔ ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے:

منی آرڈر دے راشہ تہ رامشے

آخری دیدن بہ دقیامت پہ رووز کو ونہ

کہ تمہاری طرف سے منی آرڈر آنا چاہیئے بیشک تم کبھی بھی نہ آؤ۔

کیونکہ آخری ملاقات قیامت کے دن تو ہو ہی جائے گی۔

جنگ عظیم دوم نے گاؤں کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کردی کہ اب غربت میں پلے ہوئے خاندان بھی سکھ کا سانس لینے لگے۔ گاؤں میں کچے جھونپڑی نما مکانوں کی بجائے نیم پختہ مکان بھی نظر آنے لگے۔ ریڈیو اکثر گھروں میں بجنے لگے اور ماحول خاصی حد تک تبدیل ہوگیا۔

1960ء میں گاؤں کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گاؤں میں ایک مڈل سکول جاری ہونا چاہیئے کیونکہ اب تک گاؤں میں صرف ایک پرائمری سکول تھا۔ اس کے آگے حصول تعلیم کیلئے بچوں کو قصبہ میں جانا پڑتا تھا جو ہمارے گاؤں سے تین میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ گورنمنٹ نے یہ شرط لگادی کہ اگر گاؤں والے مفت زمین کا انتظام کردیں تو حکومت اس پر سکول تعمیر کر کے جاری کردے گی۔ اب گاؤں میں زمین کون مفت دے۔ پٹھانوں کو

یوں بھی زمینوں سے زیادہ ہی محبت ہوتی ہے۔ یہ معاملہ زمین نہ ملنے کی وجہ سے دب گیا۔ کچھ عرصہ بعد ہمارے حجرہ میں حضرت والد صاحب کی موجودگی میں یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ گاؤں کو سکول کی اشد ضرورت ہے لیکن اس کیلئے مناسب زمین مفت دستیاب نہیں اس لئے گاؤں کے بچے تعلیم کی روشنی سے محروم ہو رہے ہیں۔ حضرت والد صاحب نے پوچھا کہ اس کے لئے کس قدر زمین درکار ہوگی۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ایک کنال کا قطعہ بھی کافی ہوگا۔ گاؤں آنے والی سڑک کے عین بالمقابل والد صاحب کی سات ایکڑ زمین کا ایک ٹکڑا تھا جو گاؤں کے اسقدر قریب ہونے کی وجہ سے بہت مہنگی قیمت پر فروخت ہوسکتا تھا۔ والد صاحب نے لوگوں کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں سکول کیلئے جتنی زمین کی ضرورت ہے وہ میں مفت دینے کو تیار ہوں۔ اس میں ایک کنال کی بھی قید نہیں۔ جتنی ضرورت ہو، دے دوں گا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ اگلے دن تحصیلدار کو لے آئے اور غالباً پانچ چھ کنال کا ٹکڑا اسکول کے نام منتقل کر دیا گیا۔ جب سکول تعمیر ہوا اور افتتاح کیلئے ڈپٹی کمشنر صاحب گاؤں تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا کہ سکول کیلئے مفت زمین دینے والے مخیّر دوست کون ہیں! انہیں مجھ سے ملایا جائے۔ مجمع میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو آئے ہی نہیں ہیں۔ حالانکہ انہیں اطلاع تھی کہ آپ نے افتتاح کیلئے آنا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایسے بے لوث گاؤں کی خدمت کرنے والے شخص کی ملاقات کیلئے میں خود جاؤں گا۔ چنانچہ وہ ہمارے حجرہ پر آئے اور والد صاحب سے ملے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور پوچھا کہ آپ نے تو قطعہ زمین دے کر سکول بننے کی تقریب پیدا کی ہے تو آپ خود وہاں کیوں نہ آئے، تاہم آپ کی عزت افزائی کرتے۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب میں نے تو یہ کام محض اللہ کی رضا کیلئے کیا ہے اور اسی کی رضا میرے

لئے کافی ہے، مجھے کسی کے شکریہ کی ضرورت نہیں۔ یہ سکول اب بھی قائم ہے اور نہ صرف ہمارے گاؤں بلکہ اردگرد کے دیہات کے بچوں کیلئے بھی مینارۂ نور بنا ہوا ہے۔گاؤں والوں نے اس علاقہ کا نام حضرت والد صاحب کے نام کی مناسبت سے ''دانش گڑھی'' رکھ دیا ہے۔

اس سکول کے قیام سے پہلے گاؤں میں ایک پرائمری سکول ہوا کرتا تھا جس کے ہیڈ ماسٹر صاحب کا نام جناب سید صالح شاہ صاحب تھا۔شاہ صاحب قریباً 45 سال اسی سکول میں ہیڈ ماسٹر رہے چونکہ یہ اکیلے ہی استاد تھے اس لئے ہیڈ ماسٹر کہنا تو مناسب نہ ہوگا۔ سکول کے سبھی کچھ شاہ صاحب ہی تھے۔گاؤں میں ہر کوئی ان سے واقف تھا اور گاؤں کے 90 فیصد لوگ بچپن میں ان کے شاگرد رہے تھے اس لئے انہیں گاؤں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔شاہ صاحب صبح حاضری لینے کے بعد غیر حاضر بچوں کے گھروں پر بھی چلے جایا کرتے تھے اور انہیں پکڑ پکڑ کر سکول لاتے تھے اور بعض اوقات تو طلباء کو مانیٹر کے سپرد کر کے کھیت میں چھپے ہوئے بچوں کو بھی تلاش کر کے سکول میں حاضر کرواتے تھے۔ صبح حاضری لینے کے بعد طلباء کو ایک قطار میں کھڑا کر کے ان کے ناخن اور دانت دیکھا کرتے تھے اور جس بچے کے ناخن لمبے ہوتے یا دانت صاف نہ ہوتے تھے، اسے سزا دیتے تھے۔میں بھی ان سے چار سال پڑھتا رہا ہوں اور آج بھی ان کی شفقت اور میری تربیت میں ان کی خاص جدوجہد کے لئے میرا دل ان کیلئے جذبات تشکر سے معمور رہتا ہے۔شاہ صاحب کیلئے دوپہر کا کھانا باری باری طلباء کے گھروں سے آتا تھا کیونکہ شاہ صاحب کا گاؤں سکول سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر تھا جو یہ روزانہ پیدل چل کر طے کرتے تھے یعنی روزانہ دس میل کا سفر پیدل کیا کرتے تھے۔سننے میں آیا ہے کہ شاہ صاحب نے سو سال کے

قریب عمر پائی۔ نہ معلوم اُن کی اولاد اب کہاں ہے؟ بہرکیف یہ ہمارے گاؤں کے محسن تھے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف جتنی توجہ یہ کرتے تھے شاید بچوں کے والدین بھی نہ کرتے ہوں گے۔

میرے والدین

1976ء میں خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ، بطور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے، امریکہ اور کینیڈا کے دورہ پر تھا۔ کینیڈا میں ہم Inn On The Park ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ ایک دن میری بیوی کا لندن سے فون آیا۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے! وہ کہنے لگیں کہ آپ سفر میں ہیں۔ میں اتنے شدید غم کی خبر آپ کو کیسے دوں؟ میں نے گھبراہٹ میں کہا کہ بتاؤ کیا بات ہے! تو وہ کہنے لگیں کہ آپ کے پیارے والد صاحب اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ مجھ پر یہ خبر بجلی کی طرح گری۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ فون ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ساتھ ہی ایک دوست بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا۔ میں نے کہا کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ فوراً حضورؒ کے کمرہ میں گئے اور حضورؒ کو اطلاع دی۔ حضورؒ اُسی وقت میرے کمرہ میں تشریف لائے۔ مجھے گلے سے لگایا اور دیر تک گلے سے لگائے رکھا۔ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون فرما کر مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ ایک دن سبھوں نے رخصت ہو جانا ہے۔ ثبات صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ تم شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری طرف سے زندگی بھر خوشیاں دکھائیں۔ حضرت بیگم منصورہ بیگم صاحبہ نے بھی بہت محبت بھرے رنگ میں مجھ سے تعزیت کا اظہار فرمایا۔

حضرت والد صاحب کی وفات پر مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا میرے سر پر سے ایک چھتری جو مجھے مصائب وآلام سے بچائے رکھتی تھی، اٹھالی گئی ہے اور یوں لگا کہ گویا میرے گھر کی چھت اُڑ گئی ہے اور اب دھوپ، بارش اور طوفان سے بچنے کا کوئی ظاہری ذریعہ باقی نہ رہا۔ انکی دعائیں جوانہوں نے زندگی بھر اٹھتے بیٹھتے میرے لئے کی تھیں، وہ میرے لئے ایک ڈھال کی طرح تھیں اور مجھے ہر حملہ سے بچاتی تھیں۔ اب وہ مجھے میسّر نہ رہیں تھیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انکی وفات کے بعد میری زندگی میں بار بار ابتلاؤں، تکالیف اور پریشانیوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوگیا اور میں قدم قدم پر انکی (والد صاحب مرحوم) کی کمی محسوس کرتا رہا۔

لیکن یہ بھی انہی کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ بار بار شدید ابتلاؤں اور مشکلات کے باوجود میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بالآخر نجات پانے میں کامیاب ہوتا رہا اور اب بھی ان کی دعائیں مجھے سہارا دے رہی ہیں۔ مجھے کئی بار یہ واقعہ یاد آ کر میرے دل کو اطمینان اور تسلی بخشتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی تو حضرت اماں جانؓ نے اپنے بچوں کو بلایا اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہارے ابا تمہارے لئے دعاؤں کا ایک خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو زندگی بھر تمہارے کام آتا رہے گا۔''

یہی حال میرا بھی ہے۔ آج بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے والدین کی دعائیں میرے اردگرد ایک حصار بنائے ہوئے ہیں۔ وہ ایک خزانہ کی طرح ہیں۔ جس سے وقتاً فوقتاً میں فائدہ اٹھاتا رہتا ہوں۔ اے میرے مولیٰ! تو محض اپنے فضل سے میرے والدین کو اگلے جہان میں اپنی رضا کی جنتوں میں جگہ دے۔ آمین۔

میری والدہ صاحبہ کا نام فاطمہ بی بی صاحبہ ہے۔آپ حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب کی سب سے بڑی بیٹی تھیں اوراس لحاظ سے ان کو بے حد پیاری بھی تھیں۔حضرت مولوی صاحب مستونگ بلوچستان میں رہتے تھے۔میری والدہ صاحبہ بھی غالباً وہیں پیدا ہوئیں تھیں۔آپ کی خوش بختی تھی کہ آپ کو حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب جیسے عظیم روحانی بزرگ والد کی تربیت نصیب ہوئی۔آپ کی والدہ کا نام اشراف بی بی تھا۔

چھوٹی عمر میں ہی آپ کی شادی میرے والد صاحب سے ہوئی۔اُن دنوں میرے والد صاحب مستونگ میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔کچھ عرصہ بعد میرے والدین اپنے گاؤں چلے آئے اور ان کی بقیہ زندگی گاؤں میں ہی گذری۔دونوں کی آپس میں محبت، تعاون اور ایک دوسرے کا احترام ہمارے خاندان میں مثالی رنگ رکھتا تھا۔میں نے کبھی زندگی میں اپنے والدین کے مابین کسی قسم کی تلخی یا ناچاقی نہیں دیکھی۔

والدہ صاحبہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں۔اُن دنوں عورتوں میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا۔قرآن مجید بچپن میں ہی گھر پر پڑھ چکی تھیں۔میں نے ہمیشہ ان کو روزانہ تلاوت کرتے دیکھا ہے۔تلاوت نسبتاً آہستہ آواز میں کرتی تھیں۔ہمیشہ تلاوت کرنے سے پہلے باوضو ہو جایا کرتی تھیں۔

والدہ صاحبہ کو صاف ستھرا لباس بہت پسند تھا۔روزانہ نیا جوڑا پہنتی تھیں۔صبح صبح سر کے بالوں میں تیل لگا کر کنگھی سے سجایا کرتی تھیں اوراس میں بہت باقاعدہ تھیں۔

مہمان نوازی محترمہ والدہ صاحبہ کا خاص وصف تھا۔ہمارا گاؤں پشاور کے بالکل قریب واقع تھا اس لئے اکثر اتوار کو پشاور کے بعض احمدی احباب ہمارے گاؤں تشریف لے آتے تھے اور سارا دن والد صاحب کے ساتھ گذارنے کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔

ان میں رشتہ دار بھی ہوتے اور دوسرے احمدی احباب بھی ہوتے تھے۔ والدہ صاحبہ بڑی خوشی سے ان کی مہمان نوازی فرمایا کرتی تھیں۔ والدہ صاحبہ یوں تو سبھی کھانے بہت لذیذ بنایا کرتی تھیں لیکن ان کے ہاتھ کا پلاؤ اور پراٹھے بہت مشہور تھے۔

ایک خاص وصف جو میں نے اپنی والدہ صاحبہ میں دیکھا وہ یہ تھا کہ کبھی غیبت کی بیماری میں مبتلا نہ ہوئیں۔ عموماً عورتوں کو غیبت کی بیماری کا کچھ حصہ لگا ہوتا ہے لیکن میری والدہ صاحبہ خدا کے فضل سے اس عیب سے کلیۃً پاک تھیں۔ میں نے کبھی انہیں کسی کے خلاف بولتے نہیں سنا۔ حالانکہ بعض اوقات کچھ لوگوں سے انہیں تکلیف بھی پہنچتی تھی لیکن ہمیشہ صبر کے ساتھ خاموشی اختیار کرلیا کرتی تھیں۔

ان کی طبیعت میں غصہ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے کبھی اپنی زندگی میں انہیں اپنے بچوں، نواسے نواسیوں، پوتے پوتیوں پر ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ کبھی انہیں منہ سے غلط کلمہ نکالتے نہیں دیکھا۔ کسی سے ناراض ہوجاتیں تو خاموشی اختیار کرلیتیں۔ ان کی خاموشی سے ہمیں معلوم ہوجاتا کہ والدہ صاحبہ کسی بات پر ناراض ہیں۔ پھر بہت جلد ناراضگی ترک کرکے گھل مل جاتیں۔

محترمہ والدہ صاحبہ کو دعاؤں میں خاصہ یقین تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے دعائیں کرتی تھیں اور اکثر درود پڑھتی رہتی تھیں۔ دعائیں اُونچی آواز میں بھی کرتی تھیں اور خاموشی سے بھی۔ ہم ان کے ہونٹ ہلتے دیکھ کر اندازہ کرتے تھے کہ والدہ صاحبہ دعاؤں میں مصروف ہیں۔

شفقت کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے آرام کا خیال نہ کیا۔ میں مڈل سکول کا طالب علم تھا۔ گرمیوں میں دوپہر کو سکول سے واپس آتا تو میرے انتظار میں میری راہ تک رہی ہوتی تھیں۔ میرے آنے سے پہلے غسل خانہ میں ٹھنڈا پانی رکھوایا ہوتا تھا۔ نہانے کے بعد

کھانا تیار رکھا ہوتا تھا۔ میں کھانا کھاتا تو والدہ صاحبہ پاس بیٹھ کر پنکھا جھل رہی ہوتی تھیں اور میرے منع کرنے پر بھی پنکھا جھلتی رہتیں تھیں۔

کھانے کے بعد جب تک میں سو نہ جاتا، والدہ صاحبہ نہ سوتیں۔ بعد میں جب میں قادیان اسکول میں داخل ہوا تو رخصتوں کے بعد واپس سکول کی تیاری ہوتی تو والدہ صاحبہ نہ صرف راستہ کیلئے کھانا تیار کر کے دیتیں بلکہ اگلے چند ہفتوں کیلئے گھر میں بنے ہوئے کیک اور بسکٹ بھی ساتھ دیتیں۔

مجھے افسوس ہے کہ زیادہ عرصہ بورڈ نگ میں رہنے اور بعد میں لندن چلے آنے کی وجہ سے میں والدہ صاحبہ کی پُر محبت صحبت سے زیادہ مستفید نہ ہوسکا۔ برادرم کرنل نذیر احمد کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں زیادہ عرصہ والدہ صاحبہ کا قرب حاصل رہا اور خدمت کی بھی زیادہ توفیق ملتی رہی۔ والدہ صاحبہ میری نسبت بھائی نذیر احمد سے زیادہ بے تکلف تھیں۔

والدہ صاحبہ نے میری بہنوں کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ وہ گاؤں میں اکیلے احمدی خاندان ہونے کے باعث عمومی احمدیہ تربیت سے محروم تھیں لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی اعلیٰ تربیت سے یہ کمی بخوبی پوری کردی تھی۔ تمام بچوں کو قرآن کریم بار بار پڑھایا۔ نمازوں کی پابندی کرائی اور سب سے زیادہ ان کو اپنی دعاؤں کے حصار میں محفوظ کیا۔

والدہ صاحبہ موصیہ تھیں۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی جہاں میرے والد صاحب بھی محو استراحت ہیں۔ میرا مولیٰ ان دونوں کو اپنے قرب میں اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے آمین۔

میرے والد صاحب کا نام دانشمند خان تھا۔ آپ اپنے گاؤں محبّ بانڈہ میں 1890ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے ۔آپ کے والد صاحب کا نام عبدالحنان خان تھا۔ ہمارے

داداجان خاصی بڑی زرعی جائیداد کے مالک تھے۔طبیعت میں غصہ اور سختی بہت تھی۔ ناخواندہ تھے اس لئے غصہ میں آکر آپے سے باہر ہوجاتے تھے۔انکی طبیعت کی اس کرختگی کی وجہ سے بالآخر اپنے ہی بھتیجے کی گولی کا شکار ہوگئے۔جب والدصاحب مستونگ میں احمدی ہوگئے اور اپنے والدصاحب یعنی ہمارے دادا کو انہوں نے تبلیغی خط لکھا تو داداجان کو بہت صدمہ ہوا۔وہ والدصاحب کا خط لیکر گاؤں کی مسجد کے امام کے پاس گئے اور اسے کہا کہ اس خط کا جواب لکھو۔ملاّ صاحب نے خط پڑھا تو جواب سے جان چھڑانے کیلئے کہا:

خان صاحب ! آپ کا بیٹا کافر اور مرتد ہوگیاہے اور مرتد کے خط کا جواب دینا مناسب نہیں اس لئے آپ اسے جواب ہی نہ دیں۔داداجان کو مولوی صاحب کے اس جواب سے تسلی تو نہ ہوئی البتہ آپ شدید غم میں مبتلا ہوگئے۔اس غم کی شدت نے آپ کو بیمار کردیا۔دن بدن کمزوری بڑھنے لگی۔اکثر ہماری دادی سے کہا کرتے تھے کہ دانشمند نے تو مجھے زندہ درگور کردیاہے۔میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔میری دادی نے کہا کہ دانشمند نے اگرکسی بات کو سچ سمجھ کر اسے قبول کیاہے تو اس میں آپ کو غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔یہ اس کا اور اس کے خدا کا معاملہ ہے لیکن داداجان کو ان باتوں سے تسلی نہ ہوتی تھی۔جب بیماری بہت بڑھ گئی تو دادی جان نے ایک نوکر کو مستونگ والدصاحب کے پاس بھجوایا۔باپ کی بیماری کی اطلاع دی اور والدصاحب کو جلد گاؤں آکر اپنے والد کی ملاقات کی تلقین کی۔والدصاحب اپنے والدصاحب کی بیماری کا سن کر بے چین ہوگئے اور فوراً گاؤں چلے آئے۔داداجان نحیف ونزار بستر پر تھے۔باپ بیٹا گلے ملے اور دیر تک روتے رہے۔پھر داداجان نے بھرائی آواز میں کہا: دانشمند خان! تم چاہے چوری کرتے، ڈاکے ڈالتے، قتل بھی کرتے تو مجھے کوئی غم نہ ہوتا لیکن تم نے احمدیت قبول کرکے میرے منہ

پر کالک مل دی ہے۔ میں گاؤں میں کسی کومنہ نہیں دکھا سکتا۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ میں نے احمدیت قبول کر کے تمام گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں نماز نہیں پڑھتا تھا اب پانچ وقت نماز کے علاوہ تہجد بھی پڑھتا ہوں۔ روزے نہیں رکھتا تھا اب فرض روزے کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتا ہوں۔ کبھی قرآن شریف نہیں پڑھا تھا اب روزانہ بلا ناغہ قرآن مجید کی نہ صرف تلاوت کرتا ہوں بلکہ ترجمہ بھی سیکھ رہا ہوں۔ کیا یہ باتیں غیر اسلامی ہیں! کیا آپ مجھے پہلے سے ایک بہتر انسان نہیں دیکھتے! لیکن دادا جان پر اس گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد پر اڑے رہے کہ تم احمدیت سے توبہ کرو، پھر چاہے جو مرضی کرلو۔ بیشک ڈاکے ڈالو، چوری کرو، زنا کرو یا قتل کرو، مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔ مگر والد صاحب کو یہ منظور نہ تھا۔ دو چار دن سخت پریشانی میں گذر گئے۔ باپ بیٹے کا روزانہ مکالمہ ہوتا۔ باپ حق کو چھوڑنے پر اصرار کرتا، بیٹا حق کیلئے جان تک دینے پر تیار رہتا۔ اس دوران دادا جان نے والد صاحب کو کہا کہ میں تو ان پڑھ ہوں۔ تم گاؤں کے مولوی صاحب سے احمدیت پر گفتگو کرو۔ چنانچہ والد صاحب، مولوی صاحب کے پاس گئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تمہارے والد نے پہلے بھی مجھے تم سے بحث کرنے کو کہا تھا۔ دن بھر وفات مسیح پر بات ہوتی رہی۔ شام کو مولوی صاحب نے کہا کہ قرآن اور حدیث سے تو حیات مسیح کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ مولوی حضرات کی اکثریت حیاتِ مسیح کی قائل ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ میں تو قرآن و حدیث کا پابند ہوں، مولویوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اسطرح یہ بحث بے نتیجہ ختم ہوگئی۔

چند دن اور گذر گئے۔ ایک شام میرے دادا نے میری دادی کو کہا کہ کل فجر کی نماز کیلئے جب میں مسجد جاؤں گا تو دانشمند کو بھی ساتھ لے جا کر مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے

کے لئے کہوں گا اور مسجد میں اسے احمدیت سے تائب ہونے کا بھی حکم دوں گا۔ اگر دانشمند نے میری بات نہ مانی تو اسی وقت اسے قتل کر دوں گا۔ دادی نے دادا کے سرہانے پستول بھی دیکھ لیا تھا اس لئے وہ سخت گھبرا گئیں اور ایک نوکر حجرے کی طرف دوڑایا جہاں والد صاحب سورہے تھے۔ نوکر نے والد صاحب کو دادی کا پیغام دیا کہ یا تو باپ کی بات مان لو یا پھر صبح قتل ہونے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والد صاحب کو اپنے والد کی طبیعت کا علم تھا اور جانتے تھے کہ انہوں نے کہا ہے تو وہ قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ چنانچہ والد صاحب راتوں رات گاؤں چھوڑ کر مستونگ واپس چلے گئے۔ اسکے بعد دادا جان کے خود قتل ہو جانے تک والد صاحب گاؤں واپس نہ آسکے۔

والد صاحب کی قبول احمدیت کا واقعہ میں الگ باب میں لکھ چکا ہوں۔ انکی زندگی کے حالات میں انشاءاللہ الگ کتابی صورت میں جلد لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس لئے میں یہاں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔

حضرت والد صاحب کو تبلیغ کرنے کا شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم عطا کیا تھا کہ بڑے سے بڑا مولوی بھی آپ کے مقابلہ پر آنے سے گریز کرتا تھا۔ قرآن مجید سے آپ کو عشق تھا۔ جب بھی تلاوت کی آواز سنتے اٹھ کر بیٹھ جاتے اور ہمیں بھی تلقین فرماتے کہ جب بھی قرآن کی آواز کان میں پڑے، احتراماً بیٹھ جایا کرو۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ مولوی میرا مقابلہ کیا کریں گے! میرے پاس تو قرآن ہے اور ان کے پاس فرسودہ قصوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کی طرز تبلیغ بہت دل نشین ہوتی تھی۔ الزامی جواب میں خاصی مہارت تھی۔

احمدیت کیلئے غیرت اس درجہ کی تھی کہ اس کی خاطر جان کی بھی پرواہ نہ تھی۔ ایک دفعہ

آپ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔مقدمہ میں آپ کی باری ابھی نہیں آئی تھی۔قریب ہی ایک اورخان صاحب اپنے نوکروں اور محافظوں کے ساتھ آ کر مقدمہ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔والد صاحب کے ہاتھ میں ''براہین احمدیہ'' تھی جو آپ پڑھ رہے تھے۔ان خان صاحب کی نظر کتاب پر پڑھی تو دریافت کیا کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ یہ اس زمانہ کے مامور من اللہ کی کتاب ہے۔جن کا نام نامی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہے۔خان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سنا تو طیش میں آ گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کچھ گستاخی کے کلمات کہے۔والد صاحب نے فوراً جھپٹ کر اس کی پستول اس سے چھین لی اور اس کا رخ اسکی طرف کر کے کہنے لگے کہ جو گالی تم نے میرے آقا کو دی ہے،اب وہی گالی اپنے آپ کو دو اور معافی مانگو وگرنہ میں ابھی تمہیں ڈھیر کر دوں گا۔خان صاحب اس اچانک حملہ سے سخت گھبرا گئے۔جیسے والد صاحب نے کہا تھا ویسے ہی کیا اور معذرت کی اور کہا میں نے تو سنا تھا کہ احمدی بہت رحم دل ہوتے ہیں لیکن تم تو بہت گرم دماغ کے نکلے۔والد صاحب نے کہا خان صاحب آپ مجھے گالی دیتے اور برا بھلا کہتے تو میں کوئی جواب نہ دیتا لیکن جب تم نے میرے آقا کو گالیاں دیں تو یہ میں کیسے برداشت کرسکتا تھا؟ خیر اسکے بعد گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔والد صاحب نے اس خان کو بعدازاں کافی تبلیغ کی اور یوں یہ محفل برخواست ہوگئی۔

والد صاحب صاحبِ رویاوکشوف تھے۔اکثر سچی خوابیں بتایا کرتے تھے جو روز روشن کی طرح پوری ہو جایا کرتی تھیں۔کثرت سے الہامات بھی ہوتے تھے،جن کے ہم سب بچے گواہ ہیں۔ان باتوں کا تفصیلی تذکرہ انشاءاللہ ان کی حالات زندگی کے متعلق کتاب میں کروں گا۔

یہاں ایک ایمان افروز واقعہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔1960ء کے آغاز میں والد صاحب پر گاؤں میں رات کے وقت ایک دشمن احمدیت نے فائر کر کے حملہ کر دیا۔ گولی آپ کے باوز کے نیچے لگی۔ گاؤں میں ابتدائی فرسٹ ایڈ تو میسر نہ تھی۔ صبح تک بہت خون بہہ گیا۔ والد صاحب چند بار بے ہوش بھی ہوئے۔ اگلے روز میرے چھوٹے بھائی (کرنل) نذیر احمد جو ان دنوں نوشہرہ میں لیفٹیننٹ تھے، والد صاحب کو C.M.H نوشہرہ لے گئے، جہاں علاج ہوتا رہا۔ لیکن زخم Septic ہو گیا اور ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ ان کی جان کو بچانے کیلئے ان کے بازو کو کاٹنا ضروری ہے۔ چنانچہ بازو کاٹنے کا فیصلہ ہو گیا۔ ڈاکٹر نے برادرم نذیر احمد سے صاف کہہ دیا کہ بچنے کی زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔ عمر 70 سال سے زائد ہو چکی تھی۔ چونکہ بہت خون بہہ جانے سے کمزوری بھی بہت زیادہ تھی اس لئے آپریشن کے دوران خطرات بہت تھے۔ برادرم نذیر احمد نے انہیں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہیں۔ جو ہوگا، وہ تو ہوگا اس لئے اپریشن کر دیا جائے۔

اس دوران برادرم نذیر احمد نے مجھے بھی لندن اطلاع کر دی اور خط میں لکھا کہ والد صاحب کے بچنے کی امید بہت کم ہے اور ہو سکتا ہے جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو والد صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے ہوں۔ مجھے اس خط سے بیحد پریشانی ہوئی۔ شدید گھبراہٹ میں میں مسجد فضل لندن میں داخل ہوا۔ دن کا وقت تھا۔ مسجد بالکل خالی تھی۔ میں اپنے مولیٰ کریم کے سامنے سجدہ میں گر گیا اور بڑی عاجزی سے دعا کی کہ اے میرے مولیٰ کریم! میں اپنے والد کا سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ مجھے انہوں نے تیری رضا کی خاطر دین کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ میری بہنیں ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔ میں دیار غیر میں ہوں۔ ایک بھائی پر سارا بوجھ ہے۔ نہ وہ گاؤں رہ سکتا ہے اور نہ میں۔ ایسے وقت میں اگر والد

صاحب کی موت واقع ہوگئی تو میری ماں اور بہنیں بالکل بے سہارا رہ جائیں گی اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں انکی وفات کی صورت میں میرے عہد وقف میں روک نہ پیدا ہوجائے۔ میرے مولیٰ! ایک معجزہ دکھا کر میرے والد کو موت کے منہ سے نکال اور ہم سب کو ایک خوفناک ابتلاء سے بچالے۔ آمین۔

موت تو ایک دن سبھی کو آنی ہے۔ میرے باپ کو بھی ایک دن تو مرنا ہی ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کی موت ہم سب کی بربادی ہوگی۔

ان دعاؤں کے بعد میں گھر آیا۔ دل بوجھل اور مغموم تھا۔ سارا دن دعاؤں میں گذرا۔ اُن دنوں ٹیلیفون ملنا بھی ناممکنات میں سے تھا اس لئے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

رات کو سویا تو خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جس نے میرے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور فرمایا گھبراؤ نہیں! اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعائیں قبول کر لی ہیں اور تمہارے والد کو مزید 10 سال کی مہلت عطا کی ہے۔ اس لئے بےفکر رہو، وہ مزید دس سال زندہ رہیں گے۔ صبح اٹھ کر میں نے برادرم نذیر احمد کو بذریعہ خط اس خواب کی اطلاع دی۔ یہ خط برادرم نذیر احمد کو ایسے وقت میں ملا جب ڈاکٹر اس بات کا فیصلہ کر رہے تھے کہ کیا اپریشن کیا بھی جاسکتا ہے یا نہیں۔ برادرم نذیر احمد نے میرا خط ڈاکٹر صاحب کو دکھایا جو کہ ایک ماہر سرجن تھے اور بڑے وثوق سے کہا: میرا بھائی اللہ کی فوج کا سپاہی ہے، اس کی خواب جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ آپ بے دھڑک آپریشن کریں۔ میرے والد صاحب انشاءاللہ زندہ رہیں گے اور مزید دس سال جئیں گے۔ ڈاکٹر صاحب حیران ہوئے کہ ان لوگوں کو اپنے خدا پر کس قدر ایمان اور توکل ہے۔

اپریشن خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب رہا۔ والد صاحب ایک ہاتھ کے استعمال سے

محروم ہو گئے اور یہ ہاتھ اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ دس سال گذر گئے اس دوران والد صاحب سے میری دو دفعہ ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر ایک دن میرے والد صاحب کا مجھے خط آیا کہ تمہاری خواب کے مطابق خدا نے مجھے دس سال کی مہلت دی تھی جواب ختم ہونے کو ہے اور اب میں سفر آخرت کیلئے بالکل تیار بیٹھا ہوں۔ مجھے اس خط سے بہت گھبراہٹ ہوئی اور ایک بار پھر میں آستانۂ الٰہی پر جھکا۔ مسجد فضل لندن کے دروازے بند کر کے گریہ و زاری سے اپنے مولیٰ کے حضور مزید مہلت کی درخواست کی۔

میرا مولیٰ دعاؤں کو سنتا ہے۔ انہیں قبول کرتا ہے اور قبولیت دعا کے نشانات دکھاتا رہتا ہے۔ اس کا یہ سلوک ہر کس و ناکس سے جاری ہے۔ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اس لئے میں جب ان واقعات کو بیان کر رہا ہوں تو خدانخواستہ میرا مقصد ہرگز ہرگز کسی بڑائی کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف بطور تحدیث نعمت لکھ رہا ہوں تا میری اولاد کو بھی دعاؤں میں شغف پیدا ہو۔

خیر دعا کر کے میں سویا تو دوبارہ میں نے انہیں بزرگ کو خواب میں دیکھا جن کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ انہوں نے پھر مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ تمہاری دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو گئی ہے اور اب تمہارے والد صاحب کو مزید 5 سال کی مہلت ملی ہے۔ میں نے والد صاحب کی خدمت میں لکھا۔ انہوں نے میری ان خوابوں کا ذکر حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے کیا تو حضرت مولانا صاحب نے باصرار فرمایا کہ یہ قلمبند کر کے مجھے دے دو تا کہ میں ''الفرقان'' میں شائع کر سکوں۔

والد صاحب پانچ سال کے بعد اچانک گھر کی چھت کے گر جانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت والد صاحب کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مجھے مندرجہ ذیل خطوط لکھے:

''آپ کا خط ہمیشہ آپ کے بزرگ باپ کی یاد دلا کر ان کیلئے دعا کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ قول اور فعل میں تضاد سے پاک خلوص اور سچائی کا مجسمہ تھے۔ مجھے ان سے گہرا تعلق تھا اور ہے اور اس کا اظہار ہمیشہ دعا کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور ان کی ساری اولاد کو ان کا حقیقی وارث بنائے۔''

والسلام خاکسار

مرزا طاہر احمد

☆......ایک اور خط میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے تحریر فرمایا:

''میں پہلے بھی آپ کیلئے حسبِ توفیق دعا کرتا رہا ہوں۔ وقفِ زندگی کے علاوہ آپ کیلئے دعا کی تحریک کا ایک سبب آپ کے والد صاحب مرحوم کی یاد ہے جن سے مجھے بہت تعلق تھا۔

اکثر ان سے راستہ میں ملاقات ہوتی لیکن راستہ چلتے چلتے سلام کی صورت میں نہیں بلکہ ٹھہر کر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرتے اور باہم دگر اس ملاقات سے بہت خوشی محسوس کرتے۔ کبھی مسجد کی طرف جاتے ہوئے یا آتے ہوئے، اکٹھے چلتے ہوئے، باتیں کرتے جاتے۔ اکثر وہ اپنی زندگی کے ایمان افروز واقعات سنایا کرتے تھے۔ مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا کہ وہ مجھے خاص طور پر گرمجوشی سے ملتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ انہیں

بھی میرے تعلق کا احساس تھا۔اگر آپ کیلئے دعا کی تحریک کی اور کوئی وجہ نہ بھی ہوتی تو یہی ایک وجہ کافی تھی۔

میں سوچتا ہوں کہ یہ بھی صالح والدین کا ایک جاری چشمۂ فیض ہوتا ہے جو بذاتِ خود ایک بھاری احسان ہے ۔ پس ایسے والدین کے احسانات انسان نہ گن سکتا ہے نہ چکا سکتا ہے''

والسلام

خاکسار 3.7.91

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

والد صاحب کا قبول احمدیت

میرے والد صاحب اوائل جوانی میں گاؤں چھوڑ کر بلوچستان چلے گئے تھے اور وہاں مستونگ جیل میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ گاؤں سے رخصت کرتے وقت میرے دادا صاحب نے انہیں نصیحت کی کہ بیٹا اور جو چاہو کرو لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ قادیانیوں سے بچ کر رہنا۔ یہ عیسائیوں اور یہودیوں سے بھی بدتر لوگ ہیں۔ یہ خدا کو نہیں مانتے اور (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں۔ والد صاحب نے اُن سے وعدہ کیا کہ وہ احمدیوں سے دُور رہیں گے اور ان کے جال میں نہیں پھنسیں گے۔

حضرت والد صاحب کو احمدیت کے بارہ میں قطعاً کوئی علم نہیں تھا اور نہ کبھی کسی احمدی سے ملے تھے اور نہ ہی انہیں احمدیت میں کوئی دلچسپی تھی۔ان دِنوں مستونگ ایک

چھوٹا سا قصبہ ہوا کرتا تھا۔مختصر سی آبادی تھی۔زیادہ تر بلوچ اور کچھ پختون لوگ آباد تھے۔ والد صاحب کو مستونگ جیل کے اندر ایک وسیع وعریض مکان رہائش کیلئے ملا تھا جس میں زندگی کی ہر آسائش میسر تھی۔دفتر میں مختصر سا عملہ بھی آپ کے ماتحت تھا اور زندگی آرام اور سکون سے گذر رہی تھی۔

یہ 1921ء کی بات ہے۔ایک روز جمعہ کے دن آپ جیل سے اس غرض سے نکلے کہ مستونگ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ جونہی آپ جیل سے باہر سڑک پر آئے سامنے سے حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب بھی آ گئے۔دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنے کے بعد دونوں کا آپس میں تعارف بھی ہوا۔حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب (جو بعد میں میرے نانا بنے) میرے دادا صاحب کو خوب جانتے تھے۔انہوں نے میرے والد صاحب کو بتایا کہ وہ نہ صرف میرے دادا صاحب کے دوست ہیں بلکہ ہمارے گاؤں بھی ایک دومرتبہ گئے تھے۔حضرت مولوی صاحب نے میرے والد صاحب کو یہ بھی بتایا کہ ان کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔میرے والد صاحب کو انکی یہ بات اچھی نہ لگی۔لیکن وہ حضرت مولوی صاحب کی شخصیت اور ان کے نورانی چہرے سے بیحد متاثر ہوئے۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ایسا شخص جھوٹا کیسے ہوسکتا ہے! حضرت مولوی صاحب نے میرے والد صاحب سے پوچھا کہ وہ کہاں جارہے ہیں؟ والد صاحب نے جواب دیا کہ نماز جمعہ پڑھنے جارہا ہوں۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے گھر سے نکلا ہوں اور یہاں قریب ہی ایک احمدی کے گھر میں ہم نماز پڑھتے ہیں۔آؤ،آج ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔والد صاحب نے کچھ دیر سوچا پھر جواب دیا کہ وہ اس شرط پر ساتھ چلنے کو تیار ہیں کہ وہ خطبہ تو

سنیں گے لیکن نماز احمدیوں کے ساتھ نہیں پڑھیں گے۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ بالکل ٹھیک ہے آپ الگ بیٹھ جائیں اور اپنی الگ نماز پڑھ لیں۔

بعد میں حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے صرف اس لئے انکی بات مان لی تھی کہ مجھے بتایا گیا تھا کہ احمدیوں کی نماز میں گانا بجانا ہوتا ہے اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ خود یہ دیکھوں کہ انکی طرز عبادت کیسے ہوتی ہے! والد صاحب ،حضرت مولوی صاحب کے ساتھ چل پڑے۔قریب ہی ایک احمدی کا گھر تھا جہاں احمدی نماز جمعہ کے لئے اکٹھے ہوتے تھے۔وہاں جا کر دیکھا کہ بمشکل آٹھ یا دس افراد موجود تھے۔والد صاحب ایک طرف بیٹھ گئے لیکن یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی کہ احمدی جو سنتیں ادا کر رہے تھے، اپنی نماز کے دوران اسقدر گریہ وزاری کر رہے تھے کہ جس نے والد صاحب کو حیرت میں ڈال دیا۔

خطبہ حضرت مولوی محمد الیاس خانصاحب نے دیا۔ ان کا موضوع سورہ بقرہ کی وہ آیات تھیں جن میں منافقین کا ذکر تھا۔حضرت مولوی صاحب نے تفصیل سے منافقین کی علامات بیان فرمائیں۔والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سمجھا کہ گویا وہ میرے ہی حالات بیان کر رہے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ایک منافق کی جو علامات بیان کی گئیں تھیں وہ سب مجھ میں موجود تھیں اور مجھے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا اور میرا دل غم سے بھر گیا کہ قرآنی اصطلاح میں جسے منافق کہتے ہیں وہ تو میں خود بھی ہوں۔حضرت مولوی صاحب کے اس خطبہ نے میرا دل ہلا کر رکھ دیا اور میں سمجھا کہ شاید حضرت مولوی صاحب کو پہلے سے میری خراب روحانی زندگی کی اطلاع دے دی گئی ہے اس لئے وہ بغیر نام لئے میرے حالات بیان کر رہے ہیں۔نماز ہوگئی تو چائے کا دور چلا۔حضرت مولوی صاحب نے مختلف قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کی کہ میں عش عش کر اُٹھا۔

خیر گھر سے باہر آئے تو حضرت والد صاحب نے حضرت مولوی صاحب کو الگ لے جا کر پوچھا کہ انہیں والد صاحب کی اندرونی منافقانہ زندگی کے بارہ میں کس نے بتایا ہے۔ حضرت مولوی صاحب حیران ہوئے اور فرمایا کہ انہوں نے تو پہلی مرتبہ والد صاحب کو دیکھا تھا اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا تھا وہ تو قرآن کریم کی تفسیر تھی۔

اس واقعہ کے بعد کئی ہفتے گذر گئے۔ والد صاحب پھر کبھی نہ تو حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب کو ملے اور نہ ہی احمدیت کے بارہ میں کوئی تحقیق کی اور بات آئی گئی ہوگئی۔

کچھ عرصہ کے بعد دسمبر کے مہینہ میں مستونگ میں شدید برفباری شروع ہوگئی تھی۔ راستے برف سے اٹے پڑے تھے اور سارا ماحول شدید ٹھنڈا تھا۔ والد صاحب دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر اپنے گھر چلے گئے جو جیل کے اندر ہی تھا۔ لالٹین جلائی۔ نوکر نے کھانا تیار کیا ہوا تھا، وہ کھایا اور سونے کی تیاری کرنے لگے۔ نوکر کو، جو ایک قیدی تھا، رخصت کر دیا اور بستر پر دراز ہوگئے۔ آدھی رات کو آپ نے محسوس کیا کہ کوئی آپ کے پاؤں کے انگوٹھے کو زور سے دبا رہا ہے۔ والد صاحب ہڑ بڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے تو آواز آئی ''اٹھ بیعت کر'' والد صاحب نے فوراً لالٹین جلائی۔ گھر کا ہر کمرہ جا کر دیکھا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اوّل تو گھر جیل کے احاطہ کے اندر ہے جہاں سخت پہرہ ہے، دوسرے اتنی شدید سردی اور برفباری میں کوئی چور بھی چوری کیلئے باہر نہیں نکلے گا۔ آپ دوبارہ بستر پر لیٹ گئے، لالٹین بجھا دی اور جلد ہی گہری نیند سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ آپ کو اپنے پاؤں پر شدید دباؤ محسوس ہوا اور ساتھ ہی آواز آئی ''اُٹھ بیعت کر''۔ آپ نے اب گھبراہٹ سی محسوس کی، اُٹھ کر لالٹین جلائی اور رات کا بقیہ حصہ جاگتے ہوئے گزار دیا۔ دن کو یہ واقعہ آپ کے ذہن سے محو ہوگیا۔ اگلی رات آئی تو پھر جونہی آپ گہری نیند سو گئے وہی واقعہ دہرایا

گیا اور آواز آتی رہی ''اُٹھ بیعت کر''۔غرض آپ خوف کے مارے سو نہ سکے اور رات جاگتے ہوئے گزار دی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس سے قبل کبھی ''بیعت'' کا لفظ سنا تک نہیں تھا۔ سخت پریشانی کا عالم تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں اور کس سے مشورہ کروں۔ بالاخر میں نے سوچا کہ کیوں نہ قریبی مسجد کے ملا صاحب سے ''بیعت'' کے معنی پوچھوں۔ یہ ارادہ کر کے میں گھر سے نکل کر باہر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے اپنا کام شروع کیا۔سامنے سے حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب چلے آرہے تھے۔ مجھے دیکھا تو فوراً پوچھا: تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں خیریت تو ہے؟ میں نے عرض کیا: مولوی صاحب خیریت کہاں میں تو ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں اور اس کے بعد پچھلے دو تین راتوں کی ساری کہانی انہیں سنا کر پوچھا کہ مولوی صاحب یہ بیعت کیا چیز ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے بیعت کی تشریح کی تو والد صاحب نے پوچھا کہ بیعت کہاں اور کس سے کرنی ہوتی ہے۔حضرت مولوی صاحب نے جواب دیا: بیعت قادیان میں حضرت خلیفۃ ثانیؓ کی ہوتی ہے اس پر والد صاحب نے فرمایا مولوی صاحب فوراً میری بیعت کروائیں، میں سخت پریشان ہوں۔

مولوی صاحب والد صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور بیعت فارم پُر کروالیا اور فرمایا اب انشاءاللہ تمہیں رات کو کوئی نہیں ستائے گا اور تم آرام سے سوسکو گے۔

والد صاحب واپس اپنے گھر آ گئے۔اگلی رات آئی۔ والد صاحب کو خوف تو بہت تھا لیکن بالآخر نیند آ گئی اور آپ گہری نیند سو گئے۔رات آرام سے گزری اور کسی نے آپ کو نہ جگایا اور نہ ہی بیعت کرنے کا حکم دیا کہ بیعت تو اب آپ کر ہی چکے تھے۔

چند دن بعد حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب سے سرراہ ملاقات ہوئی تو حضرت مولوی صاحب نے والد صاحب کو کہا کہ وقت نکال کر میرے پاس آ کر مجھ سے قرآن اور اس کی تفسیر پڑھو۔ والد صاحب نے کہا کہ میں نے تو بچپن میں قرآن نہ پڑھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت مولوی صاحب بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ ایک مسلمان ہوتے ہوئے تم نے ایسی قسم کیسے کھالی جو سراسر خلافِ شریعت ہے اور غلط ہے۔ والد صاحب نے عرض کیا: مولوی صاحب بچپن میں میرے والد صاحب نے مجھے گاؤں کے ملاّں صاحب کے پاس قرآن پڑھنے کیلئے بٹھا دیا۔ ناظرہ قرآن ختم کر کے جب قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا تو بعض سوالات میرے ذہن میں اٹھنے شروع ہوئے۔ چند دن میں یہ سوالات ملا صاحب کے سامنے پیش کرتا رہا اور ان سے جواب مانگا ایک دن ملا صاحب نے غصہ میں فرمایا کہ قرآن کریم کے بارہ میں سوالات کرنا کفر کی علامت ہے اس لئے اگر آئندہ تم نے کوئی بھی سوال کیا تو کافر ہو جاؤ گے۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ گھر آ کر میں نے دل میں قسم کھائی کہ اب قرآن نہ پڑھوں گا۔ جس کے سمجھنے کی کوشش سے انسان کافر بن جاتا ہے ایسی کتاب کو تو پڑھنا ہی نہیں چاہئے۔

حضرت مولوی صاحب نے ساری بات سن کر فرمایا۔ دانشمند خان میں تمہیں قرآن پڑھاؤں گا اور خواہ ایک آیت کی تشریح کو سمجھنے میں تمہیں دس دن بھی لگ جائیں، میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ قرآن تو ایمان پیدا کرتا ہے نہ کہ کفر۔ اس کے متعلق تو آیا ہے کہ ھدی للمتقین یہ متقیوں کیلئے بھی ہدایت کا موجب ہے۔ اس کے پڑھنے، اس پر غور کرنے اور سوال کرنے سے کفر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب مان گئے اور قرآن کریم کو پڑھنے، سمجھنے اور اس کی تفسیر میں حضرت مولوی صاحب کی شاگردی اختیار

کرلی۔

بیعت کا فارم قادیان بھجوانے کے کچھ عرصہ بعد والد صاحب کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا ایک کارڈ موصول ہوا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ کی بیعت حضورؓ نے منظور فرمالی ہے۔ آپ نمازوں کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کریں اور دعاؤں میں لگے رہیں۔ یہ کارڈ والد صاحب کے دفتر میں کام کرنے والے ایک مولوی کی نظر میں بھی آ گیا۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں والد صاحب کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کر دیا ہے، آپ تو کافر ہو گئے ہیں اور اب مستونگ میں آپ کی زندگی اجیرن کر دی جائے گی۔ والد صاحب نے فرمایا مجھے تمہاری یا کسی اور کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں نے حق کو پالیا ہے۔ اب خواہ ساری دنیا بھی میری مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے مجھے اسکی کوئی پروا نہیں اور نہ ہی میں خوفزدہ ہونے والا ہوں۔

یہ ہے میرے والد صاحب کی قبول احمدیت کی داستان۔ والد صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے مجھے تو خدا خود احمدیت میں لایا ہے۔ میں کسی کی تبلیغ سے احمدی نہیں ہوا۔

قادیان کی یادیں

دسمبر 1944ء میں حضرت والد صاحب نے جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کا ارادہ کیا اور برادرم نذیر احمد اور مجھے بھی ساتھ لیا۔ ہم پشاور کے ریلوے اسٹیشن سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ ریل کے جس ڈبہ میں ہم سوار ہوئے وہ احمدیوں کیلئے ریزروتھا۔ گاڑی روانہ ہوتے ہی سب نے لمبی اجتماعی دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، سب رو رہے تھے اور سسکیوں اور آہوں کے ساتھ آہ وزاری میں مصروف تھے۔ مجھ پر اس کا بیحد اثر ہوا۔ دعا ختم ہوئی تو چند

نوجوان احمدیوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ گاڑی تیزی سے لاہور کی جانب روانہ ہوئی۔ ہمارے ڈبے میں ایک دوست میاں محمد یوسف صاحب صراف بھی تھے۔ ان کی آواز تو کوئی اتنی اچھی نہ تھی لیکن یہ سارا راستہ جوش وخروش سے درثمین سے نظمیں پڑھتے رہے۔ علی الصبح ہم لاہور پہنچے۔ یہاں سے امرتسر کیلئے گاڑی بدلی۔ امرتسر لاہور سے زیادہ دور نہیں ہے۔ امرتسر میں قادیان کیلئے ٹرین تیار کھڑی تھی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ یہ گاڑی تمام کی تمام احمدیوں سے بھری ہوئی تھی صرف چند سکھ حضرات کسی کسی ڈبہ میں نظر آتے تھے۔ گاڑی روانہ ہوئی تو فضاء نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔ پھر اجتماعی دعا ہوئی۔ یہاں بھی احمدیوں کی آہ و زاری نے مجھے بیحد متاثر کیا۔ قریباً سارا راستہ گاڑی احمدیوں کے نعروں سے گونجتی رہی۔ شام کو ہم قادیان پہنچے جہاں درجنوں کی تعداد میں خدام ہماری خدمت کیلئے موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں ہماری قیام گاہ پر پہنچا دیا۔

اگلے دن صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر ہم ایک ریسٹورنٹ میں گئے۔ ریسٹورینٹ کے اندر ایک لمبی میز بچھی ہوئی تھی جس پر کیک، پیسٹریاں، سموسے اور دوسری کھانے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ ایک ملازم چائے کی کیتلی اٹھائے سب کی پیالیاں چائے سے بھرتا جاتا تھا۔ ہم نے خوب ناشتہ کیا، چائے وغیرہ پی اور باہر آ کر ریسٹورینٹ کے مالک کو بتایا کہ ہم نے کیا کھایا پیا ہے۔ اس نے اس کے دام بتائے جو ہم نے ادا کر دیئے۔ مجھے اس بات کی بے حد حیرت ہوئی کہ صرف ہمارے کہنے پر ریسٹورنٹ کے مالک نے اعتبار کر لیا۔ سبھی گاہک آتے، ناشتہ کرتے اور منیجر کو بتا کر رقم ادا کرتے۔ دیانت کا یہ نظارہ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا اور آج تک میرے دل پر اس وقت کے قادیان کی دیانت وامانت کا یہ منظر نقش ہے۔ یہ وہ انقلاب تھا جو احمدیت نے برپا کیا تھا۔

قادیان کا ماحول دنیا و مافیھا سے بالکل جدا تھا ۔ ہر طرف السلام علیکم کی آوازیں استقبال کرتی تھیں ۔اگلے دن والد صاحب نے ہمیں (یعنی برادرم نذیر احمد کو اور مجھے) فرمایا کہ آج شام صوبہ سرحد کی جماعتوں کی حضورؓ سے ملاقات ہے ، اس لئے تم دونوں صاف ستھرے کپڑے پہنو۔

ہم شام کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے ۔ میں نے اس وقت تک حضورؓ کو نہیں دیکھا تھا۔حضورؓ کی تصاویر البتہ دیکھ چکا تھا۔شام کو ہم قصر خلافت جا پہنچے۔ہمیں ایک کمرہ میں بٹھایا گیا۔اس دوران میاں محمد یوسف صاحب صراف پشاور خوش الحانی سے درثمین اور کلام محمود سے اشعار پڑھ رہے تھے ۔ہم سب اس بات کے شدت سے منتظر تھے کہ دروازہ کھلے اور ہم اپنے پیارے محبوب آقا کی زیارت کر سکیں ۔

حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت ہائے صوبہ سرحد بھی موجود تھے۔آپ میرے خالو تھے۔صوبہ سرحد کے ہر احمدی کو وہ جانتے پہچانتے تھے۔

کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا ۔ہم نے قطار لگائی ۔حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے سب سے پہلے حضورؓ سے ملاقات کی اور حضورؓ کے دائیں جانب بیٹھ گئے ۔لوگوں نے حضورؓ سے باری باری مصافحہ شروع کیا۔حضرت قاضی صاحبؓ ہر ملنے والے کا تعارف کراتے جاتے تھے۔

میں نے جونہی حضور انورؓ کا پرنور چہرہ دیکھا، میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔حضورؓ کا چہرہ اتنا منور اور خوبصورت تھا کہ دل چاہتا تھا بس دیکھتا ہی چلا جاؤں ۔ سارا ماحول نورانی اور دلکش تھا۔حضورؓ ایک کرسی پر تشریف فرما تھے۔نصف جسم کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ایک ایک کر کے عقیدت مند آگے بڑھتے تھے ،السلام علیکم کہتے تھے ،حضور اقدسؓ سے مصافحہ کرتے وقت

حضورؓ کے دستِ مبارک کو چومتے اور پھر انتہائی نظم وضبط کے ساتھ آگے بڑھتے ۔ میں بھی اپنی باری پر آگے بڑھا۔ حضورؓ نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ میں نے مصافحہ کر کے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ حضورؓ کے ہاتھ کے لمس نے میرے اندر ایک عجیب سی برقی لہر دوڑا دی اور میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ میری عمر اسوقت بمشکل 13 سال کی تھی ۔ میں روحانیت کے کوچہ سے بالکل نابلد تھا لیکن حضور اقدسؓ کی محبت اور آپ سے گہری وابستگی کا آغاز اسی دن سے ہوگیا اور میں دل وجان سے حضورؓ پر فریفتہ ہوگیا۔

ملاقات سے فارغ ہوکر واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو ہر کسی کی زبان پر حضورؓ سے ملاقات کا تذکرہ تھا۔ ہر کوئی نازاں اور شاداں تھا کہ اسے اپنے پیارے آقا کے ہاتھ چومنے کا موقع مل گیا۔

جلسہ سالانہ میں تقاریر تو مجھے یاد نہیں کہ کس موضوع پر ہوئیں اور کس کس نے کیں البتہ حضور اقدسؓ کی تقاریر کو سارا وقت سنا اگر چہ ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ میں ان دنوں اردو زبان سے بالکل نابلد تھا۔ سوائے پشتو زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔

جلسہ کے دنوں میں قادیان کی رونقیں قابل دید تھیں ۔ بازار سجے سجائے اور عوام سے بھرے ہوئے ہوتے تھے ۔ مساجد میں نمازوں کے اوقات میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی ۔ نمازوں میں سوز وگداز اور آہ وزاری کا یہ عالم ہوتا تھا کہ گویا رونے دھونے سے ایک حشر بپا ہے ۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر یہ لوگ کیوں اسقدر آنسو بہاتے ہیں ۔ بہرکیف یہ مناظر میرے دل پر ایک نقش چھوڑ رہے تھے اور میری زندگی کے مستقبل کے خدوخال آہستہ آہستہ بن رہے تھے ۔

جلسہ کے اختتام پر جب ہم واپس روانہ ہوئے تو ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے میرے

والدصاحب مرحوم نے مجھ سے سوال کیا کہ قادیان کیسا لگا؟ میں نے عرض کیا کہ بیحد اچھا اور خوبصورت۔ فرمانے لگے: یہاں اگر تمہیں سکول میں داخل کروادوں تو کیسا رہے گا۔ میں نے بڑی خوشی سے سکول میں داخل ہونے کی درخواست کردی۔ اگلے سال یعنی اپریل 1945ء میں میرے ماموں عبدالسلام خان صاحب مجھے میرے والد صاحب کے ارشاد پر قادیان سکول میں داخل کرانے کیلئے لے گئے۔ اب جو جا کر دیکھا تو قادیان کا نظارہ ہی کچھ اور تھا، نہ وہ جلسہ سالانہ والی چہل پہل تھی نہ بازاروں میں وہ رونق۔ پہلے تو دھچکا لگا لیکن پھر یہ سوچ کر، کہ اب جلسہ کے دن تو نہیں ہیں! رونقیں کہاں سے آئیں گی، مطمئن ہوگیا۔ اگلے دن میرے ماموں صاحب نے مجھے جناب حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام سکول قادیان کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب نہایت خوش شکل انسان تھے۔ حسن اخلاق سے آراستہ تھے، گفتار میں نرم گو تھے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے برادر نسبتی بھی تھے۔ آپ نہایت معزز سید فیملی کے فرد تھے میں نے بعد میں بھی اپنی زندگی میں اسقدر شائستہ، نیک اور اعلیٰ اخلاق والا انسان نہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھے سکول میں آٹھویں جماعت میں داخل کرلیا اور بورڈنگ تحریک جدید میں داخلے کیلئے بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ کے نام خط لکھ کردیا۔ حضرت صوفی صاحبؓ صحابی تھے۔ سکول میں ریاضی کے استاد تھے۔ ان کے فرزند مبارک مصلح الدین احمد صاحب سے میری دوستی اس وقت سے شروع ہوئی اور اب نصف صدی گذرنے کے باوجود ہماری محبتوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ہم دونوں نے ایک ہی سال میں وقف زندگی کا اعزاز حاصل کیا اور اکٹھے اس راہ میں ہم سفر رہے۔

بورڈنگ میں داخل ہوگیا تو حضرت ماموں صاحب رخصت ہوگئے۔ یہ زندگی

میں ماں باپ و رشتہ داروں سے دوری کا پہلا مرحلہ تھا۔ چند دن تو خوب رویا۔ والدین یاد آتے تھے، گاؤں یاد آتا تھا پھر ایک بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ میں اردو اور پنجابی زبان سے بالکل نابلد تھا۔ دوسرے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ رابطہ اشاروں کنایوں کے ساتھ ہی ممکن تھا۔ یہ دن بڑی تکلیف اور پریشانی میں گذرے۔ بورڈنگ میں تین چار اور بھی پٹھان طلباء تھے۔ زیادہ تر وقت ان کے ساتھ گذرتا۔ ساتھ ساتھ زبان بھی سیکھتا اور بالآخر چار پانچ ماہ کی جدوجہد کے بعد اس قابل ہوا کہ اردو زبان میں اپنا مافی الضمیر ادا کرسکوں اور اساتذہ کی بات سمجھ سکوں۔

بورڈنگ وسیع وعریض بلڈنگ میں تھا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرقی افریقہ اور دیگر ممالک کے طلباء بھی اس میں رہائش پذیر تھے۔ ہمیں صبح منہ اندھیرے فجر کی نماز کیلئے جگایا جاتا تھا۔ وضو کرنے کے بعد قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا تھا وہاں نماز کے بعد درس قرآن وحدیث باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ اس میں ہم بھی شریک ہوتے تھے۔ پھر ناشتہ کے بعد سکول جاتے۔ سکول میں نمازوں کے اوقات میں ہمیں قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا تھا جہاں ہم ظہر کی نماز ادا کرتے۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بورڈنگ سے قطاروں میں مسجد میں لے جا کر ادا کروائی جاتیں تھیں۔ سکول میں یوں تو نصاب حکومت کا منظور شدہ پڑھایا جاتا تھا لیکن دینیات کی تعلیم لازمی تھی۔ یونیورسٹی میں داخلہ بھجوانے کیلئے دینیات میں کامیابی شرط ہوا کرتی تھی۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور بورڈنگ تحریک جدید نے میری آئندہ زندگی کیلئے میرے اندر مذہبی نقوش پیدا کرنے شروع کئے۔ حضرت خلیفۃ ثانیؓ کے خطبات وتقاریر، صحابہ کی صحبتوں اور اساتذہ کی اعلیٰ تربیت نے ہمیں اسلام اور احمدیت کا شیدائی بنا دیا۔

سکول کے اساتذہ ایک عجیب جذبہ سے ہمیں تعلیم دیتے تھے۔اس زمانہ میں ٹیوشن کا کوئی تصور نہ تھا۔سکول کے اوقات کے بعد اساتذہ شام کو کمزور طلباء کومفت ٹیوشن فراہم کرتے تھےاور دعاؤں کے ذریعہ طلباء کی مدد اس کےعلاوہ تھی۔ہمارے ایک استاد چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ہوا کرتے تھے۔آپ ہمیں ریاضی پڑھاتے تھے۔چنیوٹ میں جب سکول منتقل ہوا تو آپ ہمارے استاد مقرر ہوئے تھے۔آپکو دعاؤں میں اسقدر شغف تھا کہ جب کلاس میں تشریف لاتے تو سبق شروع کرنے سے پہلے اونچی آواز میں یہ دعا پڑھا کرتے اور ہم اُسے دہراتے:

ربّ اشرح لی صدری . ویسرلی امری. واحلل عقدةً من لسانی یفقھوا قولی رب زدنی علما.

محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کا ذکرخیر چل پڑا ہےتو ایک ایمان افروز واقعہ کا ذکر بھی کردوں اگرچہ یہ واقعہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے چنیوٹ منتقل ہونے کے بعد پیش آیا۔

تعلیم الاسلام سکول جب چنیوٹ منتقل ہوگیا تو انتہائی کسمپرسی کی حالت تھی۔حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب بدستور سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔میں بھی سکول میں دسویں جماعت میں داخل ہوگیا تھا۔پارٹیشن کے بعد میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے دینے والے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہم چند طلباء پہلی مرتبہ امتحان میں شریک ہورہے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کو پیغام بھجوایا کہ حضورؓ کی خواہش ہے کہ اس سال میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کریں اور کوئی بھی لڑکا اس سے کم میں پاس نہ ہو۔حضورؓ نے فرمایا میں بھی اس غرض کیلئے دعا کروں گا،آپ بھی طلباء کومحنت کرائیں اوران سے دعائیں کرائیں۔میں چاہتا

ہوں کہ پارٹیشن کے بعد سکول سے میٹرک کے امتحان میں پہلی مرتبہ شریک ہونے والے طلباء امتیازی رنگ میں پاس ہوں۔

حضورؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں اساتذہ نے ہمارے ساتھ دن رات ایک کر دیئے۔ سکول کے بعد شام کو مفت ٹیوشن کا سلسلہ بھی زور شور سے جاری ہوا۔ دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ کی گئی۔ ہمیں باقاعدگی سے تہجد کیلئے بیدار کیا جاتا تھا اور خوب دعائیں ہوتی تھیں۔ محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ہمیں ریاضی پڑھاتے تھے۔ وہ محنت تو کراتے ہی تھے لیکن اس سال مجسم دُعا بن گئے تھے۔ ہمیں کثرت سے دعاؤں کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ روزانہ سبق شروع کرنے سے قبل اجتماعی دعا کرواتے تھے۔ امتحان کے دن سر پر آ گئے۔ ہم نے بظاہر تیاری مکمل کر لی۔ میں ریاضی میں بہت کمزور تھا اور ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کو میری بہت فکر تھی۔ مجھ پر خاص توجہ انہوں نے مرکوز کر رکھی تھی۔ جس دن ریاضی کا پرچہ تھا، چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے ہمیں علی الصبح بیدار کیا۔ دعاؤں کے بعد کلاس روم میں بلیک بورڈ پر ریاضی کے چند سوالات لکھے اور ہمیں فرمایا کہ ان سوالات کو حل کریں اور فرمایا کہ اسطرح تمہارے دماغ امتحان کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ ہم نے سوالات حل کرنے کی کوشش کی۔ سوالات مشکل تھے۔ اس لئے چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے ہم سب کے سامنے بلیک بورڈ پر سارے سوالات حل کر کے ہمیں دکھائے۔ یہ سوالات انہوں نے یونہی At random منتخب کئے تھے۔

ہم کمرہ امتحان میں پہنچے۔ تو حسب معمول پرچہ حل کرنے سے قبل ہم نے اپنے اپنے ڈیسک پر خاموش دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دئے۔ دعا کر چکنے کے بعد میں نے پرچہ امتحان پر نظر ڈالی تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ تمام سوالات بعینہٖ وہی تھے جو صبح چوہدری عبدالرحمٰن

صاحب نے حل کروائے تھے ۔ مجھے ان سوالات کے جوابات زبانی یاد ہو چکے تھے۔ میں نے تیزی کے ساتھ پرچہ حل کیا اور سب سے پہلے کمرۂ امتحان سے باہر نکل آیا۔ باہر محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب بے چینی کے ساتھ ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو قدرے فکر کے ساتھ میری طرف دوڑے ۔انہیں خیال گذرا کہ شاید میں نے پرچہ پوری طرح حل نہیں کیا اس لئے اتنی جلدی باہر نکل آیا ہوں۔انہوں نے مجھ سے پرچہ سوالات طلب کیا اور جب دیکھا کہ بعینہٖ وہی سوالات تھے جو وہ صبح ہمیں حل کرا چکے تھے تو وہیں زمین پر سر بسجود ہو گئے ۔ان کے سفید کپڑے گردوغبار سے لت پت ہو گئے لیکن وہ اس کی پروا کئے بغیر دیر تک سجدے میں پڑے رہے۔ پھر اٹھ کر مجھے گلے لگایا اور پوچھا کہ جواب تو ٹھیک دے کر آئے ہونا؟ میں نے عرض کیا کہ اپنے خیال میں تو سب جوابات ٹھیک دیئے ہیں ۔انہوں نے یونہی ایک سوال پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اسے میرے سامنے حل کرو۔ میں نے بالکل صحیح حل کیا تو بار بار الحمدللہ الحمدللہ کا وِرد کرنے لگے۔خیر جب اس سال یونیورسٹی سے امتحان کا نتیجہ نکلا تو تعلیم الاسلام سکول سے شریک ہونے تمام میٹرک کے طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیاب تھے۔اخبار الفضل میں صفحہ اوّل پر اس کا اعلان ہوا۔ چند دن بعد ہم سب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔حضورؓ نے ہمیں شاباش دی۔ بہت ساری دعائیں دیں اور مٹھائی سے ہماری تواضع فرمائی۔

یہ تھے احمدی اساتذہ!ان کا مقصد پیسے کمانا نہیں تھا بلکہ ان کے پیش نظر ایک مشن تھا۔ ان کی تنخواہیں بہت کم تھیں اگر وہ چاہتے تو باہر دوسرے سکولوں میں انہیں کہیں زیادہ تنخواہیں اور کہیں بہتر مراعات مل سکتی تھیں لیکن اُنہوں نے اس کی پرواہ نہ کی ۔اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء دے اور ان پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔

قادیان میں میری تعلیم کا سلسلہ جولائی 1947ء تک جاری رہا۔ یہ میری زندگی کا سنہرا دور تھا۔ تعلیم کے علاوہ روحانی ماحول نے میری کایا پلٹ دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کبار صحابہ کی صحبتیں نصیب ہوئیں۔ ان کی دعاؤں سے وافر حصہ ملا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اکثر بعد از نماز مغرب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجالس عرفان میں شرکت کی توفیق ملتی رہی۔ یہ مجالس نماز مغرب سے نماز عشاء تک مسجد مبارک میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ گرمیوں میں مسجد مبارک کی چھت پر محفل جمتی تھی اور سردیوں میں مسجد کے اندرونی حصہ میں۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان مجالس میں کثرت سے شریک ہوتا تھا۔ علمی فائدہ کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بابرکت صحبت سے مستفیض ہونے سے میرے دل کو ایک عجیب تقویت نصیب ہوتی تھی۔ غرضیکہ یہ مجالس کو نوامع الصادقین کے قرآنی حکم کا مجھے قیمتی موقع فراہم کرتی تھیں۔

قادیان کے زمانۂ تعلیم میں ایک واقعہ جس نے مجھ پر بے حد اثر کیا اور جس کے نتیجہ میں میری مستقبل کی زندگی کی سمت متعین ہوئی اور میں وقف زندگی کی عظیم نعمت سے سرفراز ہوا یہ ہے کہ ایک دن سکول میں اور مساجد میں یہ اعلان ہوا کہ کل حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب امام مسجد لندن 10 سال انگلستان میں کامیاب خدمت کرنے کے بعد واپس تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے تمام اہالیان قادیان ان کے استقبال کیلئے مقررہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ جائیں۔ اس دن قادیان میں عام تعطیل بھی کر دی گئی تھی۔ دکانیں، بازار، سکول اور کالج وغیرہ سب بند تھے۔ ہمیں بورڈنگ سے قطاروں میں ریلوے اسٹیشن لے جایا گیا۔ گاڑی کے آنے سے کچھ دیر قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی تشریف لے آئے۔ اسٹیشن کا پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اسٹیشن کے باہر بھی سینکڑوں لوگ کھڑے

تھے۔ مجھے خوش قسمتی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بالکل قریب کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی۔ گاڑی اسٹیشن کے احاطہ میں داخل ہوئی تو سارا ماحول نعرہ ہائے تکبیر اور دوسرے نعروں سے گونج اُٹھا۔ گاڑی رُکی تو حضرت مولانا شمس صاحب اور منیر الحصنی صاحب، جو شام کے اولین احمدیوں میں سے تھے، گاڑی سے اتر کر سیدھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف آئے۔ حضورؓ نے حضرت مولوی جلال الدین شمس صاحب کو شرف معانقہ بخشا اور کافی دیر تک انہیں گلے سے لگائے رکھا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ مجھے اس نظارہ نے بیحد متاثر کیا اور میں نے سوچا کہ یقیناً اس شخص نے کوئی خاص کارنامہ سرانجام دیا ہے جو خلیفۂ وقت نے اتنے پیار اور محبت کے ساتھ اتنے لمبے عرصہ تک انہیں گلے سے لگا رکھا ہے۔ میرے دل میں ایک تمنا پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی کوئی ایسا کام کرسکوں کہ مجھے بھی خلیفہ وقت کا یوں قرب نصیب ہو۔ بس اس دن سے میرے دل میں وقف زندگی کا بیج بویا گیا۔ فالحمدللہ۔

حضرت مولانا شمس صاحب سے اس دن کے بعد سے کالج میں داخل ہونے تک میری چند ایک ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر ملاقات کے بعد میں اپنے اندر ایک خاص روحانی تغیر محسوس کرتا تھا۔ کالج کے زمانہ میں جب میں اپنی زندگی وقف کر چکا تھا میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ آپؐ کا چہرہ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ بال لمبے اور کانوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دائیں طرف حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کھڑے تھے۔ کچھ اور بھی اصحاب ساتھ کھڑے تھے جنہیں میں نہیں پہچانتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس قدر قربت کو دیکھ کر میری عقیدت حضرت مولوی صاحب سے اور بڑھ گئی اور چند دن بعد

جب مجھے اتفاقاً معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شمس صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں کالج تشریف لا کر چائے نوشی کی دعوت دی جو انہوں نے کمال شفقت سے منظور فرمائی۔ چائے نوشی کے دوران میں نے انہیں اپنی خواب سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے گا۔

جنوری 1959ء میں جب میں انگلستان کیلئے روانہ ہوا تو ایک دن حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کچھ نصائح کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے متعدد نصائح کیں لیکن ایک نہایت اہم نصیحت جس سے میں نے اپنی زندگی میں بے حد فائدہ اٹھایا وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں ملک شام میں مبلغ تھا تو میرے ذریعہ ایک متمول گھرانے کے فرد جناب منیر الحصنی صاحب نے احمدیت قبول کر لی اور دن بدن خدمت دین کے جذبے اور جوش میں ترقی کرنے لگے۔ منیر الحصنی صاحب روزانہ عصر کے بعد مشن ہاؤس آ جاتے اور بڑے شوق سے میرے لئے کھانا بناتے اور اس کے لئے اصرار کرتے تھے۔ شام کو ہم دونوں اکٹھے کھانا کھاتے۔ ایک دن جب ہم کھانے پر بیٹھے تو میں نے کہا منیر الحصنی صاحب آج سالن میں نمک زیادہ ہے، آئندہ احتیاط کریں۔ منیر الحصنی صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا؛ مولانا صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ میرے گھر پر خدمت کیلئے کئی ملازم موجود ہیں، حتیٰ کہ جب میں شام کو گھر جاتا ہوں تو بوٹ کے تسمے بھی نوکر آ کر کھولتا ہے۔ میں نے اپنے گھر میں کبھی ایک پیالی چائے بھی خود نہیں بنائی۔ میں یہاں آ کر آپ کیلئے جو کھانا بناتا ہوں وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کرتا ہوں ورنہ کہاں میں اور کہاں سالن کی تیاری۔ اس لئے اگر مجھ سے مصالحہ کم یا زیادہ ڈالنے میں کوئی کوتاہی

ہوجایا کرے تو مجھے معاف کردیا کریں کہ کھانا بنانا میرا کام نہیں ہے۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت مولوی صاحب فرمانے لگے کہ اس واقعہ سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ ہماری خدمت جو احباب بہت خوشی سے کرتے ہیں وہ ہماری ذات کی وجہ سے ہرگز نہیں کرتے بلکہ اللہ کی خوشنودی اور سلسلہ احمدیہ کی محبت میں کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ جتنی بھی کوئی ہماری خدمت کرتا ہے یہ اس کا ہم پر احسان ہے اور اگر ان سے کوئی کوتاہی ہوجائے تو ہمارا کوئی حق نہیں کہ ان سے باز پرس کریں یا انہیں ٹوکیں۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا: تم انگلستان جاؤ گے تو تم دیکھو گے کہ تم سے بڑی عمر اور رتبہ کے لوگ بھی تمہاری خدمت دل و جان سے کریں گے۔ اس پر مغرور نہ ہوجانا کہ دراصل وہ سلسلہ احمدیہ کی عزت کی خاطر اور خدا کے رضا کے حصول کی خاطر تمہاری خدمت کرتے ہیں نہ کہ تمہارا حق سمجھ کر۔ ان پر تمہاری خدمت ہرگز فرض نہیں ہے۔

حضرت مولانا کی اس نصیحت سے میں نے اپنی زندگی میں بہت فائدہ اٹھایا ہے اور ان کی مغفرت اور بلندئ درجات کیلئے میرا دل ہمیشہ دعاؤں سے معمور رہتا ہے۔

جولائی 1947ء میں گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے ہمارا سکول بند ہوگیا۔ میں اپنے گاؤں واپس چلا آیا۔ اگست میں پارٹیشن کے نتیجہ میں ہلاکتوں اور تباہی کا ایک طوفان اٹھ آیا۔ لاکھوں ہندو، مسلمان، سکھ و عیسائی لقمہ اجل بن گئے۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے۔ امراء اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ پائی پائی کے محتاج ہوگئے۔ میں نے یہ نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ مُردوں کو سڑکوں پر پڑے ہوئے دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہوگیا اور کیسے انسان انسان کا دشمن اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوگیا۔

قادیان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اعلیٰ قیادت کے نتیجہ

میں تمام احمدی مردوزن بخیریت قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچ گئے تھے۔ چند احمدی احباب ضرور شہید ہوئے لیکن عمومی طور پر احمدیوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تھا۔

گرمیوں میں قادیان کی سڑکیں، جو آموں اور جامنوں سے لدی ہوتی تھیں، ہماری دلچسپی کا موجب ہوتی تھیں۔ بورڈنگ کی طرف سے چند درختوں کا پھل خرید لیا جاتا تھا جو پک جانے پر ہمیں دستیاب ہوتا تھا۔ قادیان کے آموں کی شہرت پنجاب بھر میں تھی۔ نہایت لذیذ، خوشبودار اور رس سے لبریز اور پھر کافی سستے داموں پر بازار سے ملتے تھے۔ جامن بھی کثرت سے ہوتا تھا جو مجھے زیادہ پسند نہیں تھا۔ گرمیوں میں نہر پر جو قادیان سے دو میل کے فاصلہ پر ہے، ایک اجتماعی پکنک کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ اس میں قادیان کے تمام لوگ شامل ہوتے تھے۔ دیگیں چڑھائی جاتی تھیں۔ ہر محلّہ نے اپنا اپنا انتظام کیا ہوتا تھا۔ ہمارا بورڈنگ کی طرف سے انتظام ہوتا تھا۔ اعلیٰ پلاؤ اور زردہ کی دیگیں چڑھائی جاتی تھیں۔ دن بھر نہر میں تیرنے کے مقابلے ہوتے تھے۔ ان پکنکوں کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور خاندان مسیح موعودؑ کے افراد بھی اس میں شرکت کرتے تھے۔ بہت پر لطف ماحول ہوتا تھا اس کے بعد پھر مجھے کبھی ایسا ماحول نصیب نہیں ہوا۔

ایک خاص روحانی اور ایمان افروز امر یہ ہوتا تھا کہ نماز فجر کے بعد ہم سب بہشتی مقبرہ جاتے تھے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر اور دوسرے بزرگان کی قبروں پر دعاؤں کی توفیق ملتی تھی۔ نہ صرف ہم بلکہ سارا قادیان ہی صبح فجر کے معاً بعد بہشتی مقبرہ کی طرف رواں دواں ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دُعا کیلئے کھڑے احباب کی سسکیوں اور دُعا میں آہ وزاری کی آوازیں باہر تک سنائی دیتی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قادیان کے جانب جنوب اپنے باغ میں سے ایک حصہ وقف کر کے اس قبرستان کا قیام فرمایا تھا۔ یہ 20 دسمبر 1905ء کی بات ہے۔ اس بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والے پہلے شخص حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ ہیں۔ 26 مئی 1908ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات لاہور میں ہوئی تو آپ کا جنازہ قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

﴿باب دوئم﴾

میرا عہدِ وقف

1937ء کی بات ہے میرے والد محترم اُن دنوں سردار محمد بختیار خان آف ڈومکی (بلوچستان) کی ملازمت میں تھے اورلہڑی میں مقیم تھے۔ میری والدہ صاحبہ اور بھائی بہنیں گاؤں میں رہائش پذیر تھے جبکہ میرے بزرگ اور محترم نانا حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب مستونگ (بلوچستان) میں مستقلاً مقیم تھے۔ میرے والد صاحب نے لہڑی سے کہلا بھیجا کہ چونکہ میرے ماموں عبدالسلام خان صاحب مستونگ جانے والے ہیں اس لئے ہم لوگ اُن کے ہمراہ لہڑی آ جائیں۔ مجھے یہ سفر بخوبی یاد ہے ہم ''بیل پٹ'' نامی ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترے جہاں ایک بس ہماری منتظر تھی۔ ہم دیگر سواریوں کے ساتھ بس میں سوار ہوئے اورلہڑی کی جانب روانہ ہو گئے۔ سارا رستہ ریگستانی تھا اور سڑک نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ڈرائیور اپنے اندازے سے لہڑی کی جانب رواں دواں تھا۔ شام کو ہم لہڑی پہنچے۔ جہاں حضرت والد صاحب ہمارے منتظر تھے وہ ہمیں گھر لے گئے۔ یہ گھر وسیع وعریض تھا اور بلا مبالغہ سات آٹھ کنال پر بنا ہوا تھا۔ اس میں کئی کمرے تھے اور یہ ہر قسم کے آرام و آسائش سے مزین تھا۔

چند دن گذرنے کے بعد والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ جناب سردار صاحب والئی ریاست لہڑی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم سردار صاحب کو ملنے ان کی شاندار حویلی

چلے گئے۔ ہر طرف مسلح گارڈ کا سخت پہرہ تھا والد صاحب چونکہ سردار صاحب کی جائیداد کے نگران اعلیٰ تھے، اس لئے سبھی نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔ ہمیں ایک خوبصورت کمرہ میں بٹھایا گیا جس میں بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ کمرہ کا ایک حصہ سفید چادروں کے فرش سے مزین تھا۔ ایک بڑے گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے سردار صاحب ہمارے منتظر تھے۔ سردار صاحب نے ہمیں خوش آمدید کہا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سردار صاحب کے بال لمبے تھے جن کو سفید پگڑی میں لپیٹا گیا تھا۔ چہرہ بارعب تھا۔ عمر بھی زیادہ نہ تھی۔ والد صاحب نے مجھے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ سردار صاحب نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں جنہیں میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے بعد سردار صاحب اور والد صاحب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ گھر واپس آکر والد صاحب نے مجھے پشتو میں بتائی جو کچھ یوں تھی:

سردار صاحب: ہماری خواہش ہے کہ بشیر احمد کو اپنا بیٹا بنائیں۔ ہم ان کو انگلستان تعلیم کیلئے بھجوائیں گے اور اس کی تعلیم کے تمام اخراجات ادا کریں گے۔

والد صاحب: سردار صاحب، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے لیکن بشیر احمد کو میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکا ہوں اور اس کی راہ میں اس کو وقف کرنا چاہتا ہوں۔ اسطرح میں اسے اسماعیل اور خود ابراہیم بننا چاہتا ہوں میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سودا کر لیا ہے اور اب اس سے میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اب بشیر احمد خدا کا ہے۔

سردار صاحب: خان صاحب، مجھے آپ کی باتوں سے حیرت ہوتی

ہے۔ ہم اسے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں اور اس کیلئے روشن مستقبل بنانا چاہتے ہیں۔

والد صاحب: میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں بشیر احمد کا روشن مستقبل اللہ کی راہ میں سپاہی بننے میں زیادہ دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اس کو ضائع نہیں کرے گا اور ہماری قربانی کو قبول فرمائے گا۔

اس گفتگو کے بعد ہم گھر آ گئے۔ میں اس وقت اس ساری گفتگو کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ اور جلد ہی یہ باتیں میرے ذہن سے محو ہو گئیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے ایک عجیب خواب دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ چند لوگوں نے مجھے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور ایک بحر زخار کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے دریا شدید طغیانی میں ہے اور دریا کا پانی کناروں سے اچھل اچھل پڑتا ہے۔ اتنے میں میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ دریا کی یہ طغیانی تب دُور ہوگی جب کسی انسان کو اس میں پھینک کر اس کی قربانی دی جائے گی اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ بشیر احمد کو دریا کی موجوں کے سپرد کر دینے سے دریا میں طغیانی کا زور ٹوٹ جائے گا اور ہم سب محفوظ ہو جائیں گے۔ میری حالت اس وقت بیحد خوف و ہراس کی ہے اور سخت گھبراہٹ مجھ پر طاری ہے۔ اچانک ان لوگوں نے مجھے اٹھا کر دریا کی لہروں کی نذر کر دیا۔ میں بے ہوش ہو گیا جب ہوش آئی تو میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے خوبصورت پھلوں اور پھولوں سے شاداب باغ میں پایا جس کی خوبصورتی الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ اس باغ میں پانی کی خوبصورت نہریں بہہ رہی تھیں اور پھولوں کی کیاریاں اور ان کی خوشبو و مہک مدہوش کرنے والی تھیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دریا سے صحیح سلامت باہر نکل آیا۔ اس کے بعد میری

آنکھ کھلی۔ اس خواب کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس خواب کی تعبیر کا تعلق میرے عہدِ وقف سے تھا۔

خیر وقت گذرتا چلا گیا اور اسکے بعد میں نے زندگی وقف کرنے کے بارہ میں کوئی بات نہیں سنی۔

1945ء میں مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں داخلہ ملا۔ میری عمر اس وقت 14 سال کی تھی۔ قادیان میں گذارا ہوا زمانہ نہایت ایمان افروز تھا۔ قدم قدم پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ روزانہ نماز مغرب تا عشاء مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی مجلس عرفان لگتی تھی۔ میں ان محافل میں باقاعدگی سے شامل ہوتا تھا۔ ہر طرف قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں کانوں میں پڑتی تھیں۔ اس ماحول نے میری کایا پلٹ دی اور مجھے دینی باتوں میں لطف آنے لگا۔ بالخصوص حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجالس میں بیٹھنے اور آپؓ کے خطابات سننے میں مجھے بہت لطف آنے لگا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک خطبہ جمعہ کے دوران حضرت صاحبؓ نے نوجوانانِ احمدیت کو زندگی وقف کرنے کی تحریک کی۔ آپؓ کی طرف سے یہ تحریک اس موثر انداز میں کی گئی کہ نماز جمعہ ختم ہوتے ہی کئی نوجوانوں نے اپنے نام وقف زندگی میں لکھوا دیئے۔ ان خوش نصیب نوجوانوں میں ایک میں بھی تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے حضرت صاحبؓ کی طرف سے ایک پوسٹ کارڈ ملا، جس میں تحریر تھا کہ حضورؓ نے میرا عہدِ وقف قبول کرلیا ہے اور میری استقامت کیلئے دعا بھی دی۔

میں نے حضرت والد صاحب کو ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ میں نے انکی

اجازت کے بغیر اپنی زندگی راہِ مولیٰ میں وقف کر دی ہے۔حضرت والد صاحب کا ایک بہت ہی جذباتی خط میرے خط کے جواب میں آیا۔آپ نے اس خط میں تحریر فرمایا کہ میں نے تو تمہاری پیدائش کے دن سے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ میں اپنے اس بیٹے کو تیری راہ میں قربان کروں گا۔چنانچہ میں اس تمام عرصہ میں تمہارے لئے یہ دُعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی تمہارے دل میں وقف کی تحریک کرے۔میں نے خود تمہیں وقف کیلئے اس لئے نہیں کہا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم یہ سمجھو کہ میں نے تمہیں وقف کیلئے مجبور کیا۔میں چاہتا تھا اور اسکے لئے دعائیں کرتا تھا کہ تم خود برضا و رغبت اور دلی انشراح کے ساتھ نظامِ وقف میں داخل ہو جاؤ۔آج خدا نے میری خواہش پوری کر دی ہے جس کیلئے میں جتنا خدا کا شکر ادا کروں، کم ہے۔

موسم گرما کی تعطیلات میں میں اپنے گاؤں گیا تو اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ سے اپنے وقف کا ذکر کیا۔انہوں نے فرمایا، بیٹا! میں اَن پڑھ عورت ہوں۔وقف زندگی کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں، ان سے میں واقف نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اگر تم نے اللہ کی رضا کے حصول کیلئے یہ کام کیا ہے تو اللہ اس میں ضرور برکت ڈالے گا اور وہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

1945ء سے 1949ء تک وقف کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں ہوئی۔میٹرک پاس کرنے کے بعد میں نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کالج میں داخلہ لے لو اور اپنی پڑھائی جاری رکھو۔انہی دنوں اچانک مجھے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ حضرت صاحبؓ نے فرمایا ہے کہ قادیان میں ایک پٹھان طالب علم نے زندگی وقف کی تھی لیکن حضورؓ اس کا نام نہیں جانتے اور قادیان

کاریکارڈ بھی یہاں موجود نہیں اس لئے قادیان میں 1945ء میں پڑھنے والے طلباء سے ہم دریافت کرر ہے ہیں کہ جس لڑکے نے وقف کیا تھا وہ کون ہے اور کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ میں ہی ہوں۔ چند دن بعد ان کا خط آیا کہ حضورؓ نے مجھے فوراً ربوہ طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ میں حکم کی تعمیل میں فوراً ربوہ روانہ ہوگیا اور حضرت صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ تم تعلیم الاسلام کالج، لاہور میں داخلہ لے لو اور وہاں سے بی اے کی ڈگری حاصل کرو۔

داستان لمبی ہے۔ وقف کرکے میں نے کیا پایا، اس کا تذکرہ طویل ہے۔ گاؤں میں میرے والد صاحب کے سوا اور کوئی بھی احمدی نہ تھا۔ سب رشتہ دار دنیادار لوگ تھے جو زبان سے تو ایمان کا نام لیتے تھے لیکن ایمان کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ سارا دن جوابازی اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں گذارنا ان کا معمول تھا۔ ایسے ماحول میں اِن ان پڑھ رشتہ داروں کو یہ سمجھانا کہ وقف کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں، بھینس کے آگے ڈھول بجانے والی بات تھی۔ میرے چچاؤں اور ہم عمر رشتہ داروں نے میرا مذاق اُڑانا شروع کردیا اور طنزاً کہنے لگے کہ بشیر احمد باوجود ایک زمیندار خاندان سے ہونے کے ملا بن رہا ہے۔ ہمارے دیہات میں مُلاّ کو نیچ سمجھا جاتا ہے اگرچہ بظاہر اسے عزت دی جاتی ہے لیکن خوانین کا سلوک ان ملاؤں سے ذلت آمیز ہوتا ہے۔ میرے لئے میرے رشتہ داروں کے یہ طعنے بڑے دکھ کا باعث بنتے تھے اور اکثر میں انکی محفلوں سے اٹھ جایا کرتا تھا۔ والد صاحب میری حوصلہ افزائی فرماتے، اور زندگی وقف کرنے کی برکات پر روشنی ڈالتے اور فرماتے کہ ان جاہلوں کی بات پر کان نہ دھرو۔

یہ دور میرے لئے آزمائش کا تھا۔ میرے ہم عمر چچازاد بھائی مجھے اکثر کہتے تھے کہ تم

نے باوجود صاحب جائیداد اور اچھے خاندان میں سے ہونے کے، خود ہی اپنے آپ کو ذلیل کرلیا ہے۔ تمہاری جائیداد ہے، تعلیم ہے، خاندانی اثر و رسوخ ہے تمہیں اچھی ملازمت مل سکتی ہے، پھر کیوں ملا بنتے ہو؟

اللہ تعالیٰ نے میری دستگیری فرمائی اور میرے قدم لڑکھڑانے سے محفوظ رہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

آج نصف صدی سے زیادہ گذر جانے کے بعد جب میں مڑ کر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو میرا دل اللہ کی حمد سے بھر جاتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وقف کی برکت سے وہ سب کچھ دیا جس کا میرے غیر احمدی رشتہ دار تصور بھی نہیں کر سکتے اور یہ اللہ کی شان ہے کہ ان میں سے چند نے میرے سامنے رشک اور حسرت سے میری اُن سے بہتر، پرسکون اور مطمئن زندگی کو دیکھ کر کہا کہ کاش اگر ہم بھی احمدی ہو جاتے تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کے افضال کا نزول ہوتا۔

میرے ان رشتہ داروں میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست سے نوازا تھا۔ ان میں میرے چچا محمد ثمین جان صاحب بھی تھے جنہوں نے وکالت کی تعلیم حاصل کی اور ایک کامیاب وکیل بنے۔ یہ معروف سیاسی لیڈر بھی تھے اور صوبہ سرحد میں پارٹیشن سے قبل مسلم لیگ کے دورِ حکومت میں وزارت کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے۔

ایک دن یہ گاؤں تشریف لائے۔ مجھ سے انہیں بیحد محبت تھی۔ انہوں نے مجھے بلایا اور میری زندگی وقف کرنے کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے انہیں وقف زندگی کے نظام سے آگاہ کیا۔ میری باتیں غور سے سننے کے بعد فرمانے لگے: بشیر احمد! تم نے ایک اعلیٰ مقصد کیلئے زندگی وقف کی ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اب قدم اس کو چھ

میں رکھا ہے تو کبھی بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹنا۔گاؤں کے لوگوں کی ہرگز پرواہ نہ کرو۔ وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔مصائب اور مشکلات ضرور آئیں گی لیکن ان کا مقابلہ پٹھانوں کی روایات کے مطابق ڈٹ کر کرنا۔خدا تمہارا ساتھ دے گا۔

اللہ تعالیٰ کرے میرا یہ وقف اسکے ہاں بھی منظور ہو جائے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے جس کے حصول کی خاطر میں نے زندگی وقف کی ہے۔آمین۔

تعلیم الاسلام کالج لاہور کا دور

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں نے تعلیم الاسلام کالج،لاہور میں داخلہ لے لیا۔ان دنوں کالج،گورنمنٹ کالج لاہور کے پہلو میں تقسیم ملک سے قبل کے D.A.V کالج میں منتقل ہو چکا تھا۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ اس کے پرنسپل تھے۔ہم نے چونکہ قادیان سے ہجرت کی تھی اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں کالج دوبارہ شروع کیا تھا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعاؤں اور اساتذہ کی بے لوث محنت کے نتیجہ میں کالج کے نتائج یونیورسٹی میں 90 فیصد رہے اور خدا کے فضل سے کالج کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔کھیلوں کے میدان میں بھی کالج نے زبردست نام پیدا کیا۔ ہماری Rowing کی ٹیم نے مسلسل کئی سال تک یونی ورسٹی کے مقابلہ جات میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

اپریل 1950ء میں تعلیم الاسلام کالج نے اپنے علمی رسالہ ''المنار'' کا اجراء کیا۔ یہ اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا تھا اور بہت جلد اس نے اپنے اعلیٰ مضامین، خوبصورت گیٹ اپ اور اعلیٰ پیپر پر شائع ہونے کی وجہ سے اپنا نام پیدا کرلیا۔

لاہور کے دوسرے کالجوں کے علمی رسائل جو سالہا سال سے چل رہے تھے اور کافی

شہرت رکھتے تھے، ''رسالہ المنار'' ان کو پیچھے چھوڑ گیا۔

میری خوش قسمتی تھی کہ رسالہ کے اردو سیکشن کا میں پہلے سال نائب ایڈیٹر مقرر ہوا اور پھر اگلے دو سال میں اس کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ میرے کئی مضامین بھی اس میں شائع ہوئے۔ میرا ایک مضمون جو خوشحال خان خٹک کی زندگی اور شاعری پر تھا، بے حد پسند کیا گیا۔ یہ میری ادبی زندگی کا آغاز تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے کئی مضامین ''الفضل'' اور سلسلہ کے دیگر رسائل میں شائع ہوئے۔ فالحمدللہ۔

1953ء میں جب میں بی اے کے فائنل امتحان کی تیاری میں مگن تھا، اچانک اینٹی احمدیہ فسادات پھوٹ پڑے۔ ان فسادات کا آغاز لاہور سے ہوا۔ احراریوں اور احمدیت کے دشمنوں نے یہاں تک دعوے کئے کہ وہ احمدیت کا نعوذ باللہ نام ونشان تک مٹا دیں گے۔ تعلیم الاسلام کالج ان کے حملوں کا نمایاں ٹارگٹ تھا۔ ہر روز جلوس کی شکل میں سینکڑوں فسادی کالج کے اردگرد جمع ہو کر نعرے بازی اور خشت باری کیا کرتے۔ کالج میں گھسنے اور آگ لگانے کی کوششیں کرتے لیکن کامیاب نہ ہو سکتے۔ پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی اعلیٰ قیادت کے نتیجہ میں کالج ایک مضبوط قلعہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ میں بھی دن رات کالج کے دفاع میں دوسرے طلبہ کے ساتھ لگا ہوتا تھا۔ پڑھائی کا تو ان دنوں تصور بھی نہ ہوسکتا تھا۔ یہ بہت کٹھن وقت تھا۔ لاہور میں حالات تشویش ناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ کئی احمدیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ بے شمار احمدیوں کے گھر جلا دئے گئے۔ احمدی گھروں کو لوٹا گیا۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی حکومت موجود نہیں۔ جنگل کا قانون رائج ہے۔

ہمیں کالج کی حفاظت کے علاوہ دیگر احمدی احباب کی حفاظت کیلئے بھی بھجوایا جاتا

تھا۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور ان دنوں لاہور کے امیر تھے۔ان کے مکان پر بھی حملہ ہوااور بالآخر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔میری ڈیوٹی کئی باران کے گھر کی حفاظت پر لگی۔بہرکیف یہ بہت پریشانی کے ایام تھے۔

فسادات پر بالآخر فوج نے قابو پالیالیکن میں بروقت تیاری نہ ہونے کی وجہ سے بی اے کے امتحانات میں شریک نہ ہوسکااور ستمبر میں بی اے کے سپلیمنٹری امتحان میں شریک ہوا۔چونکہ کوئی خاص تیاری نہ تھی اس لئے پاس ہونے کی بھی کوئی امید نہ تھی۔

ان دنوں میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں متواتر دعا کی درخواست کروں۔تیاری نہ بھی ہوتو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پاس تو کرسکتا ہے۔چنانچہ میں نے ایک دن بیٹھ کر تقریباً 30 کے قریب دعائیہ خطوط تیار کئے اورانہیں لفافوں میں بندکر کے ان پر پوسٹیج ٹکٹ لگا کر رکھ لئے۔روزانہ ایک خط میں حضورؓ کی خدمت میں ربوہ بھجوادیتا تھا۔چنددنوں بعد حضورؓ کی طرف سے جوابات ملنے شروع ہوئے جس میں لکھا ہوتا تھا کہ حضورؓ نے تمہارے لئے دعا کی ہے۔یہ سلسلہ جاری رہا۔ایک دن مجھے حضورؓ کی طرف سے ایک خط ملا کہ روزانہ تمہاری طرف سے مجھے ایک خط دعا کا ملتا ہے اور میں تمہاری کامیابیوں کیلئے دعا کرتا ہوں،تم انشاء اللہ امتحان میں ضرور کامیاب ہو جاؤ گے، اطمینان رکھواور مجھے دعا کیلئے یاددہانی کراتے رہا کرو۔مجھے حضورؓ کے اس خط سے بہت تسلی ہوئی لیکن تیاری نہ ہونے سے پریشانی بھی رہتی تھی۔میرا سب سے کمزور مضمون انگلش لٹریچر تھااوراس طرف سے میں بالکل ناامید ہو چکا تھا۔

خیرامتحان میں جب چاردن باقی رہ گئے تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی شخص نے مجھے پرچہ امتحان دے کر کہا کہ یہ تمہاراانگلش لٹریچر کا پرچہ ہے اسے یادکرلو۔میں

نے پرچہ پڑھا تو اس شخص سے کہا کہ یہ تو بہت مشکل پرچہ ہے اور مجھے ان سوالات کے جوابات بھی نہیں آتے۔اس نے کہا اسی واسطے تو تمہیں یہ دکھا رہا ہوں کہ ان سوالات کو یاد کر لو۔اس کے ساتھ ہی میں خواب سے بیدار ہوا۔ میں نے جلدی سے ان سوالات کو ایک کاغذ پر لکھ لیا اور پھر سو گیا۔اگلے روز مجھے خواب یاد نہ رہی۔شام کو یونہی اس کاغذ پر نظر پڑی تو یہ خواب بھی یاد آ گئی۔میرے دوست مکرم اسلم باجوہ صاحب جو میرے ساتھ ایک ہی کمرہ میں تھے انہیں میں نے خواب سنائی اور سوالات دکھائے وہ کہنے لگے کہ یہ سوالات تو ہرگز نہیں آ سکتے اور کسی guess paper میں بھی یہ درج نہیں ہیں لیکن میں نے سوچا کہ خواہ یہ سوالات نہ بھی آئیں انہیں یاد کرنے میں اور جوابات تیار کرنے میں کیا حرج ہے! آخر یونہی تو خواب نہیں آئی۔چنانچہ میں نے نہ صرف خوب تیاری کی بلکہ ان سوالات کے جوابات کو ایک حد تک حفظ کر لیا۔چند دن بعد جب میں انگلش لٹریچر کے امتحان کیلئے کمرۂ امتحان میں داخل ہوا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ بعینہ لفظ بہ لفظ وہی پرچہ میرے سامنے تھا جو میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔میں نے خدا کا شکر یہ ادا کیا اور سوالات حل کرنے شروع کر دئے اور خدا کے فضل سے سو فیصد پرچہ حل کر کے کمرہ امتحان سے باہر آ گیا۔میرے دوست جنہیں میں چند دن قبل اپنی خواب سنا چکا تھا، سب حیرت زدہ تھے اور اس بات پر بار بار افسوس کر رہے تھے کہ وہ میری خواب پر اعتبار نہ کر کے پرچہ صحیح حل نہیں کر سکے تھے۔میں خود اس معجزہ پر حیران وششدر تھا اور اللہ کا بار بار شکر ادا کرتا تھا۔

اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور پاس ہو جاؤں گا۔ایک طرف حضورؒ کا خط تھا کہ تم پاس ہو جاؤ گے دوسری طرف اس سچی خواب نے حوصلہ بلند کر دیا تھا اور میں مطمئن ہو کر امتحان کے بعد گاؤں چلا گیا اور نتیجہ کا انتظار کرنے لگا۔

کچھ عرصہ کے بعد نتیجہ نکل آیا اور مجھے رزلٹ دیکھ کر شدید shock پہنچا کہ میں فیل ہو گیا ہوں۔ میں سخت پریشان ہوا کہ آخر اگر مجھے فیل ہی ہونا تھا تو کیوں مجھے اللہ تعالیٰ نے امتحان سے قبل پرچہ دکھایا! اور پھر حضورؓ نے انتہائی وثوق سے لکھا کہ تم پاس ہو جاؤ گے۔ بعض اوقات میرا ایمان متزلزل ہونے لگتا تھا اور دل میں عجیب عجیب خیالات آنے لگتے تھے۔ میں پشاور میں نتیجہ اخبارات میں دیکھنے کے بعد مایوسی کی حالت میں واپس گاؤں آ گیا تو والد صاحب نے دریافت کیا کہ نتیجہ کیا نکلا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں فیل ہو گیا ہوں، انہوں نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی بات نہیں تمہاری تیاری بھی تو فسادات پنجاب کی وجہ سے مکمل نہیں تھی، اگلے سال انشاءاللہ پاس ہو جاؤ گے!

دو چار دن گزرے تو ایک دن حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں جب بھی رات کو اٹھ کر تمہارے لئے دعا کرتا ہوں تو آواز آتی ہے کہ بشیر احمد تو پاس ہو چکا ہے۔ میں نے والد صاحب کو کالج کی طرف سے آمدہ نتیجہ کا خط لا کر دکھایا، جس میں کالج والوں نے مجھے باقاعدہ اطلاع دی تھی کہ میں فیل ہو چکا ہوں، تو والد صاحب خاموش ہو گئے۔

دو چار روز کے بعد حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ عجیب بات ہے مجھے ہر رات دعا کے دوران آواز آتی ہے کہ بشیر احمد تو پاس ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ ممکن ہے یہ اگلے سال کیلئے اطلاع ہو۔ دن گزرتے چلے گئے۔ میں نے دوبارہ کالج میں داخل ہونے کی تیاری مکمل کر لی۔ ایک دن ڈاک میں میرے نام دس پندرہ خط آئے تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اتنے سارے خطوط کہاں سے آ گئے! ان میں سے ایک خط کالج کی طرف سے تھا۔ میں نے پہلے وہ کھولا تو اسے پڑھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ خط میں لکھا تھا کہ یونی ورسٹی نے غلطی سے تمہیں فیل قرار دے دیا تھا اب پرچوں کی دوبارہ پڑتال ہونے کے بعد تم پاس قرار دئے گئے

ہو۔ باقی خطوط دوستوں کی مبارک باد کے تھے۔ میں نے جب والد صاحب کو اطلاع دی تو وہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور پھر فرمایا کہ مجھے تو ہر رات تمہارے پاس ہونے کی خوش خبری دی جارہی تھی لیکن یونی ورسٹی کی غلطی سے معاملہ الٹ گیا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں مجھے پاس کر دیا۔ فالحمد للہ۔

کچھ دنوں بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؓ کو سارا واقعہ بتایا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ مجھے دعاؤں کے بعد ہی تمہارے پاس ہونے کی خبر دی گئی تھی جس کی اطلاع میں نے تمہیں کر دی تھی۔ خدائی بات کو کون ٹال سکتا ہے؟

کالج کا دور میرے لئے بہت ایمان افروز بھی تھا۔ وقتاً فوقتاً کالج کی طرف سے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دعوت دی جاتی تھی۔ وہ ہمیں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانۂ مبارک کی باتیں بتاتے تھے جو ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوتی تھی۔ کالج میں مجھے ایک نہایت مشفق استاد حضرت مولانا ارجمند خان صاحب کی صورت میں ملے۔ آپ پٹھان تھے اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ خلافت میں افغانستان سے ہجرت کر کے قادیان آئے تھے۔ یہاں مولوی فاضل پاس کیا اور پھر مدرسہ احمدیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ لاہور جب تعلیم الاسلام کالج کھلا تو آپ کی تقرری، بطور استاد دینیات، کالج میں ہو گئی۔ آپ شگفتہ مزاج اور انتہائی مہمان نواز انسان تھے۔ مجھ پر خاص نظر شفقت رکھتے تھے۔ کالج کے اوقات کے بعد میرا اکثر وقت آپ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ دیگر اساتذہ میں سے مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب، مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب اور مکرم پروفیسر سلطان محمود صاحب نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزا

ءعطافرمائے۔آمین۔

اس زمانہ کے میرے کلاس فیلوز کو خدمت دین کی بہت توفیق ملی اور مل رہی ہے۔ان میں سے بعض اُمرائے جماعت ہیں،بعض مرکزی دفاتر ربوہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔بعض دنیوی اعلیٰ عہدوں پر سرفراز رہے اور بعض اب بھی ہیں۔غرضیکہ میری زندگی کا یہ نہایت خوشگوار دور تھا۔

لاہور کی یادیں اب تک میرے دل ودماغ کو گرماتی ہیں۔لاہور میں طالب علمی کے دوران مجھے ادبی سرگرمیوں کا بھی شوق رہا۔میں کالج کی اردو سوسائیٹی کا صدر ہونے کے ناطے بعض مشہور ادیبوں اور شاعروں سے بار ہا ملتا رہا۔انہیں کالج کی اردو سوسائٹی کی میٹنگز میں بلاتا رہا۔ان میں مشہور شوکت تھانوی،وقار عظیم،ڈاکٹر تاثیر مرحوم (مشہور شاعر) شامل ہیں۔جگر مرادآبادی سے بھی شوکت تھانوی کے ذریعہ ملنے کا موقعہ ملا۔''حلقہ ارباب ذوق''، جو مشہور ادبی تنظیم ہے، کے درجنوں اجلاسات میں مجھے شرکت کرنے کا موقعہ ملا۔جن لوگوں سے ملاقات کے مواقع ملے ان میں سعادت حسن منٹو،خدیجہ مستور،ہاجرہ مسرور،ندیم قاسمی اور ظہیر کاشمیری جیسے عظیم ادیب اور شعراء شامل ہیں۔

1953ء میں میں نے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔جون 1954ء میں کالج کا نو وکیشن منعقد ہوا جس میں اس وقت کے وزیر خارجہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے ہمیں ڈگریاں دیں اور ہمارے ساتھ تصویر کھنچوائی۔میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دور سے قادیان میں بار ہا دیکھا تھا لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا،بعد میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان کی صحبت سے خوب سیراب ہوا جسکا ذکر انشاءاللہ آگے آئیگا۔

جامعۃ المبشرین ربوہ کا تعلیمی دور

1953ء میں بی اے پاس کرنے کے بعد میں لاہور سے ربوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضورؓ نے فرمایا کہ تم جامعہ میں داخل ہو جاؤ اور وہاں سے ''شاہد'' کی ڈگری حاصل کرو۔میری خواہش تمہیں میدان تبلیغ میں بھجوانے کی ہے۔

میں حضورؓ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ ان دنوں جامعہ کے پرنسپل تھے۔انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہاری عربی کی تعلیم کتنی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ معمولی شد بد کے علاوہ میں قطعاً عربی سے نابلد ہوں کیونکہ میں نے سکول اور کالج میں فارسی پڑھی ہے۔عربی بس دینیات کی حد تک پڑھی ہے۔انہوں نے فرمایا کہ جامعہ میں تو طلباء مولوی فاضل پاس کر کے آتے ہیں تم ان کے ساتھ کیسے چل سکو گے؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں، وگرنہ مجھے خود اچھی طرح معلوم ہے کہ میں عربی علوم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوں۔خیر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں میں تمہارے واسطے ایک اسپیشل کلاس جاری کر دیتا ہوں جس میں تم اکیلے طالب علم ہو گے۔اس کلاس میں ہم تمہیں دو سال میں انشاءاللہ اس قابل بنا دیں گے کہ تم درجہ ثالثہ میں دوسرے مولوی فاضل پاس طلباء کے ساتھ مل کر پڑھائی جاری رکھ سکو۔چنانچہ یہ کلاس شروع ہو گئی۔میں اکیلا طالب علم تھا۔جو اساتذہ میری تدریس پر مقرر ہوئے ان میں سلسلہ کے جید علماء مثلاً حضرت مولوی ابوالعطاء صاحب، حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب، حضرت مولانا محمد احمد جلیل صاحب اور حضرت مولانا غلام باری سیف صاحب

شامل تھے۔ ان علماء سے میں نے تفسیر القرآن، حدیث، فقہ، عیسائیت، اسلامی تاریخ وغیرہ کے مضامین پڑھے اور دو سال میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس قابل ہو گیا کہ تیسرے سال بقیہ طلباء کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جامعۃ المبشرین کا مکمل کورس پانچ سال کا تھا۔

جامعہ کا دور شروع شروع میں میرے لئے خاصہ مشکل دور تھا۔ کالج اور جامعہ کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ میں نے اپنے آپ کو اس میں Adjust کر لیا۔ جامعہ میں تحریر و تقریر کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔ مجھے کالج کے زمانہ سے تحریر کا شوق تھا۔ جامعہ کی تعلیم کے دوران مجھے اس طرف توجہ کی خاص توفیق ملی۔ ان دنوں میرے چند مضامین ''الفضل'' اور ''الفرقان'' میں بھی شائع ہوئے۔ جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی پسند فرمایا۔ بالخصوص میرا ایک مضمون الفضل میں بااقساط شائع ہوا۔ اس کا عنوان '' جماعت اسلامی پاکستان'' تھا۔ حضورؓ نے میرے اس مضمون پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اِس سے میرا حوصلہ اور بھی بلند ہو گیا۔ کالج میں تقریری مقابلوں میں بار ہا اوّل و دوم پوزیشن حاصل کرتا رہا اس لئے جامعہ میں بھی تقاریر کے میدان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے نمایاں پوزیشن حاصل کرتا رہا۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران ہماری کلاس کو ایک خاص اعزاز یہ حاصل ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی چند مرتبہ تشریف لائے اور ہمیں مختلف علوم میں مہارت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ آپؓ نے خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی کہ ہر طالب علم کو اپنی لائبریری بنانی چاہئے اور کتابیں خریدنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ آپؓ نے مثال کے طور پر فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؓ کو جو جیب خرچ دیا کرتے تھے، آپؓ اس میں سے نصف رقم اخبارات و رسائل خریدنے پر خرچ کیا کرتے تھے اور اس

طرح آہستہ آہستہ آپؓ کی ذاتی لائبریری بن گئی جو بعد میں آپؓ نے جماعت کے سپرد کر دی اور یہ خلافت لائبریری میں شامل کر دی گئی۔ طلباء کو encourage کرنے کیلئے حضورؓ نے جامعہ کی انتظامیہ کو حکم دیا کہ ہر طالب علم کو ایک صد روپے آسان قسطوں پر قرض دیا جائے جس سے یہ کتابیں خرید کر اپنی اپنی لائبریریاں بنا سکیں، نیز ارشاد فرمایا کہ جو کتب سلسلہ کی طرف سے شائع ہوتی ہیں وہ ان طلباء کو نصف قیمتوں پر دی جائیں۔ چنانچہ خاکسار نے اپنی لائبریری بنا لی۔ اس وقت سلسلہ کی جتنی کتب دستیاب تھیں وہ میں نے خرید لیں اور ایک اچھی خاصی لائبریری بن گئی۔ جامعہ میں حضورؓ کے حکم سے جاری شدہ یہ عادت میری اب تک قائم ہے۔ درمیان میں کئی مرتبہ تبادلوں اور نقل مکان کی وجہ سے میری یہ کتب ضائع بھی ہوتی رہیں ہیں لیکن پھر بھی کتابوں سے محبت جاری رہی۔ کتب بینی اور مطالعہ میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔

مطالعہ کا ذکر آیا ہے تو یہ بھی ذکر کر دوں کہ مجھے سب سے زیادہ تاریخ، بالخصوص اسلامی تاریخ پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ اس کے بعد bio graphy اور پھر travel پر کتب پڑھنا بھی میرا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں مجھے fiction کا بھی بہت شوق تھا۔ انگریزی اور اردو فکشن میں نے کثرت سے پڑھیں۔ ایک دفعہ کسی نے میرے فکشن پڑھنے پر اعتراض کیا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ فکشن تو میں بھی پڑھتا ہوں لیکن صرف انگریزی فکشن پڑھتا ہوں۔ اردو فکشن میں مبالغہ اور جھوٹ زیادہ لکھا جاتا ہے، اس لئے میں اسے نہیں پڑھتا۔ پھر مجھے بھی نصیحت فرمائی کہ اگر فکشن ہی پڑھنی ہو تو انگریزی زبان کی پڑھا کرو۔ یہ زیادہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس سے تمہاری انگریزی زبان بھی اچھی ہو جائے گی۔ سکول اور کالج کے زمانہ میں میری دلچسپی فکشن سے

بالکل ہٹ گئی اور اب میں اس کے قریب بھی نہیں جاتا۔

اردو ادب اور شاعری سے بھی میری ساری عمر دلچسپی رہی ہے اور اب بھی ہے۔ چنانچہ میں نے بہت سارے شعراء کے دیوان اپنی لائبریری میں رکھے ہوئے ہیں۔

1957ء کے آخر میں میں نے شاہد کا امتحان پاس کر لیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر وکالت تبشیر میں حاضر ہو گیا۔

استاذی المحترم

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری

خالد احمدیت

اچھا استاد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اچھا استاد مل جائے تو ساری زندگی برکتوں سے بھر جاتی ہے۔ انبیاء و اولیاء بھی اساتذہ ہی ہوتے ہیں جو دنیا میں روحانی انقلاب لاتے ہیں اور اپنے پیچھے لاکھوں شاگرد چھوڑ جاتے ہیں جو ان سے اخذ کردہ علوم و معارف کو دنیا بھر میں پھیلانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

میں اپنے آپ کو اس لحاظ سے بے حد خوش نصیب تصور کرتا ہوں کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے ایسے اساتذہ نصیب ہوئے جنہوں نے اپنی عظمت کردار اور تبحر علمی کا ایک انمٹ نقش خاکسار کی طبیعت پر چھوڑا۔ ان ہی اساتذہ میں سے ایک استاد ہیں خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری۔

بچپن سے حضرت مولانا صاحب کا ذکر سنتا چلا آیا تھا۔ اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور سے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے کامیاب مناظروں، مباحثوں اور معرکۃ الآراء تقاریر کا ذکر بارہا سنا اور الفرقان بھی پڑھنے کا کثرت سے موقعہ ملا لیکن حضرت مولانا صاحب سے ذاتی تعارف حاصل نہ کر سکا۔ 1953ء میں جب خاکسار بی اے پاس کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بسلسلہ وقف زندگی حاضر ہوا تو حضورؓ نے جامعہ میں داخل ہونے کا ارشاد فرمایا اور حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے نام ہدایت بھجوائی کہ خاکسار کو

جامعہ میں داخل کیا جائے۔حضرت مولانا صاحب ان دنوں جامعہ کے پرنسپل تھے۔اگلے دن جب میں مولانا صاحب سے ملنے کیلئے جامعہ جانے کی تیاری کررہا تھا تو بہت خوف زدہ تھا۔حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی عظیم شخصیت،تبحر علمی،اوراعلیٰ کردار کے پیش نظر اپنی کم مائیگی اور کم علمی کو دیکھ کر خوف محسوس ہورہا تھا۔خیر خاکسار ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔آپ دفتر میں تشریف فرما تھے۔خاکسار نے چق اٹھا کر السلام علیکم کہا۔آپ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے ۔ چہرے پر دلنواز مسکراہٹ لئے مجھے اندر آ کر کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضورؓ نے مجھے آپ کے پاس بھجوایا ہے۔آپ نے دریافت فرمایا کہ مجھے عربی زبان کس قدر آتی ہے۔خاکسار نے عرض کیا کہ بی اے تک میں نے انگریزی اور فارسی زبانیں پڑھی ہیں ۔عربی زبان سے بالکل نابلد ہوں ۔البتہ قرآن کریم کا سادہ ترجمہ کسی حد تک جانتا ہوں ۔حضرت مولوی صاحب نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ فکر نہیں ہم انشاءاللہ آپ کو عربی سکھائیں گے۔آپ کو محنت کرنا ہوگی اور چونکہ حضورؓ آپ کو جامعہ سے فارغ التحصیل کرانا چاہتے ہیں اس لئے ہم پوری کوشش کریں گے کہ آپ کو دیگر طلباء جامعہ کے ساتھ چلا سکیں۔

یہ تھا میرا حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے پہلا ذاتی تعارف۔اسکے بعد حضرت مولانا صاحب کی شفقتوں اور محبتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو گیا۔آپ نے میرے لئے ایک الگ کلاس قائم فرمائی،جس کا خاکسار ہی ایک طالب علم تھا۔دوسال تک یہ سلسلہ جاری رہا،حتیٰ کہ خاکسار درجہ ثالثہ میں دوسرے طلباء کے ساتھ ساتھ پڑھنے کے قابل ہو گیا۔

حضرت مولانا صاحب کے اوصاف حمیدہ میں سب سے نمایاں وصف مہمان نوازی کا

تھا۔ میں طالب علم تھا لیکن حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی مہمان نوازی سے بارہا لطف اندوز ہوا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آپ کو اکیلے کھانے میں مزا ہی نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ میں لندن سے صرف ایک ہفتہ کیلئے ربوہ گیا۔ حضرت مولانا صاحب ربوہ سے کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ واپسی سے ایک دن قبل آپ واپس آ گئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کل شام کھانے پر آؤ۔ میں نے معذرت کی کہ میں کہیں اور مدعو ہوں۔ آپ نے فرمایا تو دوپہر میں آ جاؤ۔ میں نے کہا دوپہر میں بھی مدعو ہوں تو فرمایا کہ ناشتے میں آ جاؤ۔ میں نے عرض کیا آ جاؤں گا۔ ناشتہ کیا تھا، مکمل کھانا تھا۔ بھنا گوشت، مرغے، انڈا، پراٹھے، لسی، دہی، چائے، کباب وغیرہ وغیرہ اور اصرار کرکر کے ہر چیز کھانے کو فرمایا۔

دفتر، ملاقات کیلئے حاضر ہوتا تھا تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ بغیر چائے پیئے جانے دیا ہو۔ ایک دفعہ گرمی کے موسم میں یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو ایک بالٹی آگے کر دی جس میں آموں کو برف میں لگایا ہوا تھا اور فرمایا کہ کہیں سے آ گئے تھے میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔

میں پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ مہمان دور دور سے آتے ہیں۔ ان کی تواضع چائے اور شربت سے کرنی چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ بجٹ میں گنجائش نہیں۔ آپ خاموش ہو گئے اور اوپر ملاقات کیلئے چلے گئے۔ واپس آئے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ فرمانے لگے کہ میں نے حضورؒ سے عرض کیا کہ حضورؒ ملاقاتیوں کی مہمان نوازی میں تنگی بجٹ حائل ہے۔ حضور، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی ایک مٹھی بھر کر دی اور فرمایا کہ چائے شربت و بسکٹ کا روزانہ انتظام کیا

جائے اور جب بھی رقم کی ضرورت ہو مجھ سے آ کر لے لیا کرو۔کسی باقاعدہ منظور شدہ بجٹ کی ضرورت نہیں۔حضرت مولوی صاحب نے یہ رقم خاکسار کو دی اور خاکسار نے انتظام شروع کر دیا۔اس کے بعد بھی رقم حضرت مولانا صاحب ،حضورؓ سے لے کر فراہم کرتے رہے۔

آپ کی مہمان نوازی سے صرف خاکسار ہی مستفیض نہیں ہوا۔سینکڑوں ، ہزاروں احباب کو ایسے تجارب ہوئے۔

حضرت مولانا صاحب خود اگر علم کا سمندر تھے تو چاہتے تھے کہ ان کے شاگرد بھی علم کے سمندر کے غواص بنیں۔جامعہ میں خاکسار نے داخلہ لیا تو اس سے قبل کسی حد تک مضامین لکھنے کا شوق خاکسار کو تھا اور کالج کے میگزین ''المنار'' کے حصہ اردو کی ادارت بھی کی تھی لیکن علمی مضامین لکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔جامعہ کے پہلے ہی سال حضرت مولانا صاحب نے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ ان کے رسالہ الفرقان کیلئے مضامین لکھوں اور بار بار حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔خاکسار نے جب ایک دو مضامین پیش کئے تو فرمایا کہ لکھتے رہو اور اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ یہ الفرقان میں شامل ہونے کے قابل ہیں یا نہیں۔انہیں قابل اشاعت بنانا میرا کام ہے۔چنانچہ خاکسار کے مضامین الفرقان اور الفضل میں شائع ہونے شروع ہوئے جو محض حضرت مولانا صاحب کی خاص توجہ کا نتیجہ تھے۔خاکسار لندن آیا تو بھی آپ کا اصرار جاری رہا کہ مضامین بھیجو۔کچھ عرصہ بعد محض میری حوصلہ افزائی کی خاطر خاکسار کو رسالہ الفرقان کے ادارہ تحریر میں شامل کر لیا گیا اور متواتر چار پانچ سال تک خاکسار کا نام اس کے ٹائٹل پر ادارۂ تحریر میں چھپتا رہا۔آپ کی مثال ایک ایسے روشن چراغ کی تھی جو خود تو روشن تھا ہی لیکن اس سے سینکڑوں اور چراغ بھی روشن ہوتے چلے گئے۔

آپ کو ذاتی مثالیں دینے سے سخت حجاب تھا۔کبھی ذاتی قبولیت دعا وغیرہ کی مثالیں نہیں دیا کرتے تھے۔ایک دفعہ خاکسار نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کبھی الہام بھی ہوا ہے۔آپ جھینپ گئے، چہرہ سرخ ہوگیا۔تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا؛ میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے الہامات یا رویاء وکشوف کا کسی دوسرے سے تذکرہ کروں لیکن یہ بھی خوف ہے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ الہامات یا رویاء وکشوف کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے چند مثالیں پیش کرتا ہوں لیکن یہ تمہاری ہی حد تک محدود رہیں۔چنانچہ آپ نے اپنے متعدد الہامات، رویاء وکشوف سنائے جو بڑی شان سے پورے ہوئے۔ایک مرتبہ خاکسار نے لیلۃ القدر کی حقیقت کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ کیا اس مبارک رات کو دیکھنے کا کسی بزرگ کو تجربہ بھی ہوا ہے؟ آپ نے تشریح کے دوران فرمایا کہ خود مجھے بارہا یہ رات دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے اور ان راتوں کی کیفیت بیان فرمائی جو میرے لئے بے حد ازدیاد ایمان کا موجب ہوئی۔

آپ میں لطیف مزاح کی حس بھی موجود تھی۔یعنی خشک عالم نہ تھے بلکہ پاکیزہ لطائف ومزاح سے لطف اندوز ہوتے تھے اور کبھی خود بھی لطیفہ وغیرہ سنایا کرتے تھے۔آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا ایک خاص تجربہ مجھے یہ ہوتا تھا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد اور اٹھنے کے بعد دیر تک طبیعت میں انبساط وشادمانی کی کیفیت رہتی تھی۔ایک دفعہ کلاس میں پڑھانے کے دوران آپ نے فرمایا کہ مجھے تو ایسے طلباء اچھے لگتے ہیں جو مجھ سے ایک ذاتی، گہرا اور بے تکلفی کا تعلق قائم کر لیتے ہیں اور فرمایا کہ ہم تو اپنے استاد حضرت مولوی روشن علی صاحب سے ایسے بے تکلف تھے کہ اکثر ان سے قرض بھی مانگ لیا کرتے تھے اور آپ بلا استفسار رقم عنایت فرما دیا کرتے تھے۔بات آئی گئی ہوگئی۔تین چار دن کے بعد میں آپ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور دس روپے بطور قرض مانگے تو آپ نے رقم دے کر فرمایا کہ تمہیں یہ رقم کیوں چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی روشن علی صاحب تو آپ سے یہ سوال نہ کیا کرتے تھے! تو خوب ہنسے اور فرمایا کہ تم میرا امتحان لینے آئے تھے۔ میں نے رقم واپس کی تو فرمایا کہ اسے چائے وغیرہ میں استعمال کرلو۔

ان کی کس کس بات کو یاد کروں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اور دلکش چہرہ اور مناسب قد و قامت تو عطا کیا ہی تھا، آپ اپنے جسم کو صاف و شفاف لباس سے بھی مزین رکھتے تھے۔ لباس کی صفائی کا نہ صرف خود خیال تھا بلکہ طلباء پر بھی نظر رکھتے تھے۔ اور کسی کو میلا لباس پہنے دیکھتے تو اسے مناسب رنگ میں سمجھاتے کہ النظافة من الایمان کا خیال رکھا کرو۔ میں نے کبھی آپ کے لباس کو میلا یا شکن آلود نہیں پایا۔

ہماری تربیت کیلئے اس بات کا خاص اہتمام فرماتے کہ ہم روزانہ نمازیں مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پیچھے پڑھیں اور مجالس عرفان میں بھی شامل ہوا کریں اور اس بات کی نگرانی فرماتے کہ اگر کوئی طالب علم ان مجالس میں شریک نہ ہوتا تھا تو اسے بلا کر ان مجالس کی اہمیت واضح فرماتے۔ ربوہ میں بعد نماز عصر ایک لمبے عرصہ تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجلس عرفان لگا کرتی تھی۔ ایک دفعہ حضورؓ نے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ اگلے ہفتہ مجلس عرفان میں میں عربی میں تقریر کروں۔ خاکسار کو عربی کہاں آتی تھی۔ ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ مجلس ختم ہوئی تو حضرت مولانا صاحب نے یاد فرمایا اور متبسم ہو کر فرمایا کہ کیوں اس قدر گھبرا گئے ہو۔ میرے پاس آ جانا۔ آپ نے مجھے تقریر لکھوائی اور فرمایا کہ اسے اچھی طرح یاد کرلو اور پھر آ کر مجھے سناؤ اور ہرگز گھبرانا نہیں، عربی اسی طرح آئے گی۔ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ کس طرح جب وہ مدرسہ احمدیہ کے طالب علم تھے اور عمر بھی چھوٹی تھی تب آپ کو

عبدالحق پادری کے مقابلہ پر مباحثہ کیلئے بھجوایا گیا۔اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کے نتیجہ میں آپ کو فتح نصیب ہوئی۔فرمایا کرتے تھے کہ کامیابیوں کے حصول کیلئے اولین شرط دعا ہے۔جو طالب علم یا مبلغ دعاؤں میں لگا نہیں رہتا وہ کامیابیوں کا منہ کبھی نہیں دیکھتا۔

اپنے شاگردوں کو میدان تبلیغ میں دیکھ کر بہت خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔خاکسار کو جب صدر صاحب لائبیریا نے لائبریا بطور مہمان آنے کی دعوت دی تو حضرت مولوی صاحب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔مجھے اصرار سے لکھا کہ صدر صاحب کے ساتھ تصاویر انہیں بھی بھجواؤں،جنہیں وہ رسالہ الفرقان میں شائع کریں گے۔چنانچہ انہوں نے بعض تصاویر الفرقان میں نمایاں طور پر پہلے صفحہ میں شائع کر دیں اور مجھے ایک پیارا سا حوصلہ افزائی کا خط بھی تحریر فرمایا۔

جماعت سے وابستگی اور خلیفہ وقت کی تحریک پر فوری عمل پیرا ہونے کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے وقف جدید کا آغاز فرمایا تو حضرت مولوی صاحب نے اپنی کل نرینہ اولاد حضورؓ کی خدمت میں وقف کر دی۔اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی کو نوازا اور ان کے ایک فرزند کو لائبیریا میں ایک لمبے عرصہ تک خدمت دین کی توفیق دی اور دوسرے بیٹے کو مسجد فضل،لندن کے امامت کے منصب پر فائز کر دیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کے ایک داماد کو’’فاتح طوالو‘‘کے خطاب سے نوازا تو دوسرے داماد کو اللہ تعالیٰ نے مجلس انصاراللہ انگلستان کا صدر بنایا اور اس طرح جیسے آپ کی خواہش تھی کہ آپ کی اولاد خدمت دین کیلئے وقف ہو،خدا تعالیٰ نے پوری فرمادی۔

قربانیوں اور افضال کی یہ داستان تو بہت طویل ہے اس لئے فی الحال اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ

وبچوں پراپنے افضال کی بارش نازل فرماتا چلا جائے۔آمین۔

میرا ترکِ سگریٹ نوشی

1945ء کی بات ہے، میں ان دنوں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا اور اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ پڑھائی یا مطالعہ میں گزارتا تھا۔کھیلوں سے مجھے بچپن سے ہی زیادہ رغبت نہیں رہی تھی۔ایک دن میرا ایک دوست مجھے کہنے لگا کیوں نہ سکول کے باہر کھیتوں کی کھلی فضا سے لطف اندوز ہوں۔میں نے فوراً حامی بھر لی اور سکول ختم ہونے کے بعد ہم دونوں دوست قصبہ کے باہر کھیتوں کی کھلی فضا میں آ گئے اور لہلہاتے کھیتوں،سرسبز شاداب درختوں اور پھولوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔اچانک میرے دوست نے اپنی جیب سے سگریٹ کی ایک ڈبیا نکالی اور سگریٹ پینے کے فوائد پر لیکچر جھاڑنا شروع کیا۔اپنے دعویٰ کی تائید میں اس نے سرونسٹن چرچل کی مثال دے کر کہا کہ دیکھو وہ کتنا بڑا سیاست دان اور مفکر ہے لیکن وہ باقاعدہ سگریٹ نوشی کرتا ہے۔اگر یہ کوئی خطرناک چیز ہوتی تو دنیا کا اتنا بڑا آدمی سگریٹ نوشی کیوں کرتا۔

میں اس کی باتیں سنتا رہا،لیکن میں نے اس کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔بات آئی گئی ہوگئی۔کچھ دنوں بعد ہم پھر ملے۔اس نے گاؤں سے باہر کھلی فضا میں پکنک منانے کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ہم نے کھانے پینے کا سامان لیا اور ایک رہٹ کی طرف چل پڑے جہاں گھنے درختوں کی چھاؤں اور پانی کی روانی اور ارد گرد کے کھیتوں کی شادابی ایک عجیب دلکش منظر پیش کر رہی تھی۔کھانے سے فارغ ہوئے تو میرے دوست نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی۔ایک سگریٹ منہ میں رکھا اور اسے دیا سلائی دکھائی۔ایک

لمبا کش لے کر سگریٹ نوشی کے فوائد پر لیکچر جھاڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک مجھے اس شعر کا علم نہیں تھا کہ:

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

لیکن آج پوری طرح اس شعر کی صداقت میرے دل پر نقش ہے، خیر میں آہستہ آہستہ اس دوست نما دشمن کے لیکچر سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد میں اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ایک کش لینے میں کیا حرج ہے؟ پسند نہ آیا تو پھر کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ اس دوست کے لاکھ اصرار کے بعد میں نے ایک سگریٹ کو اپنے لبوں میں دبا لیا۔ ایک لمبا کش لگایا۔ کش لگانے کی دیر تھی کہ میری آنکھیں باہر نکل آئیں۔ زبردست کھانسی کا دورہ پڑا اور سر چکرانے لگا۔ طبیعت اس قدر مضمحل ہو گئی کہ بیان سے باہر ہے۔ دن میں ہی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔ سگریٹ کو دور پھینکا اور ایک طرف زمین پر لیٹ گیا اور اپنے آپکو کوسنے لگا کہ کیوں میں اپنے اس نادان دوست کی باتوں میں آ گیا۔

کافی دیر کے بعد طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ میں نے پانی پیا اور واپس قصبہ کی طرف چلنا شروع کیا لیکن دوست کے لبادہ میں چھپا میرا دشمن کہاں ہار ماننے والا تھا! اس نے کہا پہلی دفعہ کش لگانے والوں کو ذرا تکلیف ہوتی ہے لیکن دوسری یا تیسری دفعہ سگریٹ کا لطف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ میں اس دوست پر پل پڑا اور سگریٹ نوشی کو برا بھلا کہا۔

چند دن گزرنے کے بعد ہم دو تین دوستوں نے مل کر باہر کھیتوں میں پکنک کا پروگرام بنایا۔ خوب تیاری ہوئی، کھانا تیار ہوا، پھلوں کا ٹوکرا خریدا گیا اور یہ قافلہ شاداں وفرحاں باہر

کھلی فضا میں پکنک منانے کیلئے روانہ ہوا۔اس دفعہ ایک خوش نما ندی کے کنارے پکنک منانے کا فیصلہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر ہر دوست نے اپنی ڈیوٹی سنبھالی۔ایک نے آگ روشن کی تو دوسرے نے اس پر ہنڈیا چڑھائی۔ایک نے چادریں بچھا کر فرش تیار کیا۔ دوسرے نے اس پر خوبصورتی سے برتن سجائے۔کھیل کود اور ندی کے پانی میں غوطے لگانے کے بعد سب کھانے پر پل پڑے۔کھانے کے بعد لطائف کا دور شروع ہوا۔کچھ بیت بازی ہوئی۔ یہ محفل خوب جمی ہوئی تھی کہ اس دوست نما دشمن نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور سب کو ایک ایک سگریٹ دیا۔ مجھے اس بات کی حیرت ہوئی کہ میرے سوا سبھی سگریٹ نوش نکلے۔ ہر ایک نے لمبے لمبے کش لگانے شروع کر دئے اور مجھے فرسودہ خیالات کا حامل قرار دیا اور کہا کہ تم بھلا زندگی میں کیا ترقی کرو گے جب تم سگریٹ ہی نہیں پی سکتے۔غرض مجھ پر ان دوستوں کے تابڑ توڑ حملے جاری رہے اور میرا عزم متزلزل ہونا شروع ہو گیا۔ will power چکنا چور ہو گئی اور میں نے بھی ان سبھی دوستوں کی اندھی تقلید میں اور ان کی بیہودہ باتوں میں آ کر ایک سگریٹ لبوں میں دبا کر اسے دیا سلائی دکھادی۔طبیعت خراب تو ہوئی اور کچھ ابکائی بھی آئی لیکن اس خیال سے کہ باقی دوست میرا مذاق نہ اُڑائیں میں نے اپنی طبیعت کو قابو میں رکھا اور کش پر کش لگانے شروع کر دئے۔بس یہ پہلا سگریٹ میری آئندہ چودہ سالہ سگریٹ نوشی کا پیش خیمہ بن گیا اور سگریٹ نوشی کا موذی اور مہلک مرض ایسا لگا کہ باوجود ہزار جتن کے میں اس سے جان نہ چھڑا سکا۔سگریٹ نوشی کی تعداد بڑھتے بڑھتے ساٹھ سگریٹ یومیہ تک جا پہنچی۔روزانہ کے سگریٹ پر آنے والے اخراجات میری طالب علمی کے زمانہ کے جیب خرچ سے بھی زیادہ ہو جایا کرتے تھے اور ان زائد اخراجات کو پورا کرنے کیلئے میں اپنے والد صاحب سے مختلف حیلوں بہانوں سے رقم

اینٹھتا رہا۔

1945ء میں لگی یہ بری لت 1958ء تک میرے لئے سوہان روح بنی رہی اور میری صحت کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹتی رہی۔ 1953ء میں لاہور میں مارشل لاء لگا تو ہم اپنے کالج کے احاطہ میں محصور ہو کر رہ گئے۔ دن میں ایک دو گھنٹہ کیلئے کرفیو میں نرمی ہوتی تو دوسرے طلباء سامان خورد ونوش لینے بازار کا رخ کرتے اور مجھے یہ فکر لاحق ہو جاتی کہ سگریٹ کے ذخیرہ میں کمی نہ واقع ہو جائے چنانچہ میں سگریٹ لینے بازار کا رخ کرتا۔

وقت گزرتا چلا گیا اور میری سگریٹ نوشی میں شدت آتی چلی گئی۔

1958ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں جامعۃ المبشرین کا طالب علم تھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ حضورؓ کی قوت شامہ بہت تیز ہے اس لئے حضورؓ سے ملاقات کیلئے جانے سے قبل اپنی انگلیوں کو، جو نکوٹین کے استعمال سے بالکل زرد ہو چکی تھیں، صابن و اسپرٹ سے خوب صاف کیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے، کچھ عطر لگایا اور اس بات کا پورا اطمینان کرنے کے بعد کہ اب حضورؓ کو میرے جسم یا کپڑوں سے سگریٹ کی بو آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا، میں ملاقات کیلئے چل پڑا۔ حضورؓ ان دنوں اپنے ملاقاتیوں کو اپنے دفتر میں جو اوپر کی منزل پر واقع تھا، ملا کرتے تھے۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا اور حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضورؓ نے کچھ ہدایات دیں، میرا حال احوال پوچھا اور جامعہ کی پڑھائی کے بارے میں دریافت فرمایا۔ ملاقات ختم ہونے پر میں مصافحہ کر کے باہر جانے کیلئے اٹھا ہی تھا کہ حضورؓ نے مجھے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ میں بیٹھ گیا تو حضورؓ نے اچانک پوچھا تم دن میں کتنے سگریٹ پیتے ہو؟ یہ سن کر میری تو گویا جان ہی نکل گئی۔ سخت گھبراہٹ ہوئی۔ جس راز کو

چھپانے کیلئے میں نے ہزار جتن کئے تھے وہ یوں افشا ہو جائے گا، یہ میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

میں نے جواب دیا: '' حضورؓ، سگریٹ تو میں بہت پیتا ہوں۔'' حضورؓ نے دریافت فرمایا: '' پھر بھی دن میں کتنے سگریٹ پی لیتے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ ساٹھ سگریٹ کے لگ بھگ۔ حضورؓ کو سخت حیرت ہوئی اور دو تین دفعہ دہرایا کہ تم ایک دن میں ساٹھ سگریٹ پھونک لیتے ہو۔ میں نے سخت شرمندگی سے سر جھکا دیا اور خاموش رہا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ تم بی اے پاس ہو، تمہیں یقیناً سگریٹ نوشی کے کچھ فوائد نظر آئے ہوں گے۔ مجھے بھی ان فوائد سے مطلع کروتا کہ میرے علم میں بھی اضافہ ہو۔ میں نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے عرض کیا: '' حضور اس میں قطعاً کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ ایک لغو فعل ہے''۔ اس پر حضورؓ نے فرمایا کہ تم پڑھے لکھے ہو کر ایک سراسر لغو اور بے فائدہ فعل کو کیوں کرتے ہو؟

حضورؓ نے فرمایا:

'' میں نے حال ہی میں '' ریڈرز ڈائجسٹ'' میں ایک مضمون پڑھا ہے۔ جس میں لکھا تھا کہ ایک یوروپین پارٹی ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی سر کرنے گئی تو ان میں سے ایک کوہ پیما صرف اس لئے موت کا شکار ہو گیا کہ اس کے پاس سگریٹ کا سٹاک ختم ہو گیا تھا اور وہ یہ صدمہ براشت نہ کر سکا۔ پھر فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص مہم جوئی میں اس قدر آگے نکل جائے کہ ہمالیہ کو سر کرنے نکلے اور صرف سگریٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی جان کی بازی ہار دے۔''

پھر فرمایا:

''سگریٹ وبال جان ہے، مضر صحت ہے، سرطان کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔ مالی طور پر بھی انسان کو بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ جو رقم سگریٹ نوشی پر خرچ ہوتی ہے اس کا دسواں حصہ بھی اگر انسان اچھی اور صحت بخش خوراک پر خرچ کرے تو نہ صرف وہ سگریٹ پر اٹھنے والے اخراجات سے نجات پالے گا بلکہ اچھی صحت اور تندرستی سے بھی مالا مال ہو جائے گا۔''

اس گفتگو کہ بعد آپؑ نے فرمایا کہ کیا تم سنجیدگی سے اس عادت کو ترک کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؓ میں نہ صرف تیار ہوں بلکہ اس لغو عادت کو ترک کرنے کیلئے ہر قربانی کیلئے بھی تیار ہوں، مگر میں کئی دفعہ کوشش کرنے کے باوجود بھی اس لغو عادت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

حضورؓ نے فرمایا کہ طریقہ میں بتادیتا ہوں۔ عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم نے میرے بتائے ہوئے طریق پر صدق دل سے عمل کیا اور اپنے عمل کے ساتھ دعاؤں کو بھی شامل کیا تو انشاءاللہ تمہیں اس سے مستقلاً نجات مل جائے گی۔ میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔

میں نے حضورؓ سے پختہ وعدہ کیا کہ حضورؓ کے فرمودہ ارشادات پر دل وجان سے عمل کروں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

حضورؓ نے فرمایا کہ دیکھا گیا ہے کہ سگریٹ نوش عام طور پر سگریٹ نوشی ترک کرنے کیلئے، جو ایک ڈبیا ان کی جیب میں ہوتی ہے، اس کو ختم کرنے کے بعد سگریٹ نوشی ترک کرنے کا عزم کرتے ہیں یا سگریٹ کی مقدار گھٹا کر یہ سمجھتے ہیں کہ بالآخر وہ اس سے نجات پا جائیں گے۔ اس طرح سے وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں اس لئے میری پہلی ہدایت تمہیں یہ ہے

کہ یہاں سے نیچے اتر کر سگریٹ کی جوڑ بیا تم نے کہیں چھپا کر رکھی ہے اس کو پیروں تلے مسل دو۔

میری دوسری ہدایت یہ ہے کہ جس دوکان سے تم سگریٹ خریدتے ہو، (ان دنوں ربوہ میں سگریٹ فروشی کی صرف ایک دوکان تھی)، چالیس دن تک اس کے قریب بھی نہ جانا۔ بلکہ اگر وہ دوکان راستہ میں پڑتی ہو تو اپنا راستہ بدل دو۔ میری تیسری ہدایت یہ ہے کہ تمام ایسے دوستوں کی صحبت سے دور رہو جو تمہارے ساتھ سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ چالیس دن تک ان سے ملنے میں اجتناب کرو۔ اور ان کو بتا دو کہ مجھے خلیفۃ المسیح ؒ نے تم سے ملنے سے منع کیا ہے۔ اگر کسی ایسے دوست سے ملنا ضروری ہو تو سختی سے اُسے منع کر دو کہ تمہاری موجودگی میں سگریٹ نوشی نہ کرے۔

میری چوتھی ہدایت یہ ہے کہ عام طور پر کھانا کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کی شدید طلب ہوتی ہے اس لئے تم اپنی جیب میں چنے رکھ لیا کرو اور جب بھی سگریٹ کی خواہش ہو چنے منہ میں ڈال کر چبا لیا کرو۔ اس طرح سگریٹ کی طلب میں آہستہ آہستہ کمی آنی شروع ہو جائے گی۔

حضورؒ نے آخر میں فرمایا کہ جو ترا کیب میں نے تمہیں بتائی ہیں ان پر چالیس دن تک مکمل عمل پیرا ہونے کے بعد مجھ سے ملنے کیلئے آؤ اور مجھے اس عرصہ کی رپورٹ دو۔ میں نے حضورؒ سے حضورؒ کی ہدایات پر خلوص دل سے عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا اور واپس چلا آیا۔

شروع کے چند دن بہت تکلیف میں گزرے۔ طبیعت ہر وقت بے چین رہنے لگی۔ کسی کام میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ دل کو قرار آنے لگا۔ سگریٹ کی عادت ختم ہونے سے کھانے میں بھی لطف آنے لگا اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے زبان میں آ جانے والی

بد ذائقی بھی اب دور ہونے لگی۔

چالیس دن کے اختتام کے بعد میں حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ کیا رپورٹ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؒ، الحمد للہ مجھے سگریٹ نوشی سے نجات مل گئی ہے۔ حضورؒ نے بآواز بلند الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ فرمایا اور بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ حضورؒ کا اس عاجز پر ایک عظیم احسان تھا۔

۞۞

⊛……باب سوئم……⊛

انگلستان میں میری تقرری اور ایک یادگار سفر

جامعۃ المبشرین کی درس گاہ سے شاہد کی ڈگری لے کر میں وکالت تبشیر میں حاضر ہو گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تھے اور برادران بشارت احمد صاحب بشیر مرحوم اور حسن محمد خان صاحب عارف ان کے نائبین تھے۔ وکالت تبشیر نے حسب معمول حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے خاکسار کی تعیناتی کے بارے میں استفسار کیا تو حضورؓ کی طرف سے جواب آیا کہ اسے انگلستان بھجوا دیا جائے، چنانچہ اس کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

میری شادی کو صرف تین سال ہوئے تھے اور ایک بیٹا منیر احمد پیدا ہو چکا تھا۔ میرے والد صاحب مرحوم و مغفور کی خواہش تھی کہ میری بیوی اور میرا بچہ ساتھ ہی جائیں لیکن ان دنوں مبلغین کے ساتھ اکثر ان کے اہل و عیال نہیں بھجوائے جاتے تھے اور بعض مبلغین تو سالہا سال سے بغیر اہل و عیال کے غیر ممالک میں خدمت دین کر رہے تھے۔ سلسلہ کے مالی حالات بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ مبلغین کے ساتھ ان کی فیملیاں بھی جائیں۔ یہ تو عمومی رنگ تھا۔ پہلی دفعہ میدان تبلیغ میں جانے والوں کے ساتھ ان کی بیویوں

اور بچوں کے جانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں نے یہ تمام باتیں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں عرض کر دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میں دعا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول کرے گا اس لئے تم حضورؓ کی خدمت میں درخواست بھجوا دو اور دعاؤں کے ذریعہ اپنی درخواست کی منظوری کی امید رکھو۔ چنانچہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں درخواست بھجوادی۔ نتیجہ وہی نکلا جس کا ڈر تھا۔ حضورؓ نے درخواست واپس بھجواتے ہوئے تحریر فرمایا کہ سلسلہ تمہاری فیملی تمہارے ساتھ بھجوانے کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں نے حضرت والد صاحب کو اطلاع دی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ حضورؓ کی خدمت میں دوبارہ درخواست بھجوا کر عرض کرو کہ اگر حضورؓ میری فیملی کو ساتھ بھجوانے کی منظوری عطا فرما دیں تو ان کو اپنے ساتھ لے جانے پر جو خرچ ہوگا وہ میں خود ادا کروں گا اور سلسلہ سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ میں نے یہ درخواست بھجوادی جو حضورؓ نے منظور فرمالی اور فرمایا کہ اخراجات سفر کے علاوہ انگلستان میں بھی اپنی بیوی اور بچے کے اخراجات کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔

جنوری 1959ء کے پہلے ہفتہ تک میری روانگی کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ اس لئے وکالت تبشیر نے روانگی کے احکامات جاری کر دئے۔ ربوہ سے روانہ ہونے سے ایک دن قبل صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر مجھے حضورؓ کی ملاقات کیلئے اپنے ساتھ لے گئے۔ حضورؓ نے تفصیلی ہدایات لکھوائیں، دعائیں دیں اور وقت رخصت معانقہ کا شرف بھی بخشا۔ الحمدللہ۔

کراچی سے بحری جہاز Caledonia پر ہماری ریزرویشن تھی۔ یہ جہاز Anchor Line کمپنی کا تھا اور ایک کلاس کا جہاز تھا۔ بروز جمعہ مورخہ 23 جنوری 1959ء کو روانگی کا

وقت بعد دوپہر مقرر تھا۔نماز جمعہ سے فارغ ہو کر خاکسار بمع اپنی بیگم اور بچہ منیر احمد کے کراچی کی بندرگاہ پر پہنچا۔وقت رخصت علاوہ اوراحباب کے برادران ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی موجود تھے۔مکرم خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم سیکرٹری ضیافت نے لمبی اور پرسوز دعا کرائی اور ہم جہاز پر سوار ہو گئے۔ ہمارا الگ کیبن تھا جس کا نمبرB-10 تھا۔نہایت آرام دہ کیبن تھا دو بیڈز کے علاوہ بچہ کیلئے پنگھوڑے کا بھی انتظام تھا۔کیبن میں ہی گرم سرد نلکوں کا انتظام بھی موجود تھا۔ہم اپنے کیبن میں منتقل ہو گئے۔ یہ کیبن سمندر کی طرف تھااور کیبن میں ایک کھڑکی سے سارا وقت پانی نظر آتا تھا۔

ہم نے کیبن میں اپنا سامان رکھا اور باہر ڈیک یا عرشہ پر آ گئے۔ ہمیں رخصت کرنے والے احباب ساحل سمندر پر کھڑے تھے اور تب تک کھڑے رہے جب تک کہ جہاز نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

شام 6:30 بجے جہاز نے لنگر اٹھائے اور روانگی کا اعلان ہوا۔ جہاز آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف سرکنا شروع ہوا۔ یہ نظارہ بے حد جذباتی اور رقت آمیز تھا۔رخصت کرنے والوں اور رخصت ہونے والوں کی آنکھوں نے شدت جذبات سے برسنا شروع کر دیا۔بعض مسافر تو اونچی آواز میں رو رہے تھے اوران کی ہچکیاں بندھ گئیں تھیں۔خود میری حالت بھی غیر ہو رہی تھی اور ذہن میں ایک تلاطم برپا تھا کہ زندگی خدمت اسلام کیلئے وقف تو کر دی ہے لیکن کیا وقف کے تقاضوں کو پورا بھی کر سکوں گا؟ کیا میں قربان گاہ وقف پر اپنے جذبات،احساسات،عزت و مال و جان اور جو کچھ میرے پاس ہے،قربان بھی کر سکوں گا یا نہیں؟ کیا میں اپنی بقیہ زندگی کو طابع مرضئ مولا کر سکوں گا یا نہیں؟ ایک طرف اس عظیم کام کا خیال تھا جو بطور مبلغ اسلام میرے سپرد کیا جا رہا تھا تو دوسری طرف اپنی کم علمی،کم مائیگی اور

روحانی کمزوریوں کا خیال آتا تو دل گھبراہٹ سے لرزنے لگتا تھا۔غرض ایک عجیب کیفیت تھی جس میں سے میں گزر رہا تھا۔ان خیالات نے میری طبیعت کو گداز کر دیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں، میں نے بڑی رقت کے ساتھ اپنے مولا کے حضور ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا یا مولیٰ کریم! اگر تیرا فضل شامل حال نہ ہو اور تیری طرف سے توفیق نہ ملے اور تو میرا مددگار نہ ہو تو میرے لئے اس بوجھ کو اٹھانا مشکل ہی نہیں بالکل ناممکن ہے۔پس جب تو نے اپنے فضل سے اس ناکارہ وجود کو یہ عظیم خدمت سپرد کی ہے تو تو ہی میری مدد بھی فرما۔مجھ پر اپنے صفت ستارالعیوب کا سایہ رکھیو اور میری پردہ پوشی فرمائیو اور روح القدس سے میری مدد فرمائیو۔آمین۔ثم آمین۔

خیر لمبی دعا سے فارغ ہو کر جب میں نے اردگرد نظر دوڑائی تو ہر طرف پانی ہی پانی کی حکمرانی نظر آئی۔ساحل نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ہوا میں خنکی آ چکی تھی اس لئے ہم اپنے کیبن میں چلے گئے۔میری بیوی سلیمہ بیگم بھی شدت جذبات سے نڈھال تھیں۔سات سمندر پار کا یہ ہم دونوں کا پہلا سفر تھا۔ہم دونوں کے والدین زندہ تھے جنہوں نے ہمیں آنسوؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ہم دونوں کو وہ یاد آئے اور ہم نے مل کر ان کی یاد سے دلوں کو ان کے بارے میں باتیں کر کے گرمانا شروع کیا۔ان دنوں سات سمندر پار جانے والے جلد واپس نہ لوٹتے تھے اور اکثر تو یورپ کے ہی ہو کر رہ جاتے تھے۔اس لئے طبعاً جب لوگ سفر یورپ پر روانہ ہوتے تھے تو ان کے رشتہ داروں کا شدت غم سے برا حال ہوتا تھا۔مجھے بار بار اپنی ماں کا خیال آ رہا تھا، جو کمزور دل واقع ہوئی تھیں اور میں ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔میرے ربوہ سے روانہ ہونے کے بعد وہ صدمہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں، جسکی اطلاع مجھے کراچی میں مل چکی تھی۔پھر مجھے اپنے والد محترم کی آخری بات یاد آئی جو انہوں

نے فیصل آباد کے اسٹیشن پر مجھ سے کہی تھی۔ رخصت کے وقت گلوگیر آواز میں انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم نے اپنی مرضی سے وقف کیا ہے۔ کسی نے تمہیں اس کیلئے مجبور نہیں کیا تھا۔ اب جب تم نے خدا تعالیٰ سے عہد وقف کر لیا ہے تو اسے نبھانا پڑے گا اور عہد وقف سے اب کسی ابتلاء یا تکلیف کے وقت منہ موڑنا علاوہ روحانی ہلاکتوں کے پختون روایات کے بھی منافی ہوگا۔ اس لئے خدانخواستہ اگر تم نے اللہ سے اپنے رشتۂ وقف کو توڑا تو وہی دن تمہارا میرے ساتھ تعلق کا بھی آخری دن ہوگا۔ پھر میری طرف مڑ کر بھی نہ دیکھنا۔ میرے لئے اس دن تم مر چکے ہوگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجھے علم ہوا کہ تمہاری بیوی نے یوروپین تہذیب کے زیر اثر آ کر پردہ کو خیر آباد کہا ہے تو بھی تم دونوں سے میرا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

کیبن میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یہ اعلان ہوا کہ شام کے کھانے کیلئے سب مسافر ڈائننگ روم میں چلے جائیں۔ میں نے جا کر ڈائننگ روم کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگوں کو یعنی مردوں اور خواتین کو mix کر کے میزوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔ جہاز میں صرف میری بیوی باپردہ تھی۔ اکثریت یوروپین خواتین کی تھی یا پھر ایسی ایشین خواتین کی جو پردہ کو دقیانوسیت کا مظہر سمجھتی تھیں۔ میں بھی ایک میز پر جا بیٹھا اور اسٹوراٹ کو کہا کہ میری بیوی کیلئے کھانا اس کے کیبن میں پہنچا دیا جائے۔ وہ پردہ دار خاتون ہیں اس لئے وہ مردوں میں نہیں بیٹھیں گی۔ اسٹوراٹ نے کہا کہ انہیں ڈائننگ روم سے باہر کھانا لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ جہاز کے کیپٹن سے بات کر کے مجھے بتائیں گے۔ تھوڑی دیر میں اس اسٹوراٹ نے مجھے کہا کہ کپتان صاحب تمہیں بلا رہے ہیں۔ کپتان صاحب ایک الگ میز پر بعض ساتھیوں کے جلو میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی پاس بیٹھ گیا۔ گفتگو کا سلسلہ کچھ یوں

چلا:

کپتان: آپ نے اپنی بیگم کوڈائننگ روم میں لانے سے انکار کیا ہےاور کہا ہے کہ وہ باپردہ خاتون ہیں۔اس لئے وہ لوگوں میں گھل مل نہیں سکتیں۔تم تو یورپ جار ہے ہو۔وہاں کیسے پردہ کراؤ گے؟

خاکسار: جناب میں تو یورپ جا ہی اس لئے رہا ہوں کہ وہاں کے لوگوں کو عورت کے اعلیٰ اور ارفع مقام سے روشناس کراؤں ۔ پردہ تو عورت کی عزت اور عصمت کا محافظ ہے۔کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ جس بات کا عزم لے کر میں یورپ جار ہا ہوں ،خود پہلے ہی مرحلہ میں اس مقصد سے منہ موڑلوں ۔

کپتان: میری نظر میں تو عورت کو پردہ کی قید میں مقید کرنا تنگ نظری ہے اور کوئی بھی عورت اگر اسے اختیار دیا جائے تو پردہ کی قید میں جانے کو ہرگز تیار نہ ہوگی ۔

خاکسار: جناب میری بیوی پڑھی لکھی ہے،سمجھدار ہے۔اس نے پوری بشاشت اور خوشی کے ساتھ پردہ میں رہنے کا عزم کیا ہے۔اس پر میری طرف سے کوئی دباؤ نہیں ہے۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو پردہ کی مناسبت سے خود ان سے بات کر کے پردہ کے بارہ میں ان کا نظریہ معلوم کرلیں ۔

کپتان: خیر اگر آپ کا اصرار ہے تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ڈائننگ روم میں تم دونوں کیلئے الگ میز لگا دیا جائے اور تمہارے ساتھ کسی

کونہ بٹھایا جائے۔

خاکسار: کپتان صاحب! یہ بہت مناسب بات ہوگی اور اس کے لئے میں آپ کا ممنون ومشکور ہونگا۔

کپتان صاحب نے حکم جاری کر دیا کہ ہمارے لئے ایک الگ میز کا انتظام کر دیا جائے۔اسطرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے سہولت پیدا کر دی۔27 جنوری کو صبح 8 بجے عدن کا ساحل نظر آنے لگا۔ جہاز کے قریباً سبھی مسافر عرشہ پر جمع ہو گئے۔ چار دن بعد خشکی کا نظارہ دلفریب تھا۔گیارہ بجے کے قریب جہاز عدن کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔عدن کی بندرگاہ پر جہاز ساحل سے کچھ فاصلہ پر لنگر انداز ہوتے ہیں اور پھر کشتیوں کے ذریعہ مسافروں کو ساحل پر لے جایا جاتا ہے۔کیپٹن صاحب نے اعلان کر دیا کہ مسافر سیاحت کی غرض سے عدن جا سکتے ہیں۔لیکن شام 7 بجے تک سب کو جہاز پر واپس آنا ہوگا۔ یہ جہاز کی آگے روانگی کا وقت تھا۔

عدن کے ساتھ جماعتی تاریخ کا بھی ایک تعلق ہے۔اور وہ یہ کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جب ہندوستان آ رہے تھے تو انہیں عدن سے واپس انگلستان بلا لیا گیا تھا۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انگریزوں نے جب سکھ حکومت پر فتح حاصل کر لی تو نوجوان شہزادہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کو انگلستان بھجوا دیا تھا تاکہ سکھ قوم آواز نہ اٹھا سکے اور ان کی لیڈر شپ ختم ہو جائے۔مہاراجہ دلیپ سنگھ جی لندن پہنچے اور انہیں کچھ عرصہ گلڈفورڈ اور لندن میں ٹھہرایا گیا۔ لندن کا خوبصورت ہوٹل Kenzaro Hotel مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کی ملکیت رہا ہے۔مہاراجہ دلیپ سنگھ جی اور ملکہ وکٹوریہ کے تعلقات آپس میں خوشگوار رہے ہیں۔ایک دفعہ کی بات ہے کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی نے ملکہ وکٹوریہ سے کوہ نور ہیرا دیکھنے کی خواہش

ظاہر کی۔ ملکہ اٹھ کر اپنے کمرہ میں گئیں اور ہیرا اٹھا لائیں۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی نے ہیرا اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور روشنی میں دیکھنے کیلئے بالکنی میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ملکہ وکٹوریہ کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مہاراجہ دلیپ سنگھ جی ہیرا گرا نہ دیں۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی، جو کہ ایک زیرک انسان تھے، نے ملکہ کے خوف کو فوراً بھانپ لیا اور ملکہ کے پاس آ کر کہا:

"Madam ! The rightful owner of this diamond would like to present it to you."

ملکہ نے ہیرا واپس لے لیا اور مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کی حس مزاح کی داد دی۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کی بہت خواہش تھی کہ وہ ایک دفعہ پنجاب جائیں۔ جس کے لئے انہوں نے حکومت برطانیہ کو متعدد بار کہا۔ بالآخر حکومت نے انہیں پنجاب جانے کی اجازت دے دی۔ جب مہاراجہ دلیپ سنگھ جی ہندوستان جانے کیلئے بحری جہاز پر سوار ہوئے تو ہندوستانی اخبارات میں کثرت سے اس کی خبریں شائع ہوئیں اور بڑی شدت اور گرمجوشی سے مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کی پنجاب آمد کا انتظار کیا جانے لگا۔ پنجاب بھر میں مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کے واپس آنے کی خوشی میں تقاریب کے انعقاد کے پروگرام بنائے گئے۔ اور ہر طرف جوش و مسرت کا سماں نظر آنے لگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی ہندوستان نہیں آ سکیں گے۔ حضورؑ نے نہ صرف اپنے دوستوں کو اس کی اطلاع دی بلکہ ایک اشتہار میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ ادھر مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کا جہاز عدن میں لنگر انداز ہو گیا تو ادھر حکومت برطانیہ نے اس ڈر سے کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جی کے پنجاب واپس پہنچنے پر ان کی تاجپوشی کی تحریک زور پکڑ لے گی، مہاراجہ کو عدن سے ہی واپس بلا لینے کے احکامات جاری کر دیئے۔ ایسا ہی ہوا اور خدا کی بات پوری ہوئی۔

ربوہ سے رخصت ہونے سے قبل میں نے اپنے دوست محمود شبوطی کے ذریعہ ان کے والد صاحب جناب عبداللہ شبوطی کو اطلاع بھجوا دی تھی ۔عبداللہ شبوطی صاحب عدن کے نہایت مخلص اور فدائی احمدی تھے ۔احمدیت قبول کرنے کے بعد انہیں بے شمار مصائب اور تکالیف کا سامنہ کرنا پڑا۔لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی ۔جہاز لنگرانداز ہوا تو وہ جہاز پر آئے اور مجھے بہت اخلاص اور محبت سے خوش آمدید کہا اور دعوت دی کہ میں ان کے ساتھ عدن کی سیر کروں اور پھر شام کو جماعت عدن کی طرف سے دئے گئے استقبالیہ میں بھی شرکت کی دعوت دی ۔اس طرح سے ہم وہاں سے موٹر کار میں بیٹھ کر جناب ڈاکٹر محمد احمد عدنی صاحب کی دوکان پر گئے ۔ڈاکٹر صاحب ہندوستانی نژاد کے مخلص احمدی تھے اور ان کے دو بیٹے قادیان میں میرے کلاس فیلوز رہ چکے تھے ۔وہاں دوپہر کے کھانے تک احباب جماعت سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ بعد نماز ظہر دو تین کاروں میں احباب کے ساتھ عدن کی سیر کو نکلے ۔عدن شہر ماڈرن طرز پر بنا ہوا ہے ۔دورویہ خوبصورت سڑکیں اور بلند بالا مکانات بہت دیدہ زیب منظر پیش کرتے ہیں ۔

شام کو جہاز پر واپس پہنچے ۔جناب عبداللہ صاحب کی فدائیت ،اخلاص اور خلافت سے مضبوط تعلق نے دل پر ایک انمٹ نقش چھوڑا۔

جہاز اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا گیا اور ایک مرتبہ پھر پانی کی حکمرانی ہو گئی ۔31 جنوری کو صبح سویرے جہاز نہر سویز میں داخل ہو گیا۔ساحل سے بالکل ملحق سویز کا شہر ہے ۔نہر کے دونوں کناروں پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں ۔لوگ عام طور پر زراعت پیشہ ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں ۔جہاز کے اکثر مسافر عرشہ پر نکل آئے تھے ۔نہر کے دونوں طرف مناظر دلکش تھے ۔11 بجے جہاز Great Bitter Lake میں

داخل ہوا۔ اس جھیل میں پندرہ بیس جہاز کھڑے تھے۔ اس قسم کی اس نہر میں تین چار بڑی بڑی جھیلیں ہیں۔ جس میں دونوں طرف سے جہاز آ کر رکتے ہیں تا کہ جہازوں کی آمد و رفت میں دقت نہ ہو اور ٹریفک کا نظام خوش اسلوبی سے جاری رہے۔ ہمارا جہاز بھی 5 بجے تک اس جھیل میں رکا رہا۔ نہر میں جہازوں کی رفتار 5.5 میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ نہر کے اندر جہاز کا کنٹرول مصری پائیلٹ سنبھال لیتے ہیں اور وہ جہاز کو چلاتے ہیں۔ ہر بڑے جہاز کو نہر سے گزارنے کیلئے اس وقت 3000 پونڈ حکومت مصر کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ یہ نہر 118 فٹ چوڑی، 30 فٹ گہری اور 101 میل لمبی ہے۔ نہر ایک طرف سویز سے شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف پورٹ سعید پر ختم ہوتی ہے۔ یہ نہر Red Sea اور Medteraneon Sea کو آپس میں ملاتی ہے۔

رات کو ایک بجے جہاز پورٹ سعید پہنچ کر بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔ صبح کے ناشتہ کے بعد اعلان ہوا کہ جو لوگ پورٹ سعید شہر دیکھنے کے خواہش مند ہوں وہ جا سکتے ہیں۔ لیکن جیب کتروں اور ٹھگوں سے خاص محتاط رہنا چاہئے۔ یہ بات میرے لئے بہت صدمہ کا باعث تھی کہ ایک مسلمان ملک میں وارد ہوئے ہیں جسکی عمومی شہرت اتنی خراب ہے۔ ہم نے ایک موٹر دس شلنگ کرایہ میں حاصل کی جس نے سارے شہر کی سیر کرائی۔ پورٹ سعید کی خوبصورت ترین مسجد جو عبدالرحمٰن نامی ایک رئیس نے تعمیر کرائی ہے، وہ بھی دیکھی۔ مسجد کی تزئین اور آرائش، ترکی کے بنے ہوئے قالین اور وینس کی روشنیوں کے بجلی کے قمقمے دل آویز اور دل کش ہیں۔ پورٹ سعید کے بازاروں میں تجارتی ایمانداری اور سچائی کا فقدان نظر آیا۔ ٹورسٹ کو قیمتیں دس دس گنا زیادہ بتائی جاتی ہیں جو کہ ایک افسوسناک امر ہے۔

3 فروری کو جہاز 4.5 بجے پورٹ سعید سے اپنی اگلی منزل جبرالٹر کیلئے روانہ ہوا لیکن

دوران سفر جہاز کو حکومت برطانیہ کی طرف سے حکم موصول ہوا کہ سائپرس سے کچھ برطانوی سپاہیوں کو اٹھایا جائے۔ چنانچہ جہاز نے اپنا مخصوص روٹ تبدیل کر لیا اور ایک دن کے بعد قبرص کے Limasol نامی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ یہاں کشتیوں میں سوار بہت سارے لوگ جہاز کی طرف آئے اور شراب بہت ہی کم داموں میں فروخت کرنی شروع کی۔ یورپین لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور دھڑا دھڑ شراب کی بوتلیں بکنے لگیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں شراب کشید کی جاتی ہے اور بے حد سستے داموں میں فروخت کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے ایک ڈبیہ سگریٹ کے عوض شراب کی بوتل خریدی۔ Limasol میں ہمیں اترنے کی اجازت تو نہ دی گئی لیکن عرشہ سے شہر کا بہت خوبصورت منظر نظر آتا تھا۔ سبزہ سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کا منظر بے حد دلربا تھا۔ 7 فروری کو جہاز جبرالٹر کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔

جبرالٹر میرے لئے ایک جذباتی شہر تھا۔ میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا تو مجھے اندلس کی تاریخ پر ناول پڑھنے کا جنون طاری ہوا اور اس موضوع پر بے شمار کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اسپین سے عشق سا ہو گیا تھا۔ جبرالٹر اندلس میں مسلمانوں کی فتح کا نقطۂ آغاز تھا۔ میں تصور ہی تصور میں جبرالٹر کی سیر کرتا رہا تھا۔ آج اصل جبرالٹر میرے سامنے تھا تو قدرتاً دل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ جبرالٹر اصل میں جبل الطارق کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ ایک چٹان ہے جہاں سے اسپین نظر آتا ہے۔ جنرل طارق نے اس پر کھڑے ہو کر ہسپانیہ کا پہلا منظر دیکھا تھا اور اپنی کشتیاں یہ کہہ کر جلا ڈالی تھیں کہ اب واپسی کا کوئی سوال نہیں، ہم یا تو اسپین فتح کریں گے یا اپنی جانیں دے دیں گے۔ مجھے اقبال کے وہ اشعار بھی یاد آرہے تھے جس میں اس نے جنرل طارق کی تقریر کو

شعر کا جامہ پہنایا تھا۔

جبرالٹر میں جہاز لنگر انداز ہوا تو دیر تک میں جنرل طارق کیلئے دعا کرتا رہا اور بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کی کہ یا خدا ایک بار پھر اپنے مسیح کے غلاموں کے ذریعہ اسلام کی عظمت رفتہ کو اس ملک میں واپس لے آ۔

جبرالٹر میں چونکہ جہاز نے دن بھر کھڑے رہنا تھا اس لئے مسافروں کو شہر میں جانے کی اجازت مل گئی۔ہم بھی اترے اور اس جگہ پر کھڑے ہو کر دعا کی جہاں کھڑے ہو کر جنرل طارق نے ہسپانیہ کی فتح کا جائزہ لیا تھا۔اس جگہ پر انگریزی زبان میں کتبہ لکھا ہوا تھا اور جہاں جنرل طارق کھڑے تھے،اس جگہ کی نشان دہی کی گئی تھی۔

جبرالٹر میں چٹانوں میں کثرت سے بندر ہیں جن کی برطانوی حکومت کی طرف سے نگہداشت کی جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ مشہور ہے کہ جس دن یہ بندر اس چٹان کو چھوڑ کر چلے گئے اسی دن برطانوی حکومت کی بھی جبرالٹر سے صف لپیٹ دی جائے گی۔عجیب بات ہے کہ انگریز قوم،جس نے سائنس اور مادیت میں اس قدر ترقی حاصل کی ہے،اس قدر توہم پرست واقع ہوئی ہے۔

18 فروری 1959ء کو صبح سویرے جہاز لورپول (انگلستان) کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا اور ہمارا سفر اختتام پذیر ہو گیا۔گیارہ بجے تک جہاز سے بوجہ سخت دھند اور کہرے کے نکلنا ممکن نہ ہو سکا۔دھند چھٹ گئی تو ہم ساحل پر آئے جہاں لندن کیلئے ریل تیار کھڑی تھی۔برطانوی ٹرین پر سفر کا ہمارا یہ پہلا تجربہ تھا۔ٹرین کی صفائی قابل دید تھی۔کہاں اپنے ملک کی ٹرینیں اور کہاں یہاں کی صاف ستھری اور وقت پر چلنے والی ٹرینیں۔اے کاش ہمارا ملک بھی ان سے سبق سیکھے۔لورپول سے لندن کا سفر چھ گھنٹوں میں طے ہوا۔سارا انگلستان

کرۂ زمہریر بنا ہوا تھا۔گاڑی سے باہر جہاں تک نظر جاتی تھی ،برف ہی برف نظر آتی تھی۔یوں لگتا تھا کہ قدرت نے زمین پر براق سفید چادر تان رکھی ہے۔ٹرین البتہ خوب گرم تھی۔

لورپول بندرگاہ ہونے کے لحاظ سے گہما گہمی کا شہر ہے۔1890ء کے لگ بھگ یہاں ایک انگریز نے اسلام قبول کیا تھا اور اپنا اسلامی نام عبداللہ رکھا تھا۔اس کا انگریزی سر نیم کوئیلم تھا،اس لئے عبداللہ کوئیلم کے نام سے مشہور ہوا۔اس نے ایک اسلامی جریدہ بھی جاری کررکھا تھا اوراس کے ذریعہ پندرہ بیس انگریز مردوخواتین مسلمان بھی ہو چکے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کا ذکر اپنی تحریرات اور ملفوظات میں فرمایا ہے۔عبداللہ کی وفات کے بعد یہ مشن بھی ختم ہو گیا۔اب تو کوئی اس کو جانتا بھی نہیں۔

شام کے چھ بجے یوسٹن اسٹیشن پر آ پہنچے۔عجیب بات ہے کہ اترتے وقت کسی نے پاسپورٹ چیک نہ کیا۔ایک افسر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔مسافر اسے دور ہی سے پاسپورٹ دکھاتے اور آگے چل دیتے۔ہمارے پاسپورٹ پر انٹری کی کوئی سٹیمپ بھی نہ لگائی گئی۔وہ بھی کیا دن تھے!انٹری پرمٹ کا تردد اور نہ ویزا کا جھگڑا۔

پلیٹ فارم پر مکرم مولود احمد خان صاحب امام مسجد فضل لندن،مکرم ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب،مکرم عبدالعزیز دین صاحب،مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور مکرم چوہدری محمد اشرف صاحب موجود تھے۔ہم اسٹیشن سے سیدھے مشن ہاؤس پہنچے۔مشن ہاؤس کی عمارت (جواب مسمار کی جا چکی ہے)63 میلر وز روڈ کہلاتی تھی۔یہ تین منزلہ عمارت تھی اور امام صاحب کی رہائش کے علاوہ اس کا گراؤنڈ فلور بطور مشن ہاؤس استعمال ہوتا تھا۔ساتھ ہی دوسری بلڈنگ 61 میلر وز روڈ تھی۔یہ بھی جماعت کی ملکیت تھی۔1955ء میں حضرت

خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے برطانیہ کا دورہ کیا تو اسی بلڈنگ میں قیام فرمایا تھا۔ مجھے بھی اسی بلڈنگ کی چوتھی منزل پر دو کمروں پر مشتمل فلیٹ میں ٹھہرایا گیا اور یوں یہ یادگار سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ الحمدللہ۔

لندن کا ابتدائی دور

لندن شہر مجھے روشنیوں کا شہر لگا۔ اتنا بڑا شہر میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ 61 میلروز روڈ پر واقع فلیٹ ہماری رہائش گاہ تھی۔ رات یخ بستہ تھی۔ ان دنوں مکانات میں سینٹرل ہیٹنگ کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ عام طور پر گھروں میں کوئلہ کی انگیٹھیاں یا تیل کے ہیٹرز استعمال ہوتے تھے۔ اس فلیٹ میں یہ دونوں سہولیتیں موجود نہ تھیں۔ ہم رخصت کے وقت رضائیاں ساتھ لے کر آئے تھے لیکن باوجود اس کے شدید سردی تھی۔ رات آنکھوں میں کٹی۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد ہم امام صاحب کے پاس گئے۔ انہوں نے پوچھا رات کیسے کٹی؟ میں نے عرض کیا اتنی شدید سرد رات تو میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں کاٹی۔ خیر دوپہر کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب تشریف لائے اور انہوں نے ایک آئل ہیٹر لا کر دیا، اور اس کو روشن کرنے کا طریقہ بتایا۔ یہ جل اٹھا تو کمرہ میں گرمی آ گئی اور ہماری بھی جان میں جان آئی۔ اللہ تعالیٰ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

دو چار دن کے بعد امام صاحب نے مجھے دوصد احباب کی فہرست دی اور کہا کہ ان میں سے اکثر طالب علم ہیں جو ممکن ہے اب اپنے گھروں کو واپس جا چکے ہوں۔ تم ان احباب سے رابطہ کر کے ان کے پتہ جات درست کرو تا کہ ان سے رابطہ کرنے اور چندہ

جات وصول کرنے میں آسانی ہو۔میں نے کئی دنوں کی تگ و دو کے بعد جن احباب کو Trace کیا ان کی تعداد149 نکلی۔گویا کہ 1959ء میں یہ تھی سارے برطانیہ میں احمدیوں کی تعداد۔جماعت ان دنوں زیادہ تر نوجوانوں پر مشتمل تھی۔فیملی والے خال خال تھے۔ساری جماعت میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب، چوہدری محمد اشرف صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کے سوا کسی کے پاس موٹر کار کی سہولیت نہ تھی اور یہ تینوں کاریں مشن کے کاموں میں استعمال ہوتی تھیں۔اللہ تعالیٰ ان تینوں مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔انہیں جب بھی جماعتی ضرورت کے پیش نظر بلایا گیا یہ بلا تاخیر فوراً اپنی کاریں لے کر حاضر ہو گئے اور اکثر پٹرول بھی اپنا خرچ کرتے تھے۔مولوی عبدالرحمٰن صاحب1948ء میں پہلی مرتبہ بطور تجارتی مبلغ انگلستان بھجوائے گئے تھے۔بعد میں یہ وقف سے فارغ ہو کر انگلستان میں بس گئے تھے۔نہایت مخلص، فدائی اور خدمت گزار انسان تھے۔مختلف اوقات میں مختلف کاروبار کرتے تھے۔یاد نہیں کہ کبھی بھی مولوی صاحب نے جماعت کے کسی کام سے انکار کیا ہو۔جب بھی انہیں کسی خدمت کیلئے بلایا جاتا مولوی صاحب فوراً سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مشن ہاؤس پہنچ جاتے تھے۔

چوہدری محمد اشرف صاحب بھی ایک زمانہ سے انگلستان میں مقیم تھے۔نہایت مخلص، خادم دین اور مہمان نواز انسان تھے۔دوستوں کو پکڑ پکڑ کر گھر لے جاتے اور ان کی خوب خاطر تواضع کیا کرتے تھے۔ان کی بیگم مسز اشرف بعد میں انگلستان لجنہ اماء اللہ کی صدر بھی رہیں۔ان میں مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔گھر میں مہمان نوازی کے علاوہ اکثر میٹنگز کے مواقع پر اپنے گھر سے انواع واقسام کی مٹھائیاں وغیرہ لایا کرتے تھے اور احباب کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ان کی کار کو احمدی احباب اس کثرت کے ساتھ اپنی

ذاتی ضروریات کیلئے استعمال کیا کرتے تھے کہ ان کی کار کا نام ہی مشن کی مفت ٹیکسی پڑ گیا تھا۔ اصرار کے باوجود کبھی معاوضہ میں پٹرول وغیرہ قبول نہ کرتے تھے۔ مجھے ان کے ساتھ لندن سے سوسو میل باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ بڑی خوشی سے بلکہ فخر سے لے کر جاتے اور باوجود میرے اصرار کے کبھی پٹرول کی قیمت نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا اور جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔

مولوی عبدالکریم صاحب واقف زندگی تھے۔ افریقہ میں لمبے عرصہ تک انہیں جماعت کی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ بعد میں ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے وقف سے فارغ ہو کر لندن میں بس گئے۔ یہاں اپنی محنت مزدوری کے علاوہ عملاً وہ مشن کے ہی ایک کارکن کی طرح رہتے تھے اور جب بھی خدمت کیلئے بلایا جاتا، مولوی صاحب فوراً لبیک کہتے تھے۔ ان کی موٹر بھی مشن کیلئے گویا وقف تھی۔ انہیں مختلف عہدوں پر جماعتی کاموں کی توفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

سید اقبال شاہ صاحب ایسٹ افریقہ سے نقل مکانی کر کے لندن میں آباد ہو گئے تھے۔ ایک فرشتہ سیرت انسان تھے۔ روزانہ بلا ناغہ مسجد تشریف لا کر مسجد کے فنانس کے کام بڑی خوش دلی سے کیا کرتے تھے۔ تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کے شاہ کار تھے۔ نہایت دعا گو اور منکسر المزاج انسان تھے۔ انہوں نے اپنی وفات تک بڑے خلوص کے ساتھ جماعت کی خدمت کی۔ فجزاء اللہ احسن الجزاء۔ ان کے دو فرزند محترم ڈاکٹر ولی احمد شاہ صاحب اور مکرم منصور احمد شاہ صاحب اپنے بزرگ والد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ مجھے ان کی روحانی ترقیات دیکھ کر نہ صرف خوشی محسوس ہوتی ہے بلکہ ان کے بزرگ والد کی یادیں میرے دل میں تازہ ہو جایا کرتی ہیں۔

ایسٹ افریقہ کے ایک اور بزرگ دوست چوہدری عبدالرحمٰن صاحب تھے جو A.R Chandhri کے نام سے مشہور تھے۔ آپ یوگینڈا میں پڑھاتے تھے۔ انگلستان آئے تو مشن کے قریب گھر خریدا۔ ایک سکول میں ملازمت اختیار کی اور دن رات جماعت کی خدمت میں لگ گئے۔ میں نے 1960ء میں ایک رسالہ مسلم ہیرالڈ کے نام سے جاری کیا اور چوہدری صاحب مرحوم کو اپنے ساتھ بطور جائنٹ ایڈیٹر مقرر کیا۔ پھر یہ جماعت کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے اور زندگی کے آخری دن تک گویا جماعت کیلئے وقف رہے۔ نہ دن دیکھا نہ رات بس خدمت ہی ان کا اوڑھنا، بچھونا تھی۔ مجھے اپنے سگے بھائیوں کی طرح عزیز تھے۔ ان کی بیگم محترمہ طاہرہ چوہدری صاحبہ جو لمبے عرصے تک ٹیچنگ کے پیشہ سے منسلک رہی ہیں، جماعت کے کاموں اور لجنہ اماء اللہ انگلستان کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ مولیٰ کریم ان دونوں کی خدمات قبول فرمائے۔ آمین۔

ایسٹ افریقہ کے ہی ایک بزرگ محترم محمد اکرم خان صاحب غوری تھے۔ آپ انگلستان تشریف لا کر مسجد کے قریب ہی بس گئے اور اپنی خدمات جماعت کیلئے وقف کر دیں۔ روزانہ صبح مشن ہاؤس تشریف لاتے اور سارا دن خدمت میں لگے رہتے۔ ہر کام نہایت بشاشت کے ساتھ انجام دیتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

بعض بزرگ اور مخلص فدائی کارکنان، جن کے ساتھ مل کر میں نے کام کیا وہ خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ میں ان کا ذکر یہاں نہیں کرتا۔ اللہ انہیں لمبی زندگی عطا فرمائے اور ان پر اپنے فضلوں کی بارش نازل کرے۔ ماریشس کے ایک دوست عبدالرحیم صاحب ہوا کرتے تھے۔ نہایت خاموش طبع لیکن بے حد خوش خلق، مہمان نواز اور خدمت گزار انسان

تھے۔ مشن کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ لمبا عرصہ غیر شادی شدہ رہے۔ اس لئے کھانا پکانے کا فن خوب جانتے تھے اور مسجد میں عیدوں اور دیگر دعوتوں کے مواقع پر اعلیٰ کھانا بنایا کرتے تھے۔

محترم بشیر احمد صاحب باجوہ مرحوم اور محترم داؤد احمد صاحب گلزار مرحوم بھی اس وقت کے نہایت مخلص دوستوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔ آمین۔

1959ء میں مشن دو مکانات پر مشتمل تھا۔ مشن 63 میلروز روڈ پر واقع تھا۔ اس میں بیسمنٹ کے علاوہ تین منزلیں تھیں۔ یعنی گراؤنڈ فلور اور دو منزلیں۔ بیسمنٹ میں کچن کے علاوہ دو بڑے کمرے تھے۔ یہ کچن جماعت کے کام آتا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر دو کمروں کی درمیانی دیوار کو گرا کر ایک بڑا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ درمیان میں sliding door تھا۔ میٹنگز وغیرہ کے دوران sliding door کھول دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دفاتر کے لئے دو کمرے مختص تھے۔ غسلخانہ تھا اور باہر کی طرف بالکنی تھی۔ اوپر کی منزلیں امام صاحب کی رہائش کیلئے مخصوص تھیں۔ 61 میلروز روڈ ایک وسیع و عریض بلڈنگ تھی۔ بیسمنٹ کے علاوہ گراؤنڈ فلور اور اوپر دو منزلیں تھیں۔

ابتداء میں جب مسجد کیلئے قطعہ زمین خریدا گیا تو اس میں 63 میلروز روڈ اور ایک ایکڑ پر مشتمل ایک قطعہ تھا۔ 61 میلروز روڈ کسی انگریز کی ملکیت تھا، جو مسجد بن جانے کے بعد جماعت کا بے حد مخالف ہو گیا اور اس نے اس بات پر، کہ مسجد میں اذان دینے سے اس کی privacy متاثر ہوتی تھی، عدالت میں دعویٰ کر دیا تھا۔ یہ مقدمہ جماعت کے حق میں ہوا۔ جنگ عظیم دوم کے دنوں میں جب مسجد کے اردگرد بھی بم گرنے لگے تو اس نے مکان کے

آگے برائے فرخت کا بورڈ لگا دیا لیکن یہ شرط لگا دی کہ اسٹیٹ ایجنٹ یہ مکان مسجد کے کسی فرد کو فروخت نہ کرے۔حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمس ان دنوں امام مسجد تھے۔انہوں نے ایک انگریز نومسلم کو اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس بھیجا۔اس نے مکان خریدنے کی آفر دے دی جو مکان مالک نے قبول کر لی اور مکان پہلے اس انگریز نومسلم کے نام اور پھر جماعت کے نام منتقل ہو گیا۔

اس مکان کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ 1955ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ انگلستان تشریف لائے تو اس کے گراؤنڈ فلور پر مقیم رہے۔میں جب انگلستان پہنچا تو اوپر کے فلیٹ کے سوا باقی تمام مکان کرایہ پر دے دیا گیا تھا۔خاکسار 1964ء تک اس کے اوپر کے فلیٹ میں رہائش پذیر رہا۔1964ء میں امام مسجد کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد میں 63میلروز روڈ میں منتقل ہو گیا۔

63میلروز روڈ کا مشن ہاؤس بہت تاریخی عمارت تھی۔اس میں 1967ء کے دورہ انگلستان کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے قیام فرمایا۔مسلم دنیا کے عظیم مشاہیر، سکالرز اور لیڈر یہاں تشریف لائے،جن میں پریزیڈنٹ ٹب مین آف لائبیریا،شاہ فیصل آف سعودی عرب،شاہ ادریس آف لیبیا،سر محمد اقبال (نامور شاعر)،سر فیروز خان نُون (جو بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بھی رہے)،قائداعظم محمد علی جناح ، سر ایف ایم سنگھاٹے پریذیڈنٹ گیمبیا وغیرہ شامل ہیں۔

یہ دونوں عمارات 1970ء میں نئی عمارت کی تعمیر کے بعد مسمار کر دی گئیں۔

1959ء میں خدام الاحمدیہ لندن کی تنظیم قائم تھی۔مکرم ملک خلیل الرحمٰن صاحب قائد خدام الاحمدیہ تھے۔نہایت فعال اور مخلص کارکن تھے۔1962ء میں خاکسار کو مرکز نے

مجالس خدام الاحمدیہ برطانیہ کا پہلا نائب صدر مقرر کیا۔ ان دنوں صدر مجلس خدام الاحمدیہ عالمگیر ربوہ میں ہوا کرتے تھے اور بیرونی ممالک میں نائبین کے بجائے قائدین ہوا کرتے تھے۔ ہر قائد کی منظوری ربوہ مرکز سے بھجوائی جاتی تھی۔ 1962ء میں یہ نظام بدل گیا اور ہر ملک کے مشنری انچارج کو نائب صدر خدام الاحمدیہ بنا دیا گیا۔ 1962ء میں چونکہ چوہدری رحمت خان صاحب امام تھے لیکن ان کی عمر اس وقت 65 سال تھی اس لئے میں باوجود نائب امام ہونے کے نائب صدر کے عہدہ کیلئے منتخب کرلیا گیا۔ فالحمد للہ۔

لجنہ اماء اللہ کی تنظیم بھی قائم تھی۔ اس کی صدر مسز ڈاکٹر نسیم تھیں۔ محترم ڈاکٹر نسیم صاحب مرحوم الہ آباد ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج تھے۔ 1959ء میں مجلس عاملہ انگلستان کے جنرل سیکرٹری تھے۔ مسز نسیم کے بعد کچھ عرصہ مسز اشرف صدر رہیں۔ اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک مسز ڈاکٹر عبدالسلام صدر لجنہ برطانیہ کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ ان کے دور صدارت میں لجنہ نے بہت ترقی کی۔ نئی مجالس برطانیہ کے طول و عرض میں قائم ہوئیں۔ سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا۔ خاکسار کے ساتھ بطور امام و مشنری انچارج ان کا تعاون مثالی رہا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا دے۔

مسجد فضل لندن میں ان دنوں ہیٹنگ کا انتظام بہت کمزور تھا۔ سردیوں میں چونکہ نمازی تھوڑے ہوتے تھے اور ہیٹنگ پر بہت خرچ آتا تھا۔ اس لئے ماہ نومبر کے آخر سے ایسٹر کی چھٹیوں تک مسجد عموماً مقفل رہتی تھی اور نمازیں مشن ہاؤس میں ادا کی جاتی تھیں۔

انگلستان میں اس زمانہ میں شدید سردی پڑتی تھی۔ دسمبر، جنوری، فروری اور بسا اوقات مئی میں بھی برفباری ہو جایا کرتی تھی۔ سردیوں کی سب سے بڑی مصیبت دھند ہوا کرتی تھی جو بعض اوقات تین چار دن تک رہتی تھی۔ اس شدید دھند میں اکثر visibility چند

فٹ تک رہ جایا کرتی تھی۔ یہ موسم دمہ کے مریضوں کیلئے بہت خطرناک ہوا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ 1960ء میں ایک مرتبہ میں قریبی بازار سے مشن ہاؤس واپس آ رہا تھا کہ اچانک گہری دھند چھا گئی اور visibility تقریباً زیرو ہوگئی۔ میں سخت پریشانی کا شکار ہوا۔ راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سردی کی شدت اس کے علاوہ تھی۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ میں فٹ پاتھ پر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور شدید گھبراہٹ کا شکار ہوا۔ دعائیں کیں کہ مولیٰ کریم کسی طرح گھر تک پہنچا دے۔ اس گھبراہٹ میں میرے قریب آہٹ ہوئی۔ میں نے مدد کی درخواست کی۔ ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور پوچھا کہاں تک جانا ہے۔ میں نے پتہ بتایا تو کہنے لگا میں نے بھی اسی سڑک پر جانا ہے، میرا ہاتھ پکڑ لو، مجھے راستے کا کچھ اندازہ ہے۔ چنانچہ میں نے اندھے کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنا شروع کیا اور کچھ دیر بعد گھر پہنچ گیا۔ میں نے اس انگریز کا دلی شکریہ ادا کیا۔ دروازہ پر گھنٹی بجائی۔ میری بیوی بھی میری وجہ سے سخت پریشان تھی۔ ہم دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ 1965ء میں لندن کو de smoke کر کے تمام کارخانوں کو لندن سے باہر لے جایا گیا جسکی وجہ سے دھند سے نجات ملی۔ کوئلہ جلنے کی وجہ سے لندن کی عمارات سیاہ رہتی تھیں۔ بعد میں ہاؤس آف پارلیمنٹ اور سینٹ پال کیتھیڈرل وغیرہ کو کئی ملین پونڈز کے خرچ سے صاف کیا گیا۔

ان دنوں عیدین کی تقریبات کے بعد تمام حاضرین کو مسجد کی طرف سے کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ چونکہ مشن تمام افراد کے کھانے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے احباب جماعت سے چندہ کی اپیل کی جاتی تھی۔ ساری ساری رات مشن ہاؤس کے basement میں کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ میں خود بھی رات بھر کارکنان کے ساتھ کھانا پکانے کی ڈیوٹی دیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں کثرت سے غیر از جماعت دوست بھی عیدین کے

مواقع پر ہماری مسجد میں تشریف لاتے تھے۔جن میں بالخصوص ترکی وسائیپرس کے مسلمان اور ہندوستان و پاکستان کے دوست شامل تھے۔ان مواقع پرارد گرد کے ہمسایوں اور دیگر معززین کو بھی عید کے کھانے کی دعوت دی جاتی تھی۔اس طرح عید کا سارا دن مسجد سے ملحقہ باغ میں گزرجایا کرتا تھا۔لوگ شام کو چائے کے بعد رخصت ہوتے تھے۔اسی قسم کی ایک عیدالاضحیہ کی تقریب میں 1931ء میں قائداعظم جناب محمد علی جناح صاحب بھی تشریف لائے تھے اور کھانے کے بعد انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی تھی۔

مشن میں 15 روزہ میٹنگز کا انعقاد ہوتا تھا۔ان میٹنگز میں غیر مسلم اور غیر از جماعت مشاہیر کو مدعو کیا جاتا تھا۔مختلف موضوعات پر تقاریر کرائی جاتی تھیں۔1960ء میں اسلامی فقہ کے عظیم سکالر، جو عیسائی تھے اور لندن یونی ورسٹی میں اسلامی فقہ کے استاد تھے ان کا نام Mr. Anderson تھا، مسجد تشریف لایا کرتے تھے۔موصوف نے ہماری بعض میٹنگز میں تقاریر بھی کیں۔انہوں نے اسلامی فقہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں ہیں۔اسی قسم کی میٹنگز میں گول میز کانفرنسوں کے ایام میں مشہور شاعر علامہ اقبال صاحب اور ہندوستان کے مشہور صحافی مولانا غلام رسول مہر صاحب بھی مسجد تشریف لاتے رہے۔

1960ء میں ان میٹنگز کے روح رواں عبدالعزیز دین صاحب اور حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ ہوا کرتے تھے۔حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اور ہندوستان کی ٹیم میں بطور باؤلر کے شامل تھے۔بعد میں آپؓ مستقلاً لندن مقیم ہوگئے۔آپؓ کو انگریزی زبان پر زبردست عبور حاصل تھا۔بہت عالم فاضل شخص تھے۔اتوار کو ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام واحمدیت پر تقاریر

کیا کرتے تھے۔میں بھی وہاں پہنچ جاتا اور تقریر کے دوران ارد گرد کے لوگوں کو حضرت میر صاحبؓ کی تقریر سننے کیلئے جمع کیا کرتا۔حضرت میر صاحبؓ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔تقریر اور محفل سوال و جواب کے بعد آپؓ ماربل آرچ میں واقع lyons cafe میں جا کر چائے پیا کرتے تھے۔مجھے بھی دعوت دیتے اور قادیان و سیالکوٹ کے قصے سناتے۔آپؓ سیالکوٹ کے امیر جماعت بھی رہ چکے تھے۔علم کا سمندر تھے۔میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور بہت فائدہ اٹھایا۔حضرت میر صاحبؓ کی وفات لندن میں واقع ہوئی اور بروک وڈ میں ان کی تدفین ہوئی۔غالبًا وہ انگلستان میں دفن ہونے والے واحد صحابی ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔آمین۔

حضرت میر عبد السلام صاحبؓ اکثر مشن ہاؤس میں منعقد ہونے والی میٹنگز کی صدارت کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتے تھے۔

اس وقت کے امام صاحب مکرم مولود احمد خان صاحب دہلی کے رہنے والے تھے۔دہلی سے گریجوایشن کی تھی اور انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔علمی شخصیت تھے اور بہت اچھے مقرر تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔میں ان کا نائب تھا اور مشن کی مجلس عاملہ میں جنرل سیکرٹری تھا۔میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ان کا سلوک مجھ سے مشفقانہ رہا۔آپ 1962ء میں واپس تشریف لے گئے۔آپ کی جگہ مکرم چوہدری رحمت خان صاحب امام مقرر ہوئے۔آپ معمر تھے اور میں آپ کا نائب تھا۔ان کی نسبت بہت چھوٹی عمر کا تھا۔لیکن آپ کی شفقت اور حسن سلوک نے مجھے کبھی عمروں کے اس فرق کا احساس نہ ہونے دیا اور ہم دونوں میں بے حد ہم آہنگی رہی۔آپ 1964ء کے ابتداء میں بیمار پڑ گئے اور خود واپسی کی درخواست کی جو منظور ہوگئی۔آپ کی جگہ خاکسار نے

لے لی اور اس طرح اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے امام و مشنری انچارج کے عہدہ پر فائز ہونے کا شرف بخشا۔ فالحمد للہ۔

لندن پہنچنے کے چند دن بعد جناب بلال نٹل صاحب میری ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ آپ انگریز نومسلم تھے۔ نہایت خوش طبع، مخلص اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عاشق تھے۔ 1926ء میں جب مسجد فضل لندن کا افتتاح ہوا تو انگریزوں کی طرف سے آپ نے اور جماعت احمدیہ عالمگیر کی طرف سے حضرت ملک غلام فرید صاحب نے پہلی اذانیں دی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسی نسبت سے آپکا اسلامی نام بلال رکھا۔ 1965ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وصال ہوا تو بلال نٹل صاحب مرحوم کا صدمہ سے برا حال ہو گیا۔ ابھی خلافت ثالثہ کے انتخاب کی خبر نہیں آئی تھی۔ ہم سب شدت سے اس خبر کے منتظر تھے کہ بلال نسٹل صاحب مرحوم میرے پاس تشریف لائے اور جیب سے ایک تصویر نکالی۔ یہ تصویر مجھے دیتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تصویر میں نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی اس زمانہ میں اتاری تھی جب وہ آکسفورڈ میں پڑھا کرتے تھے، اور مجھے یقین ہے کہ اب یہ جماعت کے خلیفہ ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ آپکو کیسے یقین ہے تو کہنے لگے کہ میں نے ان دنوں آپؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے جب آپؒ آکسفورڈ سے لندن تشریف لا کر مشن ہاؤس میں مقیم ہوتے تھے تو میں بھی مشن کے بیسمنٹ میں رہائش پذیر ہو جایا کرتا تھا اور ہمارا اکثر وقت اکٹھے گزرتا تھا۔ اس جوانی کے عالم میں بھی میں نے آپؒ کو بے حد متقی، منکسر المزاج اور نیک نوجوان پایا تھا اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ اگلے خلیفہ ہوں گے۔ اگلے دن مسٹر نٹل میرے ساتھ دفتر میں بیٹھے تھے کہ مکرم کپتان محمد حسین صاحب چیمہ مرکز سے آمدہ تار لے کر دفتر میں داخل ہوئے۔ تار کھولی تو خبر یہ تھی کہ حضرت مرزا ناصر احمد

صاحبؒ خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں۔میں نے تار مسٹر ٹل کی طرف بڑھا دی۔ٹل بے اختیار رونے لگ پڑے۔میں نے کہا یہ تو خوشی کی خبر ہے۔کہنے لگے بلاشبہ یہ خوشی کی خبر ہے، مجھے تو ان کے محترم والد صاحبؓ کی یاد آ گئی جو میرے محسن تھے اور مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے۔

ٹل صاحب سے اس کے بعد لمبا تعلق رہا۔اکثر کئی کئی دن تک مشن ہاؤس آ کر ہمارے مہمان ہوتے تھے۔مسجد و مشن ہاؤس کی صفائی کرنے میں انہیں خاص لطف آتا تھا۔دیسی کھانے بھی پکانا جانتے تھے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

انہیں دنوں ایک اور نومسلم مسٹر سمر سے بھی میری ملاقات ہوئی جو بعد میں گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔آپ اسلام اور احمدیت کے شیدائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق صادق تھے۔کہا کرتے تھے کہ میرے سرہانے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' ہر وقت موجود رہتی ہے اور کوئی رات ایسی نہیں آتی کہ میں اس کے چند صفحات پڑھ کر نہ سوؤں۔ماہوار چندہ کی ادائیگی میں نہ صرف باقاعدہ تھے بلکہ سب سے زیادہ چندہ انہی کا ہوا کرتا تھا۔طبعاً خاموش انسان تھے۔لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے اور مسجد میں لمبے عرصہ تک خاموش بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین۔

اس زمانے کا انگلستان آج کے انگلستان سے بالکل مختلف تھا۔اس زمانہ میں اگرچہ سہولیات جیسے فرج ،فریزر اور کاروں کی ریل پیل وغیرہ تو نہیں تھی لیکن لوگوں میں اعلیٰ اخلاق اور دیانت آج سے کہیں زیادہ تھے۔راہ چلتے انگریز ایک دوسرے کو good morning یا good evening کہنے کے عادی تھے۔ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ آج سے

کہیں زیادہ تھا۔ دیانت کا یہ عالم تھا کہ میں جب انگلستان پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ صبح سویرے منہ اندھیرے دودھ والا آ کر گھروں کے باہر دودھ دے جاتا ہے اس لئے تمہیں جتنی بوتلوں کی ضرورت ہو آرڈر کر دو۔ وہ ہفتے کے ہفتے پیسے لے جایا کرے گا۔ میں نے دودھ کی بوتلیں آرڈر کر دیں اور پھر مہینوں دودھ والے کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہر جمعہ والے دن دودھ کی بوتلوں کے نیچے اپنا بل رکھ جاتا تھا۔ میں ہفتہ کی صبح بوتلوں کے نیچے نقد رقم یا چیک رکھ دیتا تھا اور کام چلتا رہتا تھا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ صبح سویرے دودھ کی بوتل اگر فوراً گھر کے اندر لے کر نہ جائیں تو سکولوں کے طلباء یا اور لوگ بوتل اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ چیک یا نقد رقم تو باہر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ان دنوں سودا سلف کی free home delivery کا عام رواج تھا۔ میں بھی مشن کے قریب ایک گروسری کی دوکان میں فون پر آرڈر لکھوا دیا کرتا تھا اور شام کو دوکان دار گھر پر سودا سلف دے جاتا اور رقم لے جایا کرتا تھا۔ اب یا تو delivery کرتے ہی نہیں یا پھر پیسے ادا کر کے delivery کرانی پڑتی ہے۔

بہر کیف ان دنوں کے انگلستان میں دیانت، امانت، خوش اخلاقی و باہمی ہمدردی کا تصور بہت اونچا تھا۔ بینک منیجروں اور G.P سے ذاتی دوستانہ تعلقات کا عام رواج تھا۔ بینکوں میں عام طور پر چیک بغیر تصدیق کے کیش ہو جایا کرتے تھے۔ بینکوں کا عملہ اپنے گاہکوں کو فرداً فرداً جانتا تھا اور باہمی اعتبار بہت زیادہ تھا۔

1959ء میں انگلستان کی مجلس عاملہ کے ممبران مندرجہ ذیل تھے:

محترم ڈاکٹر محمد نسیم صاحب بار ایٹ لاء جج ہائی کورٹ الہ آباد.......جنرل سیکرٹری

محترم عبدالعزیز دین صاحب......ویلفیئر سیکرٹری

محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب...... ممبر

محترم شمس الرحمٰن صاحب بنگالی بار ایٹ لاء...... ممبر

محترم پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب...... ممبر

میرے انگلستان پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد علاوہ نائب امام ہونے کے مجھے سیکرٹری مجلس عاملہ بھی مقرر کر دیا گیا، نیز فنانس سیکرٹری کے فرائض بھی میرے سپرد کر دئے گئے، نیز خدام الاحمدیہ کی نائب صدارت کے فرائض بھی مجھے ہی سرانجام دینے ہوتے تھے۔

ایک فنانس کمیٹی بھی موجود تھی۔ امام صاحب مسجد اس کے صدر اور عبدالعزیز دین صاحب، محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور محترم پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب اس کے ممبران تھے۔ خاکسار کے آنے کے بعد خاکسار کو اسکا سیکرٹری مقرر کر دیا گیا۔

مشن ہاؤس کا ماہوار چندہ ان دنوں 20 سے 25 پونڈز ہو جایا کرتا تھا۔ اس میں سے مشن ہاؤس کا بجٹ پورا نہیں ہوسکتا تھا اس لئے جو کمی رہ جاتی تھی وہ مرکز کے حکم پر ایسٹ افریقہ سے پوری کی جاتی تھی اور اس طرح کام چلتا رہتا تھا۔ 61 میلروز روڈ کے تین فلیٹ کرایہ پر تھے۔ اس سے بھی 15 پونڈز ہفتہ کے کرایہ وصول ہو جایا کرتے تھے اور اس طرح مجموعی آمدنی ماہوار 80 پونڈز کے قریب ہو جایا کرتی تھی۔

مسجد سے ملحقہ باغ کی کٹائی اور صفائی اور پھلدار درختوں کی نگہداشت ایک مشکل کام تھا۔ گارڈنر رکھنے کی توفیق نہ تھی۔ اس لئے یہ کام عموماً وقارِ عمل کے ذریعہ کروایا جاتا تھا۔ اکثر تو امام صاحب مکرم مولود احمد خان صاحب اور خاکسار ہفتہ میں ایک دو روز لگا کر سارا سارا دن یہ صفائی اور کٹائی کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ لمبے عرصہ تک جاری رہا۔

مشن کے کاموں میں تعاون کے سلسلہ میں ایک نہایت مخلص دوست مکرم خواجہ

رشید الدین صاحب قمر تھے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اب بھی بڑی تندہی سے خدمت دین میں مگن رہتے ہیں۔ مجھے ان کی سب سے بڑی خوبی یہ پسند آئی کہ اطاعت کے اعلیٰ ترین نمونہ پر فائز ہیں اور نام ونمود وذاتی شہرت سے قطعاً بیزار۔

مولانا محمد یعقوب خان سے ملاقات

1959ء میں جب میں لندن پہنچا تو اُن دنوں ووکنگ مسجد کے امام جناب مولانا محمد یعقوب خان صاحب تھے۔ مولانا صاحب میرے گاؤں سے چند میل کے فاصلہ پر واقع پیر پیائی (*Pirpiaiee*) کے رہنے والے تھے اور میرے والد صاحب سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ آپ ابتداء میں لاہور میں مسلم ماڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ بعد میں آپ سول اینڈ ملٹری گزٹ اخبار کے ایڈیٹر رہے اور انجمن اشاعت اسلام کے رسالہ ***The Light*** کے بھی سالہا سال ایڈیٹر رہے۔

پاکستان سے چلتے وقت میرے والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ انگلستان جا کر مولانا صاحب سے ضرور ملنا۔ وہ ایک نیک اور شریف انسان ہیں اور پختون روایات کے مطابق بہت مہمان نواز شخصیت ہیں۔ لندن پہنچنے کے چند ماہ بعد ایک دن مجھے اپنے محترم خالو حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر صوبہ سرحد کا خط ملا۔ جس میں مجھے ہدایت کی تھی کہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب سے ملوں اور حضرت قاضی صاحب کا خط انہیں پہنچاؤں۔ ساتھ ہی حضرت قاضی صاحب نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ میں پہلے اسے پڑھ لوں اور پھر جا کر مولانا صاحب کو دوں۔

حضرت قاضی صاحب نے جو خط مولانا محمد یعقوب خان صاحب کو لکھا تھا اس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔حضرت قاضی صاحب نے مولانا صاحب کو لکھا تھا کہ جب مولانا یعقوب خان صاحب اسلامیہ کالج پشاور کے طالب علم تھے تو حضرت قاضی صاحب باقاعدگی سے کالج کے طلباء کو تبلیغ کرنے کیلئے اس کالج میں جایا کرتے تھے ان کے زیر تبلیغ طلباء میں مولانا صاحب بھی تھے۔حضرت قاضی صاحب نے مولانا صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض کتب پڑھنے کو کہا اور ہر ہفتہ کالج جا کر مولانا صاحب کے سوالات کے جوابات بھی دیا کرتے تھے۔یہ سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔بالآخر مولانا صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی بیعت کر لی۔حضرت قاضی صاحب نے مولانا صاحب کو یہ بھی لکھا کہ جب میں آپ کو تبلیغ کیا کرتا تھا تو میں نے کبھی بھی آپ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعارف محض ایک مجدد کے نہیں کیا تھا بلکہ ہمیشہ انہیں ایک نبی کے طور پر پیش کرتا رہا اور جب مولانا محمد یعقوب صاحب نے بیعت کی تو بھی یہی سمجھ کر کی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقام نبوت پر فائز ہیں۔حضرت قاضی صاحب نے مولانا صاحب کو مزید لکھا کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ جب میں نے اپنا ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں بیعت کیلئے دیا تھا تو مجھے پختہ یقین تھا کہ میں اس زمانہ کے نبی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ رہا ہوں۔حضرت قاضی صاحب نے مولانا صاحب کو لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک لمبے عرصہ تک نبی ماننے کے بعد آپ کیوں کر مولوی محمد علی صاحب کی باتوں میں آ گئے اور راہ راست سے بھٹک گئے؟

مجھے جب یہ خط ملا تو میں نے مولانا صاحب کو فون کیا اپنا تعارف کرایا اور حضرت قاضی صاحب کے خط کا ذکر کیا، نیز اپنے والد صاحب کا سلام بھی دیا۔مولانا میرے فون

کرنے سے بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب کا خط تو آپ مجھے پوسٹ بھی کر سکتے ہیں لیکن میری خواہش ہے کہ میں آپ سے ملاقات کروں۔ چنانچہ مولانا صاحب نے فون پر ہی مجھے اتوار کے دن لنچ کی دعوت دی۔ میں اتوار کے روز ووکنگ مسجد ومشن ہاؤس میں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا صاحب بہت تپاک سے ملے۔ میں نے جونہی مولانا صاحب کا چہرہ دیکھا میں حیران ہوا کہ یہ چہرہ تو ایک متقی انسان کا ہی ہوسکتا ہے۔ خوبصورت قد وقامت، سفید داڑھی، سر پر بڑی قراقلی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ پہلے تو حضرت قاضی صاحب اور میرے والد صاحب کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر پرتکلف کھانے کی میز پر مولانا محمد طفیل صاحب بھی آ کر شامل ہو گئے جو بعد میں لمبے عرصہ تک ووکنگ مسجد کے امام رہے۔ اُن دنوں طفیل صاحب برلن مسجد کے امام تھے۔ گفتگو بہت دلچسپ اور علمی تھی۔ دورانِ گفتگو مولانا محمد طفیل صاحب نے کہا کہ آپ لوگوں نے خواہ مخواہ مرزا محمود احمد کو مصلح موعود بنادیا ہے۔ آخر ان کے مصلح موعود ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ اس حدیث کو تو مانتے ہوں گے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خواب میں شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا اور امید ہے یہ بھی مانتے ہوں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صورت میں بھی خواب میں شیطان متمثل نہیں ہوسکتا۔ مولانا محمد طفیل نے کہا میں اس حدیث کو درست تسلیم کرتا ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ اب سنئے۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت میرزا محمود احمد صاحبؓ کو مصلح موعودؓ قرار دینے کے سلسلہ میں نہایت واضح اور شفاف خواب دیکھی ہے۔ وہ خواب یہ ہے:

''میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے میدان میں ہزاروں لوگ جمع

ہیں۔درمیان میں ایک چبوترا ہے۔اس پر بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی انہی لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔ چبوترے کے عین وسط میں ایک کرسی پر حضرت مرزامحمود احمد صاحبؓ تشریف فرما ہیں۔مجمع بالکل خاموش ہے۔اتنے میں بڑے زور سے آواز آتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے چبوترے میں داخل ہونے کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔آپؑ کے ہاتھ میں عصا ہے اورآپؑ نے ایک لمبا جبہ پہن رکھا ہے۔تھوڑی دیر میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام چبوترے پراس کرسی کے پاس آ گئے جس پرحضرت مرزامحمود احمد صاحبؓ تشریف فرما تھےاورآپؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ تقریر شروع فرمائی۔آپؑ نے فرمایا میرے اس بیٹے محمود احمد کے بارے میں بعض لوگ غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ میں آج اس بات کوواضح کرتا ہوں کہ اس کا روحانی دنیا میں کیا مقام ہے؟ یہ کہہ کرحضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیشگوئی مصلح موعوداونچی آواز میں دہرانی شروع کی اور پیشگوئی میں ہرصفت کو بیان کرکے ہاتھ کےاشارے سےفرماتے تھے کہ یہ صفت بھی میرےاس بیٹے میں موجود ہے۔اسطرح آپ نے پوری پیشگوئی پڑھ دی اور بار بار ہاتھ کے اشارے سے پیشگوئی کوحضرت مرزامحمود احمد صاحبؓ پر منطبق فرمایا۔آخر میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے بڑے جلال سے فرمایا۔یادرکھومحمود ایک مضبوط چٹان ہے۔جواس سےٹکرائے گا وہ بھی پاش پاش ہوجائے گااور جس سے یہ ٹکرائے گا وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت مسیح موعودعلیہ السلام تشریف لے گئے۔‘‘

خواب سنانے کے بعد میں نے مولانا محمد طفیل صاحب سے پوچھا کہ وہ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں۔مولانا کہنے لگے کہ تمہارے لئے یہ اتمام حجت ہے میرے لئے نہیں۔خواب تم نے دیکھی ہے میں نے نہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب اس دوران خاموشی سے ہماری گفتگو سنتے رہے۔کھانے سے فارغ ہوکر اور مسجد شاہ جہاں میں دو نفل نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے مولانا صاحب سے رخصت چاہی اور حضرت قاضی صاحب کے خط کے جواب کے بارہ میں دریافت کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ وہ مجھے بذریعہ پوسٹ حضرت قاضی صاحب کے خط کا جواب بھجوادیں گے تاکہ میں اسے حضرت قاضی صاحب کو بھجواسکوں۔

چند دن بعد مجھے مولانا محمد یعقوب صاحب کا خط ملا۔جس میں حضرت قاضی صاحب کے نام پشتو زبان میں کھلا خط تھا۔ میں نے خط پڑھا۔مولانا محمد یعقوب صاحب نے حضرت قاضی صاحب کو لکھا تھا کہ:

آپ نے جو لکھا ہے وہ حرف بحرف درست ہے لیکن جس کشتی میں میں سوار ہوں وہ بہت دور نکل چکی ہے۔میرے لئے دعا کریں۔

میں نے یہ خط حضرت قاضی صاحب کو بھجوادیا۔

بعد میں حضرت مولانا صاحب سے میری بہت ملاقاتیں ہوئیں اور ہر ملاقات میں ان کو حضرت مصلح موعود کی تعریف میں رطب اللسان پایا۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ شخص اہل پیغام میں سے ہونے کے باوجود حضرت مصلح موعود کیلئے اپنے دل میں اسقدر احترام رکھتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد مولانا صاحب واپس پاکستان تشریف لے جانے سے قبل مجھے اور میری

اہلیہ سلیمہ بیگم کو ملنے لندن مسجد فضل میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آج میں نے ارادہ کیا ہے کہ سارا دن تمہارے ساتھ گذاروں۔ دن بھر خاکسار ان کی دلچسپ اور علمی گفتگو سے محظوظ ہوتا رہا۔

پاکستان تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو انہوں نے خط میں لکھا کہ میں بیعت کرنی چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب نے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کو بطور خاص مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیعت فارم پر کرانے کیلئے لاہور بھیجا۔ مولانا صاحب نے بیعت فارم پر کر کے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے فرمایا کہ میری اس بیعت کی بطور خاص لندن میں بشیر احمد رفیق کو اطلاع کریں۔ میری اس بیعت میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے مجھے مبارک باد کا خط لکھا۔

اسی سال میں جلسہ سالانہ پر ربوہ حاضر ہوا تو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجھے طلب فرمایا۔ بہت تپاک سے ملے، ڈھیر ساری دعائیں دیں اور پھر ووکنگ مسجد کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مسجد تو اب اہل پیغام کے ہاتھوں سے نکل کر غیر احمدی مسلمانوں کے قبضہ میں جا چکی ہے۔ فرمانے لگے اچھا ہی ہوا۔ جس مسجد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر بیعت نہ لی جاسکتی ہو ایسی مسجد کو ان کی جماعت سے کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب کو غریق رحمت کرے۔ بہت عالم فاضل اور متقی انسان تھے۔ دلکش شکل کے مالک اس شخص کا عمل بھی انتہائی خوبصورت تھا۔

رسالہ مسلم ہیرالڈ کا اجراء

1960ء میں خاکسار نے انگلستان سے ایک ماہوار رسالہ نکالنے کا ارادہ کیا اور مرکز سے اجازت طلب کی۔مکرم مولود احمد خان صاحب امام مسجد نے فرمایا کہ رسالہ نکالنا آسان کام نہیں اور مشن سے تمہیں زیادہ امداد بھی نہ مل سکے گی،لیکن خاکسار نے دعاؤں اور بعض دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد مرکز میں اجازت کی درخواست دی۔مرکز نے پہلے تو انکار کر دیا اور لکھا کہ اوّل تو ہماری توفیق نہیں ہے کہ رسالہ جاری کر سکیں اور دوم یہ کہ عموماً مبلغین رسالے تو شوق سے نکال لیتے ہیں پھر اسے چلا نہیں سکتے اور رسالے بند ہو جانے سے بدنامی ہوتی ہے۔

خاکسار نے اصرار کیا اور ذمہ داری لی کہ اگر مرکز اجازت دے تو خاکسار اپنے ذرائع سے رسالہ کے اخراجات پورے کرے گا اور مرکز یا لندن مشن سے کسی مالی امداد کا مطالبہ نہیں کرے گا۔اس پر مرکز نے مندرجہ ذیل شرائط پر رسالہ جاری کرنے کی اجازت دی:

.1 رسالہ کلیۃً تم اپنے خرچ پر نکالو گے۔مرکز یا مشن ہرگز کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔

2. رسالہ پر مشن ہاؤس کے پتہ کے بجائے کوئی اور پتہ لکھا جائے تا یہ مشن سے براہ راست منسوب نہ ہو۔

خاکسار نے دونوں شرائط کو قبول کر لیا اور ابتدائی سالوں میں رسالہ پر بجائے 63 میلروز روڈ کے 61 میلروز روڈ لکھنا شروع کیا۔

جنوری 1960ء میں خاکسار نے اس کا پہلا شمارہ صرف 10 صفحات پر مشتمل شائع کر

دیا۔اس شمارہ میں حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور مکرم بشارت احمد صاحب بشیر کے پیغامات شائع ہوئے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد نسیم صاحب کا ایک مضمون بعنوان Some Misconceptions About Islam in the West شائع ہوا۔یہ شمارہ 500 کی تعداد میں شائع ہوا اور مفت تقسیم کیا گیا۔رسالہ کیلئے بڑی تگ ودو سے P.I.A کا اشتہار مل گیا تھا۔کچھ رقم اس اشتہار سے وصول ہوئی اور بقیہ خرچ خاکسار، مکرم عبدالعزیز دین صاحب اور مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی جیب سے ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی شمارہ میں مقبولیت رکھ دی۔بالخصوص حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔

دوسرے شمارہ کیلئے بہت تگ ودو کے بعد چند مزید اشتہارات حاصل کر لئے گئے اور ٹائیٹل صفحہ کے علاوہ 32 صفحات پر مشتمل فروری کا شمارہ شائع ہو گیا۔یہ رسالہ آرٹ پیپر پر چھپا اور اس میں مندرجہ ذیل مضامین شائع ہوئے:

1. Need for Effective Balance Between Religion, Philosophy and Science.

2. The Powers and Duties of Islamic State by Hazrat Khalifatul Massih II

3. Islam or Communism by Hazrat Mirza Bashir Ahmad M.A

4. The Holy Month of Ramadhan by Maulana A.R Dard M.A

یہ رسالہ شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔زیادہ demand کے مدنظر یہ زیادہ تعداد میں چھپوانا پڑا۔غیر احمدی حلقوں میں بھی اسے بے حد پسند کیا گیا۔

خاکسار اس کا بانی بھی تھا، ایڈیٹر بھی تھا اور فنانسر بھی تھا۔مسلم ریسٹورنٹ والوں سے

اشتہار حاصل کرنے کی غرض سے ریسٹورنٹ بند ہونے پر اکثر رات کے ایک یا دو بجے تک مالکان سے اشتہار لینے کی کوشش کرتا۔اس کام میں مولوی عبد الرحمٰن صاحب مرحوم نے میرے ساتھ زبردست تعاون کیا۔وہ خود ایک ریسٹورنٹ کے مالک تھے اس لئے وہ میرے ساتھ جاتے اور اشتہار کے حصول میں میری مدد کرتے۔اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا دے۔آمین۔

رسالہ خدا کے فضل سے مالی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔اس کیلئے اعلیٰ پایہ کے مضامین ملنے لگے اور اس کی مقبولیت ہر طرف پھیل گئی۔خریداری بھی بڑھ گئی اور دنیا بھر میں اس کی تقسیم شروع ہوئی۔اس طرح یہ بیج ایک درخت کی صورت اختیار کر گیا۔فالحمد للہ۔

اگست 1962ء میں ایسٹ افریقہ کے مکرم اے آر چوہدری صاحب کو میں نے اپنے ساتھ،بطور جائنٹ ایڈیٹر،سٹاف میں شامل کر لیا۔ان کے آنے سے رسالہ میں مضامین کا معیار بہت بلند ہوگیا۔اس دوران میں نے رسالہ کے خاص نمبر شائع کئے۔مثلاً:

European Missions Number, Christanity Number, Hazrat Abdul Lateef Number etc.

اپریل 1961ء کے شمارہ میں میں نے ایک غیر از جماعت صحافی کا مضمون جس کا عنوان تھا:

"What the War in Algeria is Costing France" by Qureshi?

شائع کیا۔ یہ مضمون فرانس کے خلاف الجیرین کی آزادی والوں کو بہت پسند آیا۔چنانچہ انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور کہا کہ اگر میں اس شمارہ کی پانچ صد کاپیاں مزید شائع کر کے ان کو دے دوں تو وہ نہ صرف اس کی قیمت مجھے فوری ادا کر دیں گے بلکہ یہ بھی

کوشش کریں گے کہ فرانس میں بسنے والی الجیرین کمیونٹی میں اس کے خریدار مہیا کریں گے۔ چنانچہ ان کیلئے اس شمارہ کو دوبارہ شائع کرنا پڑا۔ ہمیں اس کے ذریعہ سے مزید خریدار بھی ملے اور الجیرین کمیونٹی میں تبلیغ کا راستہ کھل گیا۔

کچھ دن بعد مجھے ایک دن امریکن ایمبیسی کے پریس انچارج کا خط ملا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ان کی میز پر رسالہ کے چند شمارہ پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے تو رسالہ کی طباعت اور مضامین کے انتخاب پر خوشنودی کا اظہار کیا پھر دریافت کیا کہ رسالہ کتنا شائع ہوتا ہے۔ میں نے بتایا کہ رسالہ تو صرف ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا ہے مگر اس کی ریڈر شپ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ رسالہ کو کم از کم پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کیا جائے۔ پھر پوچھا تمہاری تنخواہ بطور ایڈیٹر کیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں جماعت احمدیہ کا مبلغ ہوں اور یہ کام محض اللہ کی رضا کی خاطر کرتا ہوں اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ مفت کام کا کیا فائدہ! تمہیں اس کی تنخواہ ملنی چاہئے۔ مجھے ان کی گفتگو سے کچھ جھنجلاہٹ ہورہی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ میری تجویز یہ ہے کہ تم رسالہ پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کرو۔ ہم تمہیں معقول تنخواہ بھی دیں گے اور تم بطور مبلغ اپنا کام بھی جاری رکھ سکو گے۔ اس کے معاوضہ میں ہم چاہیں گے کہ وقتاً فوقتاً تم ہماری طرف سے کمیونزم کے خلاف مواد اپنے رسالہ میں شائع کیا کرو اور اس کے علاوہ جو مضامین یا خبریں ہم تمہیں دیں گے انہیں بلا کم وکاست شائع کردیا کرو۔

میں ان کی یہ بات سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور انہیں کہا کہ میں جماعت احمدیہ کا مبلغ ہوں۔

یہ رسالہ محض احمدیت اور اسلام کی اشاعت کیلئے شائع کیا جاتا ہے۔ ہم بھی اصولاً کمیونزم کے شدید مخالف ہیں اور اس رسالہ میں اس موضوع پر مضامین شائع بھی ہوتے رہتے ہیں۔لیکن مجھے امریکن حکومت کی نوکری منظور نہیں اور نہ ہی میں اس رسالہ کو امریکن ایمبیسی کے تابع ہوکر چلا سکتا ہوں۔اس پر یہ ملاقات ختم ہوگئی۔

رسالہ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے خدمت اسلام و احمدیت کی بہت توفیق ملی۔اس کے ذریعہ سے پولینڈ کے امام زوک صاحب احمدیت میں داخل ہوئے۔1974ء کے پُرآشوب دور میں اس رسالہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ دشمنوں کے حملہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ جماعت پر پاکستان میں ہونے والے مظالم کو تصاویر کے ساتھ شائع کیا گیا اور بعد میں رسالہ میں شائع ہونے والے مواد پر ایک کتاب تیار کی جس کا نام From the World Press ہے۔ یہ کتاب بعد میں جرمنی میں احمدی پناہ گزینوں کو ان کے کیسز کا فیصلہ ہونے میں بہت کام آئی۔ فالحمدللہ۔

کچھ عرصہ بعد برادرم منصور احمد شاہ صاحب بھی خاکسار کے ساتھ اس رسالہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔آپ کے مضامین بہت پسند کئے گئے اور رسالہ نے ان کے تعاون سے ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کیں۔اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے۔مکرم منصور احمد شاہ صاحب کا مجھ پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے میرے متعدد مضامین کا اردو سے انگریزی ترجمہ کیا۔ میری کتابوں پر نظر ثانی کا کام کیا اور ہر لحاظ سے بہتر معاونت کا ثبوت دیا۔

یہ رسالہ 1984ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔شروع کے دو اڑھائی سال اس کے اخراجات کی مکمل ذمہ داری مجھ پر تھی۔ بعد میں انگلستان مشن نے اس کی مالی امداد شروع

کر کے مجھے اس بوجھ سے آزاد کر دیا۔

1975ء میں یونیورسٹی مائیکروفلم لمیٹڈ آف انگلینڈ نے رسالہ کے تمام سابق شماروں کو اور آئندہ بھی رسالہ کو microfilm پر محفوظ کرنے کا انتظام کیا۔ چنانچہ اخبار احمدیہ میں یہ خبر شائع ہوئی۔

اخبار احمدیہ کا اجراء

1962ء میں ایک خط میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مجھے لکھا کہ انگلستان کے احمدیوں کی تربیت کیلئے اور باہمی مضبوط رابطہ قائم رکھنے کیلئے یہ مناسب ہوگا کہ مشن ہاؤس کی طرف سے ایک اخبار شائع ہو۔ بیشک یہ چند صفحات پر ہی مشتمل ہو۔ چنانچہ خاکسار نے انکے ارشاد کی تعمیل میں اخبار احمدیہ کے نام سے پندرہ روزہ اخبار شائع کر دیا۔ اس کا ایک حصہ انگریزی میں ہوتا تھا۔ اردو حصہ کی کتابت میں خود کرتا تھا۔ پھر سائیکلوسٹائیل مشین کے ذریعہ سے اسے چھاپ کر احباب کو مفت روانہ کیا جاتا تھا۔ اس میں جماعتی خبروں کے علاوہ مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دئے جاتے تھے۔ تربیتی مضامین بھی اس میں شامل کئے جاتے تھے۔ شروع میں جب سائیکلوسٹائیل مشین ہاتھ سے چلائی جاتی تھی تو یہ خاصا مشکل کام ہوتا تھا۔ لیکن کچھ سالوں کے بعد بجلی کی مشین خرید لی گئی۔ طباعت اور کتابت کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا۔ کتابت کے سلسلہ میں مکرم ملک خلیل صاحب، مکرم لطیف جان صاحب اور پرنٹنگ کے سلسلہ میں مکرم محمد الیاس ناصر صاحب وغیرہ نے بڑی مدد کی اور یہ اخبار خدا تعالیٰ کے فضل سے دن بدن ترقی کرتا رہا۔ آج بھی یہ اخبار جاری ہے۔ الحمدللہ۔

خاکسار اس اخبار کا بانی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خاکسار کو ایک لمبے عرصہ تک اس اخبار کا

ایڈیٹر ہونے کا بھی شرف عطا فرمایا اور باقاعدگی سے اس کیلئے مضامین بھی لکھتے رہنے کی توفیق ملی۔فالحمدللہ۔

تاریخ احمدیت میں لندن کا ہائیڈ پارک کارنر

ملکہ انگلستان کے محل کے عین بالمقابل شہر لندن کے مرکز میں واقع ہائیڈ پارک وسیع و عریض خوش رنگ پھولوں اور دیو قامت درختوں پر مشتمل ایک خوبصورت پارک ہے۔اس پارک کے ایک طرف لندن کے مشہور ہوٹلوں کی قطار ہے تو دوسری طرف لندن کی مرکزی شاپنگ سینٹر آکسفورڈ سٹریٹ ہے۔باغ کے عین وسط میں ایک خوبصورت جھیل serpentine کے نام سے موجود ہے جو 141 ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔یہ گرمیوں میں تفریح اور پکنک کیلئے آئے ہوئے لوگوں کیلئے کشتی رانی کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہے تو سردیوں میں جم جانے کے باعث سکیٹنگ کے کام بھی آتی ہے۔جھیل کے دونوں بالمقابل کناروں پر خوبصورت ریسٹورنٹ ہیں جہاں سیاح اپنی پسند کی اشیاءخوردنی حاصل کر کے باغ میں اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ہائیڈ پارک میں صبح سویرے رئیسان شہر گھوڑ سواری کیلئے بھی نکلتے ہیں۔گھوڑوں کی دوڑ کیلئے باغ کے گرد خاص روشیں بنائی گئیں ہیں۔اکثر شاہی خاندان کے افراد بھی منہ اندھیرے گھوڑ سواری کا شغل کرتے نظر آتے ہیں۔دن بھر پارک میں سیاحوں ،طلباء اور ارد گرد کی شاپنگ سے تھکے ماندے خریداروں کا ایک ہجوم رہتا ہے۔کہیں درخت کے پرسکون سایہ میں پناہ لئے کئی طالب علم اپنے مطالعہ میں محو دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہے ہیں تو کہیں پورے کا پورا خاندان پکنک کا موڈ لئے کھیل کود میں مگن نظر آتا ہے۔کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں۔ہر کوئی اپنے حال میں مست ہے۔ایسے بھی کئی نظر

آتے ہیں جو دھوپ (انگلستان میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے) سے لطف اندوز ہونے کیلئے ،اردگرد کے شور وشغب سے یکسر بے نیاز سرسبز گھاس پر خراٹے لیتے ہوئے لمبی تانے سوتے ہیں۔ہائیڈ پارک کا کل رقبہ 361 ایکڑ ہے۔

لیکن اس پارک کا سب سے اہم اور دلچسپ حصہ وہ کونہ ہے جسے عام طور پر سپیکرز کارنر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کونہ ماربل آرچ اور آکسفورڈ سٹریٹ کے عین بالمقابل ہے۔ اتوار کے دن یہاں خاصی چہل پہل نظر آتی ہے۔ جو چاہے، جس موضوع پر چاہے، جتنی دیر چاہے کھڑے ہو کر تقریر کر سکتا ہے۔مجمع اکٹھا ہو جائے تو ٹھیک ورنہ کئی مقررین تو یونہی بغیر سامعین کے تقریر کئے چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ پارک کے مستقل مقررین اپنے ساتھ ایک مختصر سا پلیٹ فارم بھی لے کر آتے ہیں جس پر کھڑے ہو کر خطاب کرتے ہیں۔خطاب کیلئے کوئی تمہید نہیں ہوتی۔بس کھڑے ہو کر بولنا شروع کیا۔اگر مقرر اچھا ہوا تو مجمع لگ جاتا ہے۔ وگرنہ چند پیشہ ور قسم کے Hecklers جو پارک میں ہر وقت موجود رہتے ہیں، عام مقرر کو جلد سوالات کی بوچھاڑ سے نڈھال کر کے چلتا کر دیتے ہیں۔اسی پارک میں ایک زمانہ میں بڑے بڑے سیاست دان بھی بولتے رہے ہیں۔موجودہ ویلفئر نظام کے بانی مسٹر بیون نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز اسی پارک سے کیا تھا۔ بڑے بڑے سوشلسٹ لیڈر یہاں بولتے رہے۔خصوصاً وہ دور ہائیڈ پارک کارنر کا سنہری دور ہے جب ابھی ٹی وی وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے اور لوگوں کو شام گزارنے کیلئے آج کے زمانہ کی طرح مختلف النوع تفریحات کے سامان میسر نہ تھے۔اتوار کے روز سر شام ہی ہائیڈ پارک کارنر میں جمگھٹا لگنا شروع ہو جاتا تھا۔لوگوں کا اژدہام قابل دید ہوتا تھا۔تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقررین اپنے فن خطابت کا مظاہرہ کر رہے ہوتے تھے لیکن مجال ہے کہ کوئی بلوہ یا فساد ہو

جائے۔ پولیس دور تک بھی نظر نہ آتی تھی۔ گرما گرم بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ شام کو مجمع چھٹ جاتا اور لوگ اردگرد کے ریسٹورنٹوں میں گھس جاتے۔ مقررین اپنے پلیٹ فارم یعنی لکڑی کے سٹول بغلوں میں دبائے اپنی راہ لیتے اور ہائیڈ پارک اگلے اتوار تک کیلئے پھر محض سیر و تفریح اور سیاحوں کا مرجع بنا رہتا۔ ہائیڈ پارک کارنر کی کیفیت اب خاصی بدل گئی ہے۔ وہ سنجیدگی نہ تو اب سامعین میں ہے اور نہ مقررین میں جو اس پارک کا طرہ امتیاز ہوا کرتی تھی۔ اکثر مقررین غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں اور عوام یعنی سامعین کو سنجیدہ خیالات سے روشناس نہیں کراتے۔ اب تو پولیس بھی نظر آنے لگ گئی ہے۔ کبھی کبھار تو ہاتھا پائی کی نوبت آنے لگ جاتی ہے۔ اگر یہی چلتا رہا تو ممکن ہے کسی وقت حکومت برطانیہ کو یہ قدیم روایتی کارنر تقاریر کیلئے بند کرنا پڑے۔

پارک میں بعض مقررین نہایت سنجیدہ اور مستقل مزاج بھی ہیں جو پچھلی نصف صدی سے بلا ناغہ ہر اتوار کو آ کر تقریر کرتے ہیں اور سب سے بڑا مجمع انہیں کا ہوتا ہے۔ ان میں عیسائی بھی ہیں، سوشلسٹ بھی ہیں، دہریہ بھی ہیں اور یونیٹیرین بھی۔ ایک صاحب کو میں نے پچھلے بائیس سال سے متواتر ہائیڈ پارک میں آتے دیکھا ہے۔ یہ گویا خاموش مقرر ہیں اور وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک بڑے سائز کے کاغذ پر خوبصورت انداز میں یہ فقرہ لکھا ہوا ہے The End Is At Hand, Repent کہ قیامت کی گھڑی سر پر ہے، توبہ کرو۔ یہ کوئی تقریر نہیں کرتے بس اس پلے کارڈ کو اونچا اٹھا کر کارنر کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ہاں کھڑا کر کے کوئی سوال پوچھے تو بائیبل کھول کر آخری زمانہ کی علامات کو اس پر منطبق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا حوصلہ قابل داد ہے۔ یہ کسی مشن کو represent نہیں کرتے، بذات خود ایک مشن ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص ہائیڈ پارک کارنر میں تقریر کرنے میں کامیاب ہو جائے اس کے اچھے مقرر ہونے میں پھر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہاں سوالات کی بوچھاڑ کے علاوہ پیشہ ور قسم کے hecklers ناک میں دم کر دیتے ہیں جو بعض اوقات ذلت کی حد تک جا پہنچتے ہیں۔ جو مقرران hecklers سے نپٹ کر ان کو خاموش کر سکے، اس کو پھر دنیا کے کسی مجمع کا خوف نہیں رہتا۔ اس لئے بعض تنظیمیں ہائیڈ پارک کارنر کو بطور مدرسہ کے بھی استعمال کرتی ہیں۔ ہر ہفتہ چند نوجوان عیسائی راہب اپنے استاد کی زیر نگرانی یہاں تقاریر کرتے ہیں۔ استاد قریب کھڑا ہوتا ہے اور بوقت ضرورت ان کی رہنمائی کرتا اور پبلک کے مشکل سوالات کے جوابات بھی دیتا ہے۔

عام طور پر تقاریر زبانی ہوتی ہیں۔ میں نے کسی کو لکھی ہوئی تقریر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چونکہ پارک میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال ممنوع ہے اس لئے مقرر کو اپنی آواز بلند رکھنے میں بھی خاصی مہارت ہونی چاہئے تا کہ دور دور تک لوگ اس کی تقریر کو سمجھ کر اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ غرضیکہ ہائیڈ پارک کا سپیکرز کارنر انگلستان کی ایک زبردست انسٹیٹیوشن ہے جہاں آزادئ تقریر کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

ہائیڈ پارک کے سپیکر کارنر میں اسلام کو متعارف کرانے کا سنہرا سہرا احمدی مبلغین کے سر بندھتا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی وہاں اسلام کی باقاعدہ تبلیغ کا کام شروع کیا اور اسی جگہ سے ہمیں بہت سارے ابتدائی نومسلم بھی ملے۔ ہائیڈ پارک کارنر کے ثمرات میں سے مرحوم بلال نٹل صاحب بھی تھے، جن کو لندن مسجد کے افتتاح کے موقع پر اذان دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عیسائیت کے اسی پلیٹ فارم سے اسلام کی صدا کیونکر بلند ہوئی، یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ہمارے انگلستان کے پہلے مبلغ ہیں۔آپ 1913ء میں عازم انگلستان ہوئے۔وہاں جا کر آپ نے محسوس کیا کہ ہائیڈ پارک کارنر میں روحانی فتح کا کام جاری کر دینا چاہیئے۔چنانچہ آپ نے ہائیڈ پارک کارنر میں ایک سلسلہ تقاریر کا شروع کیا جو نہایت کامیاب رہا۔ان کی روداد ان ہی کی زبانی سنئے۔فرماتے ہیں:

''میں ہفتہ کے روز ہائیڈ پارک میں گیا۔مختلف مذاہبوں اور سوسائیٹیوں کے لیکچرار موجود تھے لیکن سب سے زیادہ مجمع دہریہ لوگوں کے اردگرد تھا۔میں بھی وہاں کھڑا ہوگیا۔پہلے ایک دہریہ لیکچرار کھڑا ہوا۔اس نے عہد نامہ عتیق اور حضرت موسیٰ پر چند اعتراضات کئے اور پھر ان اعتراضات کو وسیع کر کے تمام مذاہب اور خدا تعالیٰ کے ماننے والوں پر اعتراضات شروع کر دئے۔اس کے بعد اس نے اس کی مخالفت میں کہنے کیلئے 15 منٹ دئے۔حاضرین میں سے اکثر دہریہ اور چند عیسائی تھے۔کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ منبر پر آئے۔میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر 15 منٹ کیلئے خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق چند عام فہم باتیں کیں اور زیادہ زور الہام اور وحی پر دیا اور اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کی کہ علوم، جو انسان الہام یا وحی کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے، ایسے ہی قابل اعتبار، یقینی اور مضبوط ہیں جیسے کہ وہ علوم جو ہم حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔اس کے بعد دہریہ لیکچرار کی باری تھی۔اس نے مجھے ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی اور کہا کہ انگلستان میں بہت سے نبی گزر چکے ہیں اور پگٹ ابھی زندہ ہے اس لئے ہمیں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔پھر چونکہ وقت ملنے کی امید نہ تھی اس لئے میں ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہوگیا۔حاضرین میں سے چند لوگ میرے گرد کھڑے ہوگئے اور الہامات ووحی کے

متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔‘‘

اس ابتداء کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔اور ایک لمبے عرصے تک ہائیڈ پارک میں اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام نامی ہمارے مبلغین کے ذریعہ سے لیا جاتا رہا۔فالحمدللہ۔ چنانچہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی یورپ کی سیاحت کے سلسلہ میں انگلستان تشریف لائے تو لندن میں قیام کے دوران باقاعدہ ہائیڈ پارک میں تقریر کرتے رہے۔ ہمارے مرحوم بھائی مسٹر بلال نٹل انہی کے ذریعہ سے داخل احمدیت ہوئے تھے۔

ابتداء میں ہمارا مشن ہاؤس بھی ہائیڈ پارک سے متصل واقع تھا۔ چنانچہ مبلغین یہاں سے دلچسپی رکھنے والے انگریزوں کو لے جاتے اور مشن میں تبلیغ کے علاوہ ان کولٹریچر بھی دیتے۔حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ، حضرت عزیز دین صاحب (والد عبدالعزیز دین صاحب) اور حضرت مولانا شمس صاحب کا نام نامی ان لوگوں میں سرفہرست ہے جنہوں نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کے معرکے سر کئے۔

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کی کامیاب جنگ لڑی۔تفصیل اس کی یوں ہے کہ 1944 میں ہائیڈ پارک کارنر کے ایک مشہور عیسائی سپیکر مسٹر گرین ہوا کرتے تھے۔ یہ ہر ہفتہ اپنی تقاریر میں اپنے عقیدہ کی نشر و اشاعت کیا کرتے تھے کہ 1950ء میں یسوع مسیح کا نزول ہوگا۔انہوں نے ایک رسالہ The Kingdom News کے نام سے بھی جاری کر رکھا تھا۔حضرت مولانا شمس صاحب نے ہائیڈ پارک کارنر میں ہی ان سے چھ کامیاب مباحثے کئے۔ان مباحثات سے ان کی دھوم مچ

گئی اور مسٹر گرین کو بالآخر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ پہلا مباحثہ 6 جون 1944ء کو ہوا۔ موضوع یہ قرار پایا کہ مسٹر گرین دو گھنٹے میں قرآن مجید پر جتنے اعتراضات کرنا چاہیں ایک ایک کر کے پیش کریں اور حضرت مولوی صاحب اس کا جواب دیں گے۔ لیکن اس روز ایسا تصرف الٰہی ہوا کہ عام طور پر جو اعتراضات وہ پہلے مباحثات میں کیا کرتے تھے، وہ بھی پیش نہ کر سکے اور جو نوٹ لکھے وہ بھی غلط تھے۔ دوسرا مباحثہ 16 جون 1944ء کو ہوا۔ اس روز حضرت مولانا شمس صاحب نے اناجیل پر زبردست اعتراضات کئے جن کا مسٹر گرین کوئی جواب نہ دے سکے۔ بعض کے متعلق کہا کہ میں نے یہ پہلے کبھی نہیں سنا اور اکثر کی نسبت جواب دیا کہ میں تیاری کر کے جواب دوں گا۔ تیسرے مباحثہ میں مسٹر گرین کی باری قران مجید پر اعتراضات کرنے کی تھی۔ مباحثہ شروع ہوا اور انہوں نے جنوں کے بارے میں سوال کر دیا۔ حضرت مولانا شمس صاحب نے فرمایا کہ آیت قرانی میں جنوں سے مراد الف لیلہ والے جن نہیں بلکہ اس سے مراد بڑے لوگ اور لیڈر ہیں۔ مسٹر گرین نے کہا کہ جب تک آپ کسی انگریزی ترجمہ کو صحیح اور مستند نہیں مان لیتے، میں مباحثہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ترجمے شخصی ہیں میں ان کو صحیح مانتا ہوں لیکن اگر کسی جگہ میں سمجھوں کہ ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا اور عبرانی زبان کی رو سے اس کی غلطی ثابت کر دوں تو مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو کہ سوسائٹیوں کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں ان کے بعض الفاظ کے ترجمہ کے متعلق آپ خود یہ کہتے رہے ہیں کہ اصل یونانی لفظ یہ ہے اور اس کا صحیح یہ ہے۔ جب آپ سوسائٹیوں کے مستند ترجمے کی غلطی نکالنے کا حق رکھتے ہیں تو مجھے یہ کیوں حق نہیں کہ کسی ایک شخص کے ترجمہ میں اگر غلطی ہو تو وہ ظاہر کر دوں۔ لیکن وہ یہ کہہ کر کہ چونکہ یہ انگریزی ترجمہ کو صحیح نہیں مانتے اس لئے میں مباحثہ نہیں کرتا

،اپنا پلیٹ فارم اٹھا کر دوسری جگہ چلے گئے اور حاضرین نے سمجھ لیا کہ مسٹر گرین نے راہ فرار اختیار کی ہے۔ چوتھا مباحثہ 6 جولائی 1945ء کو حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت پر ہوا۔ حضرت مولانا شمس صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے زندہ اترنے کی تائید میں انجیل سے چھ حوالے پیش کئے ۔ مسٹر گرین کسی ایک کا بھی جواب نہیں دے سکے۔ پانچواں اور چھٹا مباحثہ 13 اور 27 جولائی 1945ء کو ہوا۔ اس مباحثہ کی تفصیل خود حضرت مولانا صاحب کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

''13 جولائی کو موضوع بحث یہ تھا کہ اگر مسیح صلیب پر نہیں مرے اور زندہ اتارے گئے تو وہ اس کے بعد کہاں چلے گئے۔ میں نے پہلے بیس منٹ میں یہ بیان کیا کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ پھر اپنے شاگردوں سے ملے ۔ان کے ساتھ کھانا کھایا اور چالیس روز کے بعد ان کو الوداع کہی۔ وہ کہاں گئے، اس کے متعلق میں نے پہلے سڈنی کے ڈسٹرکٹ جج مسٹر ڈاکر اور ایک جرمن پروفیسر کی تحقیقات پیش کیں، جس میں انہوں نے حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے اور بالآخر طبعی موت پانے کا اقرار کیا ہے۔ پھر میں نے اناجیل سے مسیح کا صحیح مشن بتایا۔ پھر یہ کہ وہ پہلے دمشق گئے وہاں سے نصیبین اور نصیبین سے ہندوستان پہنچے اور ان کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ جواباً مسٹر گرین نے اناجیل کے حوالے پڑھنے شروع کر دئے کہ مسیح نے صلیب پر مرنا تھا اور یہ کہ وہ صلیب پر مر گئے۔ میں نے کہا کہ ان حوالوں پر گذشتہ ہفتہ بات ہو چکی ہے اور اناجیل میں بہت سی باتیں خلاف واقعہ درج ہیں۔ مثلاً ایک پاگل سے بدروحوں کا نکالنا جو کہ قریباً 2000 تھیں ۔ مسٹر گرین نے کہا کہ ایسا کہیں نہیں لکھا۔ میں نے

مرقس سے دکھایا کہ وہ خناز یر جن میں وہ بدروحیں داخل ہوئیں، قریباً 2000 تھیں۔ 20 جولائی کو مسٹر گرین نے ٹیلی فون پر کہا کہ وہ بوجہ زکام مباحثہ نہیں کر سکیں گے۔ 27 جولائی کو مسٹر گرین نے مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے پر تقریر کی۔ لیکن کوئی نئی بات نہ بیان کی......آخر مباحثات میں پے در پے شکست کھانے کے بعد مسٹر گرین نے مسٹر عبدالعزیز دین صاحب کو خط لکھا اور آئندہ مباحثہ کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ میرے دلائل بے فائدہ اور بے نتیجہ ہیں۔ 3 اگست کو اس کا خط برادرم عبدالعزیز صاحب نے پڑھ کر سنایا......اس طرح مسٹر گرین کے مباحثہ سے فرار اختیار کرنے کی وجہ سے یہ مباحثات بند ہو گئے۔''

(الفضل 12 اکتوبر 1945ء)

ان مباحثات کا چرچا برطانوی پریس میں بھی خوب ہوا۔ مثلاً سوسائٹی فار دی سٹڈی آف ریلیجنز کے سہ ماہی آرگن نے لکھا:

" The Imam of the London mosque has come into arena of open debate in London recently and is very energetic in presenting his faith to christian opponants. The Imam is very skilful in presenting his case and quotes literally from the Bible."

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسٹر عبدالعزیز دین صاحب، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، ہمارے لندن مشن کے ایک نہایت فعال، مخلص اور دیندار بزرگ تھے۔ آپ 1928ء میں انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ آپ ان مباحثات کے دوران Time Keeper کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ 1966ء میں خاکسار اور مکرم عبدالعزیز دین صاحب

ہائیڈ پارک کارنر میں تبلیغ کے سلسلہ میں گئے تو مکرم عزیز دین صاحب نے ایک بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھیں مسٹر گرین بیٹھے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ہم دونوں ان سے جا کر ملے۔ بہت تپاک سے ملے۔ جب ہم نے ان کو بتایا کہ مولانا شمس صاحب وفات پا چکے ہیں تو آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے:

"He was a great scholar of Bible."

1960ء میں ہائیڈ پارک کارنر میں ایک شعلہ بیان مقرر مسٹر جان ویبسٹر ہوا کرتے تھے۔ پہلے کمیونسٹ تھے اور کمیونزم پر سالہا سال ہائیڈ پارک کارنر میں تقاریر کیا کرتے تھے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور اسلام پر تقاریر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔خاکسار نے ان کو بہت ساری کتابیں دیں اور مسجد آنے کی دعوت بھی دی جو انہوں نے قبول کر لی۔اسلامی اصول کی فلاسفی سے یہ بہت متاثر ہوئے۔اگلے ہفتہ ہی ہائیڈ پارک کارنر میں تقریر کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ کا ذکر کیا۔اس پر وہاں خاصہ ہنگامہ ہوا اور ایک احمدی نوجوان کو چوٹیں بھی آئیں لیکن مسٹر ویبسٹر بڑی دلیری سے حضرت اقدسؑ کا ذکر اپنی تقاریر میں کرتے رہے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب اپنے دوران قیام انگلستان باقاعدگی سے پارک میں تقریر کیا کرتے تھے اور اچھا خاصہ مجمع ان کا منتظر ہوا کرتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کی ظاہری وجاہت اور روحانی رعب کا اثر تھا کہ کبھی ان کی تقریر کے دوران کسی heckler کو انہیں تنگ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔حضرت میر عبدالسلام صاحب سیالکوٹی بھی ہائیڈ پارک کارنر کے مستقل مقررین میں سے تھے۔خاکسار نے ان کی کئی تقریریں پارک میں سنیں۔آپ کو انگریزی زبان میں عبور حاصل تھا۔ بائبل کے حوالہ جات ان کو زبانی یاد تھے۔

آپ کا قد لمبا تھا اور پلیٹ فارم اونچا تھا اس لئے دور سے تقریر کرتے نظر آجاتے تھے۔

ہائیڈ پارک کارنر کے ساتھ گویا اسلام اور احمدیت کا تعلق نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور یہ پارک تاریخ احمدیت کا ایک سنہری باب ہے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فن تقریر کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں اور ان کا طرز تقریر ایسا ہو کہ جیسا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کیلئے بھی مفید اور ادنیٰ کیلئے بھی فائدہ رساں ہے۔اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں مطابق حال ہو۔''

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 324)

لندن کے ہائیڈ پارک کی ایک یاد

جان ویبسٹر کا قبول احمدیت

خاکسار جب 1959ء میں انگلستان پہنچا تو کچھ ہی عرصہ کے بعد خاکسار نے باقاعدہ ویک اینڈ پر ہائیڈ پارک کارنر جانا شروع کر دیا۔ان دنوں محترم حضرت میر عبد السلام صاحبؓ ،جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہونے کا شرف حاصل تھا، یہاں تقاریر فرمایا کرتے تھے۔آپؓ کو بفضلہٖ تعالیٰ انگریزی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔عیسائیت کا مطالعہ بھی کافی وسیع تھا۔اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ اس انداز میں پیش فرماتے تھے کہ بڑے بڑے عیسائی پادریوں کو بھی جواب دینے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ محترم حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ دراز قد،خوبصورت خدوخال کے مالک اور مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔خاکسار ان کی تقریر کے دوران ان کے قریب ہی کھڑا ہوتا تھا اور جب وہ

اپنی تقریر کر چکتے تھے تو ان کا وہ ڈبہ، جس پر کھڑے ہوکر وہ تقریر فرماتے تھے، اٹھا کر ان کے ساتھ قریبی ریسٹورنٹ چائے نوشی کیلئے چلا جاتا تھا۔ اسی دوران پارک سے چند انگریز نوجوان، جو ان کی تقریر سے متاثر ہوتے تھے وہ، بھی آجاتے تھے اور پھر وہاں محفل سوال و جواب جم جاتی تھی جو میرے لئے بے حد ازدیادِ علم کا موجب ہوتی تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے عیسائیت کی تاریخ، تعلیمات اور فلسفہ کا علم حضرت میر صاحبؒ کی تقاریر اور محفل سوال و جواب سے حقیقی معنوں میں سیکھا۔ میرے لئے یہ ایک عظیم علمی و روحانی درس گاہ تھی۔

جناب جان ویبسٹر صاحب پارک میں مسلسل 30 سال سے ہر ہفتہ اور اتوار کے دن تقریر کیا کرتے تھے اور پارک میں سب سے بڑا مجمع ان کے گرد ہی رہتا تھا۔ یہ پہلے کمیونسٹ تھے اور عموماً ان کی تقاریر کا موضوع کمیونزم ہی ہوا کرتا تھا۔

حضرت میر عبدالسلام صاحبؒ کی وفات کے بعد، جو 1960ء میں واقع ہوئی، میں مسٹر ویبسٹر کی تقاریر بڑے دھیان سے سنا کرتا تھا اور ان کا وسیع مطالعہ، فن خطابت اور عیسائیت پر ان کے عبور سے متاثر تھا۔ کبھی کبھار میں ان سے سوال بھی کر لیا کرتا تھا۔

ایک دن جب مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر کر چکے اور مجمع چھٹ گیا تو میں ان کے پاس گیا، اپنا تعارف کرایا اور ان سے باہمی تبادلہ خیالات اور گفتگو کیلئے وقت مانگا۔ انہوں نے بتایا کہ تقریر کے بعد وہ سڑک کے پار ایک کیفے میں چائے بھی پیتے ہیں اور جو لوگ ان سے بات کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں، ان سے وہاں گفتگو بھی کر لیتے ہیں۔

اگلے ہفتہ جب مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر ختم کر چکے تو میری طرف اشارہ کر کے مجھے ریسٹورنٹ چلنے اور بات کرنے کی دعوت دی۔ میں انکے ساتھ چل پڑا۔ چند یوروپین ان کی

مدد کیلئے ان کے ساتھ تھے۔ہم کیفے چلے گئے اور چائے کا دور شروع ہوا،جس کا اہتمام ان کے مداحین کیا کرتے تھے۔

گفتگو کا آغاز اسلام اور احمدیت کے پیغام سے ہوا۔خاکسار نے انہیں تفصیل سے حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم کے پیغام اور ان کی تعلیمات سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔گفتگو کے اختتام پر میں نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جو انہوں نے بڑے شوق سے قبول کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں گے۔

مسٹر ویبٹر کی اہمیت اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حال ہی میں ایک کتاب ''سپیکرز آف دی ہائیڈ پارک'' شائع ہوئی ہے جس میں ہائیڈ پارک کے مشہور مقررین کا تذکرہ ہے۔اس کتاب میں مسٹر ویبٹر کا ذکر سب سے زیادہ اور نمایاں ہے اور کئی صفحات پر مشتمل ہے۔

ملاقاتوں کا یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔خاکسار انہیں وقتاً فوقتاً سلسلہ کی مطبوعات اور قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ دیتا رہا۔ایک دن تقریر ختم ہونے پر مسٹر ویبٹر نے مجھے اپنے کے ساتھ کیفے چلنے کی دعوت دی اور کہنے لگے کہ میں نے اپنے دوسرے مداحین کو ساتھ چلنے سے روک دیا ہے۔میں تم سے الگ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔چنانچہ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔کیفے میں چائے کا دور چلا مسٹر ویبٹر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے 'اسلامی اصول کی فلاسفی' کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس دوران یہ کتاب کئی مرتبہ ختم کی ہے اور ہر دفعہ نئے علوم اور مطالب ان پر کھلے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ میں اس کتاب کو پڑھ کر حضرت مرزا صاحب کی روحانیت،اعلیٰ علمی قابلیت اور اسلام سے ان کی محبت کا گرویدہ ہو چکا ہوں۔پھر انہوں نے

اپنی خواب کا ذکر کیا۔انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں حضرت مرزا صاحب کو دیکھا۔ ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔انہوں نے مجھے کہا اب کیا سوچتے ہو؟ اسلام اور احمدیت میں تمہاری بقا ہے، تمہاری نجات ہے! بیدار ہونے پر میں اس خواب سے بے حد متاثر تھا۔ میں نے ایسی صاف شفاف خواب پہلے نہیں دیکھی تھی۔ یہ کہہ کر مسٹر ویبسٹر چند منٹ خاموش رہے اور پھر کہا کہ مسٹر رفیق! میں احمدیت قبول کرتا ہوں اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔اس کیلئے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے اس کی رہنمائی کرو۔ میں نے کہا اگلے ہفتہ میں بیعت فارم اپنے ساتھ لاؤں گا۔اس کو پڑھ کر اس پر دستخط کر دیں۔تو آپ جماعت احمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

کیفے سے باہر آیا تو میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔آج انگلستان کا ایک عظیم مقرر احمدیت کے جھنڈے تلے پناہ لینے پر مجبور ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں یا کشف میں جو سفید پرندے پکڑے تھے، یہ ان میں شامل ہو رہا ہے۔ جہاں یہ ان کیلئے ایک عظیم سعادت تھی وہاں میرے بھی ازدیاد ایمان کا باعث تھی کہ خاکسار کی تبلیغ سے انہیں راہ حق نصیب ہوئی۔

میں سیدھا مسجد فضل لندن پہنچا اور درگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا۔الحمد للہ، ثم الحمد للہ۔

اگلے ہفتہ کی ملاقات میں مسٹر ویبسٹر نے درخواست کی کہ فی الحال اس بات کو اخفا میں رکھا جائے کہ انہوں نے بیعت کر لی ہے۔خاکسار نے وعدہ کیا کہ ہائیڈ پارک میں ہرگز ان کے قبول احمدیت کا تذکرہ نہیں ہوگا۔

دو ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد ایک دن مسٹر ویبسٹر نے دوران تقریر اپنے احمدی

ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کے ارد گرد اس وقت سینکڑوں کا مجمع تھا۔ جس میں مسلمان بھی تھے اور مخالفین احمدیت بھی تھے۔ یہ خبران پر بجلی بن کر گری اور وہ سب دم بخو درہ گئے۔ اگلے ہفتہ جب مسٹر ویبٹر نے تقریر شروع کی تو مخالفین احمدیت میں سے بعض لوگوں نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ بعض نے انہیں غلیظ گالیاں بھی دیں۔ لیکن مسٹر ویبٹر پر ان کی بازاری زبان کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے ڈٹ کر احمدیت کی تائید شروع کر دی۔ یہ سلسلہ چند ہفتوں تک جاری رہا۔ ہائیڈ پارک کارنر میدان کارزار بن گیا۔ مسٹر ویبٹر نے ان مخالفین احمدیت کے منہ توڑ جواب دئے اور ان کی علمیت کا پردہ چاک کر دیا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دن چند اوباش قسم کے مخالفین نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسٹر ویبٹر کے ہاتھوں پر چوٹیں آئیں۔ خاکسار کو بھی حملہ میں نشانہ بنایا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ ہمارے ایک مخلص دوست مکرم الیاس ناصر دہلوی کو بھی چوٹیں آئیں۔ پولیس کو مجبوراً دخل دے کر مجمع کو منتشر کرنا پڑا۔ مسٹر ویبٹر اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک ہائیڈ پارک کارنر میں تقاریر کے دوران احمدیت اور حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتے رہے اور بالآخر وہ انگلستان کو مستقلاً خیر آباد کہہ کر آسٹریلیا میں منتقل ہو گئے۔

مسٹر ویبٹر احمدی ہو گئے تو ایک دن مجھے کہنے لگے کہ میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ کھڑے ہو کر تقاریر کی مشق کیا کرو۔ لیکن ہائیڈ پارک اس کیلئے مناسب جگہ نہیں ہے۔ وہاں میں تو تقریر کر سکتا ہوں لیکن تم فی الحال وہاں تقریر کرنے کی کوشش نہ کرو۔

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ہر ہفتہ کے روز مسجد فضل لندن کے قریبی پارک وانڈز ورتھ کامن میں ایک درخت کے نیچے ڈبہ رکھ کر پہلے ویبٹر صاحب تقریر کریں گے اور پھر میں تقریر کروں گا۔ ہم نے یہ سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ مجمع لگنا شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔

روٹری کلب آف وانڈز ورتھ

پچھلی صدی کے اوائل میں امریکہ میں چند تجارت پیشہ دوست ایک ریسٹورنٹ میں اکٹھے ہوئے اور مل کر کھانے کی میز پر یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ تاجر صاحبان کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھنے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں اور وہ اپنی تجارتوں کو فروغ دینے میں اس درجہ مگن رہتے ہیں کہ انہیں کسی تفریح کا وقت نہیں ملتا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر ہفتہ میں ایک روز یہ دوست دوپہر کے کھانے پر جمع ہو جایا کریں اور اپنی تجارتوں کے علاوہ دیگر دلچسپ امور پر گفتگو کیا کریں۔ یہ تھی روٹری کلب کی ابتدا۔ آج دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ہوگا جہاں روٹری کلب کی شاخیں نہ ہوں۔ ہر ہفتہ میں ایک روز کسی کلب میں اجلاس ہوا کرتا ہے جس میں باہر سے بھی مقررین کو بلایا جاتا ہے۔ نیز روٹری کلب کے ذریعہ ملک کے خیراتی اداروں کے کیلئے رقوم بھی جمع کی جاتی ہیں۔ عام طور میں روٹری کلبوں میں شہر کے عمائدین اور بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ممبران کو آپس میں ملنے سے واقفیت بھی ہو جاتی ہے۔

انگلستان میں 2000 سے زائد روٹری کلب کی شاخیں موجود ہیں۔ کلب میں ممبر بننے کیلئے صرف یہ شرط ہے کہ اس کا مالی معاملہ پاک و صاف ہو اور وہ اپنی بزنس کا سربراہ ہو۔ گویا ہر روٹری کلب میں اپنے علاقہ کی معززین کی اعلیٰ ترین نمائندگی ہوتی ہے۔

وانڈز ورتھ میں بھی ایک مضبوط روٹری کلب قائم ہے۔ مسجد فضل لندن بھی وانڈز ورتھ میں واقع ہے۔ 1928ء میں وانڈز ورتھ میں ایک روٹری کلب کے قیام کا فیصلہ ہوا تو بانی ممبران میں حضرت مولوی فرزند علی صاحب امام مسجد فضل لندن بھی شامل تھے۔ آپ ہی نے

کلب میں افتتاحی دعا فرمائی۔اس کے بعد خاکسار تک تمام امام صاحبان کلب کے ممبر ہوتے رہے اور اس ممبر شپ کے ذریعہ دوسرے کلبوں میں اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچاتے رہے۔

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے وانڈز ورتھ کے روٹری کلب میں بارہا خطاب فرمایا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو وانڈز ورتھ کے روٹری کلب کا آنریری ممبر ہوں۔

خاکسار 1964ء میں امام کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد روٹری کلب کا ممبر بنا۔اس دوران اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار نے 500 سے زائد روٹری کلبوں میں اسلام اور احمدیت پر تقاریر کیں۔1978ء میں خاکسار کو بلا مقابلہ اس کلب کا صدر منتخب کیا گیا جس کا ذکر لوکل اخبارات میں ہوا۔خاکسار لندن کے روٹری کلبوں میں سے پہلا ایشیائی صدر منتخب ہوا تھا اور اس کلب کے ذریعہ خاکسار کو انگلستان کے معززین اور اشراف سے تعلقات پیدا کرنے اور انہیں اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔فالحمدللہ۔

برائٹن میں باقاعدہ تبلیغ کا آغاز

1960ء میں P.I.A نے اپنا پہلا بوئنگ طیارہ خریدا۔اپنی inaugural flight میں انہوں نے لندن کے پاکستانی اور انگریز معززین کو مفت اس طیارہ پر پاکستان جانے کی دعوت دی۔خاکسار کو بھی انہوں نے دعوت دی۔چنانچہ خاکسار مرکز کی اجازت سے اپریل 1960ء میں پاکستان گیا اور تقریباً ایک ماہ وہاں رہا۔اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی دو تین مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔حضورؓ ان دنوں بیمار تھے۔دوران

ملاقات حضورؓ نے فرمایا کہ برائیٹن میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ دی جائے اور فرمایا کہ 1924ء میں جب حضورؓ نے انگلستان کا دورہ فرمایا تو برائٹن کونسل کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے تھے اور وہاں وہ کمرہ بھی ملاحظہ فرمایا تھا جہاں ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں ترکی کے بعض مسلمان جرنیلوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کمرہ کی دیواروں پر کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات درج تھیں۔ حضورؓ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ برائٹن جا کر تبلیغ کرو۔ خاکسار جب واپس آیا تو پختہ عزم کر لیا کہ برائٹن میں تبلیغ کے کام کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ مکرم عبدالعزیز دین صاحب کی معیت میں خاکسار برائٹن گیا۔ وہاں رائل پویلین میں ایک ہال نما کمرہ کرائے پر حاصل کیا اور لوکل اخبارات میں اشتہار شائع کیا کہ اگلے ہفتہ سے ہر ہفتہ اس ہال میں اسلام پر لیکچر دئے جائیں گے۔ برائٹن کے مقامی اخبارات نے خاکسار کا انٹرویو بمع خاکسار کی تصویر کے شائع کیا۔ 5000 کی تعداد میں ہینڈ بلز بھی تیار کئے گئے جنہیں گھروں میں تقسیم کیا گیا۔ خاکسار کی پہلی تقریر کے دوران ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم نے صدارت کی۔ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب اور مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ خاکسار نے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد ایک پادری صاحب نے مجھے دعوت مباحثہ دی جو خاکسار نے قبول کر لی۔ اگلے ہفتہ کیلئے وفات مسیح کا موضوع مباحثہ کیلئے طے ہوا۔ اس مباحثہ کا اعلان مقامی اخبارات میں شائع ہوا اور حاضرین میں بھی خاصا جوش وخروش پیدا ہوا۔ اگلے ہفتہ لندن سے بھی خاصی تعداد میں لوگ برائٹن پہنچ گئے۔ انگریز غیر مسلم بھی کافی تعداد میں موجود تھے بلکہ کثرت انگریزوں کی تھی۔ وقت مقررہ پر ہم سب لوگ ہال میں جمع ہو گئے اور پادری صاحب کا انتظار شروع ہو گیا۔ لیکن انہوں نے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ جب ان کے آنے سے مایوسی ہوگئی تو خاکسار نے

اسلام پر تقریر کی۔ لوکل انگریز حاضرین پر اس بات کا خوشگوار اثر ہوا کہ پادری صاحب مرد میدان ثابت نہ ہو سکے۔

پہلی میٹنگ کے اختتام پر ایک خاتون Miss Irene Crene نے بیعت کر لی۔ الحمدللہ۔ ان کا اسلامی نام سلیمہ رکھا گیا۔ ان کے مضامین مسلم ہیرالڈ میں شائع ہوتے رہے۔ بعد میں یہ ترکی چلی گئیں۔ تین چار میٹنگز کے دوران چھ سات انگریز خواتین و حضرات نے بیعت کر لی اور باقاعدہ جماعت قائم ہو گئی۔ یہ سب کچھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی توجہ اور دعا کا نتیجہ تھا۔ یہ مشن ڈیڑھ دو سال تک ہر ہفتہ جاری رہا۔ بعد میں جب خاکسار امام مقرر ہوا تو بادل ناخواستہ اس کو بند کرنا پڑا کیونکہ خاکسار اکیلا تھا اور کوئی مبلغ ایسا نہ تھا جسے اس مشن کو قائم رکھنے کیلئے بھجوایا جاتا۔

بزم شعر وادب، لندن کا قیام

Urdu Literary Society

مجھے سکول کے دنوں سے ادب اور شعر و شاعری سے دلچسپی رہی ہے۔ اچھا شعر میرے دل کو متاثر کرتا ہے۔ بچپن میں جب گاؤں میں پشتو شاعری کو سنتا تھا تو بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔ سکول میں اردو ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ آغاز ناولوں اور افسانوں سے ہوا۔ قادیان میں سکول کے دور میں لائبریری سے ناول یا افسانوں کی کتابیں تو نہیں ملتی تھیں اس لئے میں اپنے جیب خرچ سے رقم بچا کر ناول خریدا کرتا تھا۔ ان دنوں میں میرے فیورٹ ناول نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر، نسیم حجازی، رئیس امروہی اور ایم اسلم شامل تھے۔ مولانا عبدالحلیم شرر سے میری دلچسپی ایک دفعہ یہ پڑھنے سے ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح

الاوّلؓ نے ان کے ایک ناول ''فلورا فلورنڈا'' کی بہت تعریف کی تھی۔ چنانچہ میں نے نہ صرف مولانا کا یہ ناول بلکہ ان کے بہت سارے تاریخی اسلامی ناول بھی پڑھے اور اب بھی باوجود اس کے کہ مجھے فکشن سے کوئی خاص رغبت نہیں رہی، میں مولانا شرر کے ناول پڑھ لیتا ہوں۔

انگریزی ناول کی طرف میری توجہ یوں ہوئی کہ کالج کے دنوں میں ایک مرتبہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے میری سکول کی رپورٹ پڑھی کہ میں اردو ناول پڑھ لیتا ہوں تو حضورؓ فرمانے لگے کہ اگر تمہیں ناول پڑھنے کا شوق ہے تو انگریزی ناول پڑھا کرو۔ اس سے تمہاری انگریزی زبان بھی اچھی ہو جائے گی اور انگریزی معاشرہ کی سمجھ بھی آ جائے گی۔ نیز فرمایا کہ اردو ناول میں مبالغہ اور جھوٹ کی آمیزش بہت زیادہ ہوتی ہے جبکہ انگریزی ناول حقائق کو کہانی کے انداز میں پیش کرتے ہیں، اگرچہ ان میں بھی Imagination کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کالج کے زمانہ میں نے H. Rider Haggard اور Sir Arthur Canon Doyle کے ناول بہت شوق سے پڑھے۔ Kipling کے بھی بعض ناول پڑھنے کا موقعہ ملا۔ ان سب کے علاوہ بہت سارے انگریزی ناول نویسوں کے ناول بھی پڑھنے کے مواقع ملتے رہے۔

غالباً اسی ادبی شوق کا نتیجہ تھا کہ کالج کے میگزین ''المنار'' کے اردو حصہ کی ایڈیٹری کیلئے مجھے چنا گیا۔ اس میگزین میں میرا پہلا مضمون خوشحال خان خٹک کی شاعری پر تھا، جو بہت پسند کیا گیا۔ بعد میں مولانا ابو العطاء صاحب نے اپنے مشہور علمی رسالہ'' الفرقان'' کے Editorial Board میں بھی مجھے شامل کرلیا اور اس رسالہ کیلئے بھی میں نے کئی مضامین لکھے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل مجھ پر یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاری کردہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کا بھی مجھے شرف حاصل ہوا۔الحمدللہ۔

1965ء میں جب میں لندن میں تھا تو مجھے خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب، سوائے چند ایک کے، اردو میں ہیں اور اسی لحاظ سے اردو زبان کی ترویج و اشاعت جماعت کا فرض ہے۔ان دنوں انگلستان میں سوائے دو ایک ادبی محفلوں کے اور کوئی بھی تنظیم اردو ادب کے فروغ کے سلسلہ میں نہیں تھی۔ایک بزم ''تفریح'' ہوا کرتی تھی۔جس کے ماہانہ اجلاس وکٹوریہ کے ایک ہال میں ہوا کرتے تھے اس کے کرتا دھرتا چوہدری اکبر علی نامی تھے۔یہ محفل کلیۃً ادبی نہیں تھی بلکہ ایک حلقہ احباب سا تھا۔محفل کا کوئی ایجنڈا نہیں تھا۔محترم چوہدری اکبر علی صاحب کرسیٔ صدارت پر بیٹھ جاتے تھے اور حاضرین کو کھلی دعوت دیتے تھے کہ جو بھی سنانا چاہے آجائے۔زبان کی کوئی پابندی نہ تھی۔انگریزی، اردو، پنجابی سبھی زبانوں میں کاروائی چلتی رہتی تھی۔بغیر ایجنڈا کے جس کا جو جی چاہتا نظم یا غزل سناتا رہتا۔کوئی مضمون لکھا ہوتا تو وہ سنانا شروع کر دیتا، کوئی لطائف سنانا شروع کر دیتا تو کوئی موسیقی اور گانے سناتا۔غرض یہ محفل دو تین گھنٹے تک چلتی رہتی آخر میں چوہدری اکبر علی صاحب اپنے پاس سے خرچ کر کے چائے پانی سے مہمانوں کی تواضع کرتے۔

1965ء میں خاکسار نے ایک بزم شعر و ادب یعنی Urdu Literary Society کی بنیاد ڈالی اور میں ہی اس کا بانی صدر بنا۔مکرم لئیق احمد صاحب طاہر، جو ان دنوں میرے ساتھ نائب امام تھے، اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔بزم کا پہلا اجلاس مسجد کے ہال میں ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ بزم کا اجلاس ماہانہ ہوگا۔انگلستان کے شعراء اور ادیبوں کو اس میں دعوت دی جائے گی، مشاعرے منعقد کئے جایا کریں گے اور اردو ادب پر مضامین پڑھے

جائیں گے۔ نیز یہ بزم تمام مذاہب وملت کیلئے عام ہوگی اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اجلاس کے بعد چائے وغیرہ کے اخراجات کا بوجھ مشن پر نہ ڈالا جائے گا بلکہ چند دوست مل کر باری باری اس کے اخراجات کا بوجھ اٹھائیں گے۔

بزم کا آغاز نہایت کامیابی سے ہوگیا۔ ابتدائی اجلاسات میں انگلستان کے بعض معروف ادیبوں اور شعراء نے اپنے مضامین اور اشعار پیش کئے۔ ''علامہ اقبال کی شاعری'' پر جناب محمد شریف بقا نے ایک مقالہ پیش کیا جو بہت پسند کیا گیا۔ بعد کے اجلاسات میں مشہور انگریز اردو ادیب Rolph Russel نے غالب کی شاعری پر اپنا مقالہ پڑھا اور اپنی زندگی کے حالات اردو زبان میں سنائے۔ اردو نعت کے موضوع پر ہادی علی چوہدری صاحب نے مقالہ پیش کیا۔ بزم نے کئی بین الاقوامی مشاعرے بھی پیش کئے جس میں انگلستان کے علاوہ برصغیر کے نامور شعراء نے اپنے کلام پیش کئے۔ ان میں جناب ثاقب زیروی، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب نسیم سیفی، جناب عبیداللہ علیم، جناب سلیم شاہجہانپوری اور جناب چوہدری محمد علی صاحب نے اپنے کلام سنائے۔ انگلستان کے تقریباً تمام مشہور و معروف شعراء نے ان مشاعروں میں شرکت کی اور ان سے جماعت کے بھی مضبوط تعلقات قائم ہوئے۔

ان مشاعروں کو کامیاب بنانے میں مکرم ناظم خان غوری صاحب، مکرم منصور احمد بی ٹی صاحب، مکرم بشیر احمد سامی صاحب مرحوم، مکرم ارشد باقی صاحب اور مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب نے بہت مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مکرم ناظم غوری صاحب ایشین elderly سوسائٹی کے سیکرٹری بھی ہیں اور ان کا حلقہ احباب بہت وسیع ہے۔ حال ہی میں برصغیر کے elderly لوگوں کی خدمات کے سلسلہ میں انہیں M.B.E کا

خطاب بھی ملا ہے۔انہوں نے اپنے تعلقات کا استعمال ہماری بزم کو کامیاب بنانے میں خوب کیا۔اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزادے۔آمین۔

بزم کے بعض مشاعروں کی اطلاع اخبار جنگ میں بھی شائع ہوتی رہی ہے اور روزنامہ ''الفضل'' ربوہ میں بھی بعض مجالس اور مشاعروں کی رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جماعت میں مجھے چند شعراء صاحبان نے بتایا کہ ان کی شاعری کو اس بزم نے ترقی دی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی سے انہوں نے شاعری کے میدان میں قدم بڑھایا ہے۔

یہ بزم ''شعروادب'' اب بھی قائم ہے اور شروع سے لے کر اب تک میں ہی اس کا صدر ہوں۔سیکرٹری صاحبان البتہ بدلتے رہتے ہیں۔مکرم لئیق احمد طاہر صاحب کے بعد مکرم منصور احمد صاحب بی ٹی اور مکرم بشیر الدین صاحب سامی بھی اس کے سیکرٹری رہے ہیں۔

بزم شعروادب برطانیہ کا ایک تاریخی مشاعرہ 1972ء میں منعقد ہوا۔اس کی کہانی کچھ یوں ہے کہ اس سال جب خلیفۃ المسیح الثالثؒ اپنے دورہ کے سلسلہ میں انگلستان تشریف لائے تو خاکسار نے ان سے اس بزم کا اور اس کی کارگزاری کا تذکرہ کیا۔حضورؒ نے اسے بے حد پسند فرمایا اور اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا کہ حضورؒ انگلستان کے چیدہ چیدہ شعراء سے ملنا پسند فرمائیں گے۔خاکسار نے عرض کیا کہ اگر حضورؒ اجازت دیں تو میں بزم شعروادب کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ کا انتظام کرلوں گا جس میں حضور انورؒ سے بھی شرکت کی درخواست ہے۔حضورؒ نے از راہ شفقت اس کی اجازت دے دی۔

مکرم جناب ناظم خان غوری صاحب،مکرم منصور بی ٹی صاحب اور مکرم بشیر الدین

سامی صاحب مرحوم کی مدد سے اس مشاعرہ کا انعقاد محمود ہال میں ہوا۔ برطانیہ کے ایک درجن کے قریب مشہور و معروف شعراء شریک ہوئے جن میں مسلمان شعراء کے علاوہ ہندو اور سکھ شعراء بھی شامل ہوئے۔مشاعرہ کے دوران سارا وقت حضورؒ بھی تشریف فرما رہے۔اچھے اشعار پر داد بھی دیتے رہے اور بعض شعراء کو بطور تحفہ فاؤنٹین پین بھی عطا فرمائے۔حضورؒ کو بالخصوص میرے بہت قریبی دوست شاعر جناب بخش لائلپوری صاحب کا کلام بہت پسند آیا۔حضورؒ نے دو تین مرتبہ انہیں سٹیج پر بلا کر ان کا کلام سنا اور اپنے زیر استعمال قیمتی فاؤنٹین پین انہیں عنایت فرمایا۔ جناب بخش لائلپوری صاحب مرحوم سے میرے بہت گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔مرحوم "Progressive Writers Association" برطانیہ کے صدر بھی تھے اور 1974ء میں جب پاکستان میں جماعت احمدیہ کی مخالفت کا طوفان اٹھا تو بخش صاحب نے علماء پاکستان کی مذمت میں چند نظمیں بھی کہیں جو بعض اردو اخبارات میں شائع بھی ہوئیں۔حضورؒ نے جناب سوہن راہی صاحب کی مترنم پڑھی گئی نظموں کو بھی بہت پسند فرمایا۔

مشاعرہ کے اختتام پر حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس بزم کو ضرور جاری رکھا جائے اور اس کیلئے کچھ رقم اپنی جیب سے بھی عنایت فرمائی۔

بزم کے ایک مشاعرہ میں ہندو پاک کے ایک مشہور و ممتاز شاعر جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے بھی شرکت کی اور اپنا کلام پیش کیا جسے بہت سراہا گیا۔جگن ناتھ آزاد ہندو پاکستان کے ادبی حلقوں اور شعراء میں ایک خاص اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ان کی وجہ سے اس مشاعرہ میں برطانیہ کے مشہور و معروف شعراء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔'جناب ثاقب زیروی کے ساتھ ایک شام' کے عنوان سے ایک بین الاقوامی مشاعرہ بھی بزم کے زیر

اہتمام منعقد ہوا اور نہایت کامیاب رہا۔اس مشاعرہ میں برطانیہ بھر سے شعراء نے شرکت کی۔

بزم شعروادب،لندن کا ایک اجلاس

از :چوھدری منصور احمد- سیکرٹری

بزم شعروادب لندن کا آغاز آج سے پانچ سال قبل محترم بشیراحمد رفیق صاحب نے کیا۔وہی اس کے بانی صدر بھی ہیں۔خاکسار کواس کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔بعد میں محترم ناظم غوری صاحب اس کے نائب صدر مقرر ہوئے۔بزم کے مقاصد میں انگلستان میں اردؤ زبان کا فروغ اور انگلستان میں پروان چڑھنے والی نئی ایشین نسل کو اردؤ زبان اور مشرقی اقدار اور لٹریچر سے روشناس کروانا بھی شامل ہے۔بزم میں وقتاً فوقتاً مقالے پڑھے جانے کے علاوہ مشاعروں کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔پچھلے سالوں میں متعدد سالانہ بین الاقوامی مشاعرے منعقد کئے گئے ہیں،جن کا تذکرہ اخبار''جنگ''،اخبار''ملت''لندن وغیرہ میں بھی ہوا۔ان مشاعروں میں بطور مہمان خصوصی محترم ثاقب زیروی صاحب،جناب نسیم سیفی صاحب،جناب چوہدری محمد علی صاحب اور جناب جگن ناتھ آزاد بھی شامل ہوئے۔مقامی شعراء میں جناب بخش لائلپوری صاحب،جناب بلبل کاشمیری صاحب،جناب خواجہ محمود الحسن صاحب اور جناب ناصرالیاس دہلوی صاحب وغیرہ شامل ہوتے رہے۔بزم نے جناب رالف رسل صاحب کے ساتھ ایک شام بھی منائی۔جناب رالف رسل صاحب انگریز ہیں اور اردؤ ادب میں انکا مقام بہت بلند ہے۔آپ نے غالب پر کتب بھی لکھی

ہیں۔

مورخہ 28 مئی 1992ء کو بزم کا اجلاس جناب آفتاب احمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ برطانیہ کی زیرصدارت منعقد ہوا۔تلاوت مکرم اسلم جاوید صاحب نے کی اور نظم محترم جمیل قریشی صاحب آف سکھیکی نے پڑھی۔آپ نے کینیڈا کی محترمہ راشدہ صاحبہ کی نظم، جوانہوں نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں بھجوائی تھی، پڑھ کر سنائی۔ اس نظم کے دوتین اشعار پیش خدمت ہیں:

ترا غم کیسے بتاؤں! میرے غمگسار کہنا
تجھے کیسے دوں تسلی میرے سوگوار کہنا
میرے آنسوؤں کی اب تک تھی پناہ تیرا دامن
مجھے تاب کب ہے دیکھوں تجھے اشکبار کہنا
جو گزر رہی تجھ پر جو گزر رہی ہے ہم پر
جو بھرا ہوا ہے دل میں ہے زباں پہ بار کہنا
وہ شہید ناز ایسے تری انجمن سے نکلا
کہ تڑپ رہے ہیں لاکھوں سرکوئے یار کہنا
جو نگین تاج شاہی کی طرح سجا ہوا تھا
کہیں کھو گیا ہے ہم سے وہ دُر آب دار کہنا
تھی اُس کی چیز اِس کو اُسی سمت لوٹنا تھا
وہی چارہ ساز دے گا صبر و قرار کہنا

اس پُرسوز نظم نے دلوں کو گداز کر دیا۔

اسی نشست میں محترم بشیر احمد رفیق صاحب نے اپنا مقالہ ''اسلامی معاشرت اور مغرب'' پیش فرمایا۔مقالہ میں مضمون نگار نے مغربی اور اسلامی معاشرہ کا تقابلی جائزہ پیش کیا اور جن امور میں ان دونوں معاشروں میں تصادم ہو رہا تھا، ان کی نشان دہی کی۔آپ نے بالخصوص اس بات پر زور دیا کہ یورپ میں پروان چڑھنے والی ہماری نئ نسل ایک دوراہے پر کھڑی ہے اور رہنمائی اور ہدایت کیلئے ہماری طرف دیکھ رہی ہے۔یہ ضروری ہے کہ ان کے مسائل کو حل کیا جائے اور ان کی مناسب رہنمائی کی جائے۔ان کے سوالات کا کھلے دل سے جواب دیا جائے اور انہیں کسی بھی صورت میں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔مکرم بشیر احمد رفیق صاحب نے اعداد و شمار کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا کہ مغرب دن بدن ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب مغرب کی نجات اس بات میں ہے کہ وہ اسلامی اصولوں اور طرز معاشرت کو اپنائیں۔

آپ نے اپنے مقالہ میں یورپ کو درپیش مسائل مثلاً میاں، بیوی کے تعلقات، رنگ ونسل کے امتیاز کا مسئلہ، ایڈز کی وبا اور اس سے ہونے والی ہلاکت اور جنسی بے راہ روی وغیرہ پر تفصیلی بحث کی۔

مکرم صدر صاحب مجلس محترم آفتاب احمد خان صاحب نے مقالہ پڑھے جانے کے بعد جناب میجر ریٹائرڈ منظور احمد صاحب آف ساہی وال کی ایک نظم ''دکھ دی ونڈ'' پڑھ کر سنائی۔حاضرین اس نظم کے ہر شعر پر داد دیتے رہے اور نظم کے آخر پر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ محترم میجر صاحب کا شکریہ ادا کیا جائے۔یہ نظم انہوں نے مکرم بشیر احمد رفیق صاحب کو بھجوائی تھی اور اس کا موضوع حضرت سیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی وفات تھا۔اس نظم کے دو آخری بند یہ ہیں:

ساجن کی نگری سے آج درد سنیہا آیا ہے
اب اُس پیار کی بستی پر غم کا گہرا سایہ ہے
پھول سا ہر اک چہرہ واں مرجھایا مرجھایا ہے
رنگ خزاں کا چھایا ہے
ساجن جی یہ کہتے ہیں یہ ایشر کی لیلا ہے
اس کی اچھیا پرواری سارے جگ کی اچھیا ہے
اب بھی یہ دکھیارا من گیت اسی کے گاتا ہے
شکر زباں پر لاتا ہے

بزم کا دوسرا حصہ محفل مشاعرہ کیلئے مخصوص تھا۔ جناب الیاس ناصر دہلوی صاحب، جناب چوہدری عبدالکریم صاحب، جناب ہاشم سعید صاحب، جناب اجمل غوری صاحب اور خاکسار نے اپنا اور دیگر شعراء کا کلام سنایا۔ آخر میں مکرم محمد ناظم خان غوری صاحب نائب صدر اور خاکسار نے بزم کی ترقی اور اسے مقبول بنانے کے سلسلہ میں تجاویز پیش کیں۔ بزم کی کاروائی کا اختتام بشیر احمد رفیق صاحب نے حاضرین، شعراء اور امیر صاحب محترم آفتاب احمد خان صاحب کے شکریہ کے ساتھ کیا۔

حاضرین کی خدمت میں موسم کی مناسبت سے مشروبات پیش کی گئیں۔

(الفضل 16 جون 1992ء)

"دُکھ دی ونڈ"

﴿کلام : میجر منظور احمد صاحب آف ساھی وال﴾

(یہ نظم جناب میجر منظور احمد صاحب آف ساہی وال نے حضرت نواب منصورہ بیگم صاحبہؓ کی وفات پر لکھی تھی اور محترم جناب آفتاب احمد خان صاحب مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ، برطانیہ نے بزم شعر و ادب کے ایک اجلاس میں پڑھ کر سنائی تھی۔)

کتنے دامن پھیلے تھے		کتنی آنکھیں بھیگی تھیں
کتنے لمحے بیتے تھے		کتنی آسیں جاگی تھیں
کتنے جذبے مچلے تھے		کتنی دعائیں مانگی تھیں

سچے دلوں سے نکلی تھیں

جب ساجن کی نگری سے		سکھ سندیسے آتے تھے
سکھ سندیسے آ آ کر		سجدوں کو مہکاتے تھے
چاند اُمیدوں کے اُس دم		بام و در کو سجاتے تھے

حمد سے دل بھر جاتے تھے

ہائے اب اُمیدوں کا		یہ موسم بھی بیت گیا
ایک پیارے ساجن کے		من مندر کا میت گیا
گیت جو دل میں رہتا تھا		میت گیا تو گیت گیا

ہم ہارے وہ جیت گیا

ساجن کی نگری سے آج		درد سنیہا آیا ہے
اب اُس پیار کی بستی پر		غم کا گہرا سایا ہے
پھول سا ہر اک چہرہ واں		مرجھایا مرجھایا ہے

رنگ خزاں کا چھایا ہے

ساجن جی یہ کہتے ہیں		یہ ایشر کی لیلا ہے
اُس کی اچھیا پر واری		سارے جگ کی اچھیا ہے
اب بھی یہ دکھیارا من		گیت اُسی کے گاتا ہے

شکر زباں پر لاتا ہے

سفراء، وزراءاورعمائدین کودعوت

انگلستان مشن کا چارج سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد میں نے محسوس کیا کہ ہمیں عام تبلیغ اور جماعت کی تربیت کے علاوہ انگلستان میں جماعت کے وقار کو بلند کرنے کیلئے بیرونی ممالک کے لندن میں مقیم سفراء اور باہر سے آنے والی اہم شخصیات اور ملکی عمائدین سے بھی تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ چنانچہ اس کیلئے ایک جامع پروگرام ترتیب دیا گیا جس کے خاص نکات یہ تھے:

1. جو سفراء لندن میں مقیم ہوں ان سے مضبوط تعلقات استوار کئے جائیں تاکہ وہ اپنے اپنے ملک کی حکومتوں کو ہمارے بارے میں اچھی رپورٹیں دے سکیں اور ان کے ممالک میں اگر خدانخواستہ کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو لندن میں ان کے سفیر کے ذریعہ ہم اپنی آواز ان تک پہنچا سکیں۔

2. بیرونی ممالک سے آنے والے وزرائے اعظم، وزراء اور دانشوروں کو مسجد میں مدعو کیا جائے۔ انہیں انگلستان میں کئے جانے والے جماعتی کاموں سے متعارف کرایا جائے اور اگر ان کے ذہن میں کوئی غلط فہمی ہو تو اسے دور کیا جائے۔

3. برطانیہ کے اہم لوگوں مثلاً ایم پی، پولیس افسران، دانشوروں، میئرز وغیرہ سے مضبوط تعلقات استوار کئے جائیں۔ انہیں جماعتی لٹریچر مہیا کیا جائے اور ان سے تعاون کرنے کی جماعتی طور پر پیش کش کی جائے۔

مندرجہ بالا نکات کے ماتحت یہ پروگرام بنا کہ برطانیہ میں مقیم سفیروں سے ملاقاتوں کا وقت لے کر ان سے ملا جائے۔ انہیں جماعتی لٹریچر پیش کیا جائے اور ان کے ملکوں میں

جماعت جو کام کر رہی ہے اس سلسلہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔

چنانچہ اس پروگرام کے ماتحت مختلف وفود کو ساتھ لے کر میں نے جن سفیروں سے ملاقاتیں کیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

سفیر پاکستان، ہندوستان، ماریشس، گھانا، نائیجیریا، چین، روس، پولینڈ، لائبیریا، ترکی، شام، سیرالیون، گیمبیا و امریکہ وغیرہ۔

ان ملاقاتوں کے بہت سے اعلیٰ نتائج برآمد ہوئے۔ بطور مثال ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 1967ء سے لے کر اپنی خلافت کے آخر تک یورپ کے آٹھ دورے کئے۔ ان میں سے سات دوروں میں خاکسار ان کے قافلہ میں شامل رہا۔ دو دفعہ دوروں میں بطور پرائیویٹ سیکرٹری شامل رہا۔ جب حضورؒ دوسری مرتبہ انگلستان کے دورے پر تشریف لا رہے تھے تو ہمیں خیال پیدا ہوا کہ کوشش کر کے حضور اقدسؒ کیلئے V.I.P لاؤنج حاصل کیا جائے تا کہ حضورؒ اور قافلے کو امیگریشن اور کسٹم کے تکلیف دہ مراحل میں سے نہ گزرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں جب برٹش ایئر پورٹ اتھارٹی سے بات کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ V.I.P کے Status کے حصول کیلئے بڑی لمبی کارروائی کرنی ہوتی ہے جس میں جس ملک کی شخصیت کو بطور V.I.P استقبال کی سہولت دینی ہوتی ہے، اس میں اس ملک کی رضامندی حاصل کرنی بھی ضروری ہوتی ہے۔ مجھے یہ سلسلہ خاصہ دقت طلب معلوم ہوا اور یہ بھی یقینی نہیں تھا کہ حکومت پاکستان اس سلسلہ میں ہماری مدد بھی کرے گی یا نہیں۔ انہی دنوں میری ملاقات گیمبیا کے سفیر سے ہوئی۔ وہ بڑے تپاک سے پیش آئے۔ ان کا نام مسٹر Jeneeh تھا۔ گیمبیا میں مشن کو رجسٹرڈ کرانے میں انہوں نے جماعت کی بہت مدد کی تھی۔ میں نے ان سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پیش آمدہ دورہ

کا ذکر کیا۔انہوں نے بتایا کہ وہ خود حضورؒ کے استقبال کیلئے ائیر پورٹ جائیں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی ملک کا سفیر کسی کو لینے ائیر پورٹ جائے تو انہیں V.I.P لاؤنج کی سہولیت ملتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ جس دن حضورؒ لندن تشریف لائیں گے اس دن کیلئے V.I.P لاؤنج بک کرایا جائے۔اس کے بعد حضورؒ کے جتنے بھی دورے ہوئے گیمبیا کے سفیر صاحب کی معرفت یہ لاؤنج بک ہوتے رہے اور جماعت کیلئے بے حساب سہولت پیدا ہوتی رہی۔الحمدللہ۔

گمبیا کے سفیر صاحب متعدد مواقع پر مسجد بھی تشریف لاتے رہے۔دو مرتبہ خاکسار کی دعوت پر کھانے پر بھی تشریف لائے۔انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے بھی انہیں بیحد عقیدت تھی۔

سفرائے پاکستان سے بھی میں نے متعدد ملاقاتیں کیں اور ان سے بے حد خوشگوار تعلقات استوار کئے۔

1972ء میں جب پاکستانی سفیر صاحب کی تبدیلی سوئٹزلینڈ میں ہوئی تو خاکسار نے انہیں مسجد میں الوداعی ڈنر بھی دیا۔ پاکستان ایمبیسی کی تمام اہم تقریبات میں وہ خاکسار کو مدعو کرتے تھے۔اس ڈنر کے تعلق سے مندرجہ ذیل خبر رسالہ مسلم ہیرالڈ میں شائع ہوئی:

Farewell Dinner to
Pakistan Ambassador

On Friday the 23rd June 1972, a farewell party was given by the London Mission to His Excellency Mohammad Yousaf Khan the ambassador of Pakistan in UK on the occasion of His Excellency transfer to Switzerland. The party was attended by His Worshipul the Mayor of

Wandsworth, Their Excellencies the High Commissioners of Ghana, Gambia and Nigeria and by seventy members of the community. Other guests included the manager of PIA and Mrs. Senkyi, the wife of the High Commissioner of Ghana, and Mr. Standing.

After the dinner the gathering was addressed by His Worshipul the Mayor of Wandworth, Mrs. J.D Standing. She spoke for some time on the London Mosque and the beautiful Mission building and her first impression of this important centre of the Ahmadiyya Comunity. Mr. B.A Rafiq, the Imam, then, in his address welcomed Their Excellencies and all other guests besides the chief guest of the evening Mohammad Yousaf Khan. He briefly spoke on the history of Ahmadiyya Mission, its activities abroad and the part played by the London Mosque in furthering the cause of Islam.

1968ء میں ہز ایکسی لینسی سر ایف ایم سنگھاٹے گورنر جنرل گیمبیا لندن تشریف لائے۔خاکسار نے ان سے ملاقات کی اور انہیں مسجد آنے کی دعوت دی۔آپ احمدی تھے۔ فرمایا ہم تو خود مسجد آنا چاہتے تھے اچھا ہوا تم نے بھی دعوت دے دی۔چنانچہ آپ جمعہ کے روز مسجد تشریف لے آئے۔خاکسار نے خطبہ جمعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا ذکر کیا کہ ’’بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے‘‘اور گورنر جنرل صاحب کو اس پیشگوئی کا مصداق بننے پر مبارک باد پیش کی۔آپ کے ساتھ گیمبیا کے دیگر وزراء بھی تھے۔

شام کو ان کے اعزاز میں خاکسار نے ڈنر دیا جس میں گیمبیا کے وزراء، سفیر اور ایمبیسی کے سٹاف کے علاوہ لوکل ایم پی اور انگریز معززین بھی شامل ہوئے۔ خاکسار نے ڈنر کے اختتام پر معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر گورنر جنرل صاحب نے اپنی تقریر میں جماعت احمدیہ برطانیہ کی مساعی کو سراہا اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے انہیں احمدیت کی نعمت سے نوازا ہے۔

1965ء میں سیرالیون کے وزیر تعلیم انگلستان تشریف لائے۔ خاکسار ان کے ہوٹل پر ان کی ملاقات کیلئے گیا اور انہیں مسجد تشریف لانے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ چنانچہ آپ سیرالیون کے سفیر اور سٹاف کے ساتھ مسجد تشریف لائے جہاں ان کے اعزاز میں ڈنر کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر خاکسار نے انہیں جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے خوش آمدید کہا اور سیرالیون میں تعلیم کے میدان میں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا۔ وزیر صاحب نے جواباً فرمایا کہ وہ سیرالیون میں جماعت کے مبلغ انچارج جناب بشارت احمد صاحب بشیر کے ذاتی دوستوں میں سے ہیں اور جماعت احمدیہ سیرالیون نے تعلیم کے میدان میں جو خدمات کی ہیں ان کے معترف ہیں اور اپنے ملک کی طرف سے جماعت کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

1965ء میں ماریشس کے پہلے وزیر اعظم سر رام غلام انگلستان تشریف لائے۔ خاکسار ان سے ملنے ان کے ہوٹل گیا۔ بڑی تپاک سے پیش آئے اور ماریشس میں جماعتی خدمات کو بڑے زوردار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ اس موقعہ پر ماریشس کے سفیر بھی موجود تھے۔ آپ نے سفیر صاحب کو ہدایت کی کہ آئندہ ماریشس ایمبیسی کی طرف سے جو بھی تقریبات لندن میں منعقد ہوں، ان میں امام صاحب کو ضرور بلایا جائے۔

اس موقع پر تصاویر بھی لی گئیں جو تفصیلی رپورٹ کے ساتھ رسالہ مسلم ہیرالڈ May 1966 میں شائع ہوئیں۔

1975ء میں خاکسار نے پولینڈ کے سفیر کو مسجد میں ڈنر پر مدعو کیا۔ چنانچہ آپ بمع اپنے سٹاف کے تشریف لائے۔ انہیں خاکسار نے اپنی تقریر میں جماعتی کاموں اور بالخصوص خدمت خلق کے میدان میں کئے جانے والے کام سے آگاہ کیا۔ سفیر صاحب نے اپنی تقریر میں خاکسار کو پولینڈ آنے کی دعوت دیتے ہوئے ہر ممکن مدد دینے کا دورے میں یقین دلایا۔ ان سے بعد میں بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

انگلستان کے عمائدین، ایم پی وغیرہ، جن سے ہم نے مضبوط تعلق پیدا کیا، کا ذکر تفصیل چاہتا ہے جو میری اس سوانح کا حصہ نہیں۔ جماعتی تاریخ میں ان کا ذکر ضرور آئے گا انشاءاللہ۔ انگلستان کے جلسہ سالانہ کی بعض نشستوں کی صدارت کیلئے خاکسار نے ایم پی، لارڈز اور دانشوروں کو مدعو کیا جن میں جناب ٹام کاکس ایم پی بھی شامل ہیں۔

میرے نزدیک مبلغین کو تبلیغ و تربیت کے ساتھ ساتھ لوکل و بیرونی اہم شخصیات کے ساتھ تعلقات بڑھانے پر بھی زور دینا چاہئے۔ اس سے جماعت کو بہت سارے فائدے ملتے ہیں اور کسی نہ کسی وقت یہ تعلقات کام آجاتے ہیں۔

ایسے ہی مضبوط تعلقات کا جماعت کو میرے زمانہ امامت میں ایک فائدہ یہ بھی پہنچا کہ کوئین کی گارڈن پارٹیوں میں خاکسار کو دو مرتبہ شمولیت کی دعوت دی گئی۔ یہ پارٹیاں بکنگھم پیلس کے سبزہ زار میں منعقد ہوتی ہیں۔ جس میں ملکہ برطانیہ کے علاوہ رائل فیملی کے افراد، سفراء، وزراء اور عمائدین شامل ہوتے ہیں۔ ان مواقع پر قدرتاً تبلیغ اور احمدیت کو متعارف کروانے کے کئی مواقع نصیب ہوتے رہے۔ فالحمدللہ۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سے تعلقات

1953ء میں خاکسار لاہور میں کالج کی آخری کلاس کا طالب علم تھا۔فروری 1953ء میں لاہور میں بالخصوص اور پنجاب میں بالعموم جماعت احمدیہ کے خلاف فسادات بھڑک اٹھے۔ان فسادات کو برپا کرنے میں جماعت احرار پیش پیش تھی جنہیں پنجاب کی حکومت کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کا تعلق پنجاب کے ایک متمول جاگیردار گھرانے سے تھا۔ ان کے والد جناب میاں احمد یار خان صاحب دولتانہ کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔خود میاں ممتاز محمد خان دولتانہ آکسفورڈ میں طالب علمی کے دوران حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے کلاس فیلو رہ چکے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔میاں ممتاز محمد خان دولتانہ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ یعنی پنجاب کے وزیراعلیٰ منتخب ہوئے۔پنجاب کا زمین دار اور جاگیردار طبقہ ان کی پشت پر تھا۔میاں ممتاز محمد دولتانہ کے دل میں بار بار یہ خواہش اٹھتی تھی کہ وہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیں کہ بالآخر وہ ملک کے وزیراعظم بن سکیں۔اس خواہش کی تکمیل کی ایک صورت انہیں یہ نظر آئی کہ مجلس احرار پاکستان جو جماعت احمدیہ کی ازلی دشمن تھی ،کی مدد حاصل کی جائے۔یہ لمبی داستان ہے اور میری سوانح کے ساتھ اس کو کوئی تعلق بھی نہیں۔مختصر یہ بیان کرنا تھا کہ 1953ء میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اپنے عروج پر تھے۔پنجاب ان کیلئے تنگ ہورہا تھا۔وہ چاہتے تھے کہ اِن کی اُڑان وزارت عظمیٰ، پاکستان تک پہنچے۔اس کیلئے انہوں نے ہر اصول کو قربان کرنے کا تہیہ کرلیا تھا۔لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔1953ء

میں احراری شورش کے نتیجہ میں اگر چہ احمدی املاک اور نفوس کو نقصان تو پہنچا لیکن بحیثیت مجموعی جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے جلد فسادات کے اثر سے نکل آئی اور شاہراہ ترقی پر رواں دواں ہوگئی۔لیکن فسادات کی آگ نے میاں ممتاز محمد دولتانہ اور مجلس احرار پاکستان کو نیست و نابود کر دیا۔میاں صاحب پاکستان کی وزارت عظمیٰ کے خواب دیکھتے دیکھتے پنجاب کی وزارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور سیاسی زوال ان کا مقدر بنا۔

1970ء کی دہائی میں جب ذوالفقار علی بھٹو صاحب اقتدار میں آئے تو ان دنوں دولتانہ صاحب مسلم لیگ کے سربراہوں میں سے تھے۔بھٹو صاحب نے ان کو راستہ سے ہٹانے کیلئے انہیں انگلستان میں سفارت کی پیشکش بھی کی جو دولتانہ صاحب نے منظور کر لی۔اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ دولتانہ صاحب عنقریب انگلستان میں پاکستان کے ہائی کمشنر کے طور پر چارج سنبھالنے کیلئے لندن روانہ ہورہے ہیں۔

ان دنوں جماعت احمدیہ برطانیہ کے تعلقات پاکستانی سفارت خانہ سے بے حد خوشگوار تھے۔پاکستانی سفراء خاکسار کی دعوت پر مسجد فضل لندن میں بھی تشریف لاتے رہے اور پاکستان ایمبیسی کی تمام تقریبات میں خاکسار کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔

جب دولتانہ صاحب کی تقرری کی خبر اخبارات میں چھپی تو مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ دولتانہ صاحب نے 1953ء میں جماعت کے خلاف جو کردار ادا کیا تھا اس کے پیش نظر ہم پاکستان ہائی کمیشن سے سابقہ تعلقات شاید استوار نہ رکھ سکیں گے۔ان حالات کے پیش نظر خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا اور حضورؒ سے دریافت کیا کہ میاں ممتاز دولتانہ سے ہم کسی قسم کا رابطہ رکھیں یا نہ۔حضورؒ نے جواب دیا کہ میاں ممتاز دولتانہ نے جو کچھ 1953ء میں کیا اس کی سزا انہیں اللہ تعالیٰ نے دے دی ہے۔ہم کسی کے

دشمن نہیں ہیں۔ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔تمہیں اجازت ہے کہ بے شک میاں ممتاز دولتانہ صاحب سے رابطہ رکھو۔اگران کا رویہ اب بدلا ہوا ہواور وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سے تعلقات پر پابندی ہو۔

میاں ممتاز دولتانہ صاحب جب لندن تشریف لائے اور پاکستان ایمبیسی کا چارج سنبھالا تو خاکسار نے انہیں ایک خط لکھا جس میں انہیں برطانیہ کے سفیر بن جانے پر مبارک باد پیش کی اور ہر قسم کے تعاون کا جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے یقین دلایا نیز ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

دولتانہ صاحب نے خط ملنے پر خود فون کیا اور خط پر شکریہ کے اظہار کے علاوہ خاکسار کو ملاقات کی دعوت بھی دی۔

وقت مقررہ پر میں پاکستان ہائی کمیشن میں حاضر ہو گیا۔دولتانہ صاحب نے پر تکلف کافی کا انتظام کیا ہوا تھا۔بڑے تپاک اور خلوص سے ملے جو میرے لئے تعجب کا باعث تھا۔

دوران گفتگو دولتانہ صاحب نے فرمایا کہ آپ جانتے ہوں گے کہ میرے والد صاحب کے حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفہ المسیح الثانیؓ سے کس قدر گہرے مراسم تھے۔میرے والد صاحب ہر اہم معاملہ میں حضرت صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ کیا کرتے تھے اور وہ حضورؓ کی فراست و اعلیٰ قیادت کے معترف تھے۔چنانچہ ہمارے گھرانے میں اکثر قادیان کا چرچا رہتا تھا۔تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

دولتانہ صاحب نے فرمایا کہ جب میں آکسفورڈ تعلیم کے ارادے سے آنے لگا تو میرے والد صاحب مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لے گئے اور مجھے ان کے قدموں میں بیٹھنے کیلئے کہا۔مرزا صاحب نے اس بات کو پسند نہ فرمایا اور مجھے اپنے پاس

بٹھایا۔میرے والد صاحب نے حضورؓ سے کہا کہ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے جو سات سمندر پار جارہا ہے اور جس ملک میں جارہا ہے وہاں کی اخلاقی حالت قابل رشک نہیں ہے۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے کہ کہیں یہ انگلستان کی لادینی اور آزاد فضا میں اپنی ہندوستانی اور اسلامی اقدار کو نہ بھول جائے۔اس لئے آپ اس کیلئے دعا کریں۔

حضرت صاحبؓ نے فرمایا کہ میں انشاءاللہ دعا کروں گا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ لندن میں ہماری مسجد ہے آپ لندن پہنچ کر ان سے ملیں۔ وہ آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے میں آج ہی انہیں ہدایت بھجوا دوں گا۔

دولتانہ صاحب جب لندن پہنچے تو سیدھے پٹنی میں احمدیہ مسجد چلے گئے۔ جہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد امام مسجد فضل لندن نے ان کا استقبال کیا۔دولتانہ صاحب کہنے لگے کہ لندن میں میں نے اپنے ابتدائی چند ایام مسجد کے ایک کمرہ میں گزارے۔حضرت مولانا درد صاحب مجھے نصائح بھی کرتے اور انگریزی طرز معاشرت پر سیر حاصل تبصرہ بھی فرماتے۔جس سے میں بے حد متاثر ہوا۔چند دن بعد جب میں آکسفورڈ جانے لگا تو حضرت مولوی درد صاحب بھی میرے ساتھ گئے اور مجھے وہاں کالج کے ہوسٹل میں چھوڑ آئے اور فرمایا کہ تعطیلات میں لندن آکر میرے پاس قیام کیا کرو اور اگر کسی قسم کی کوئی ضرورت ہو تو بلا تکلف مجھے اطلاع دینا۔

چنانچہ اس کے بعد میں کئی مرتبہ لندن آکر مسجد میں ٹھہرتا رہا ہوں۔آکسفورڈ میں میری دوستی حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے ہوگئی۔میاں دولتانہ صاحب فرمانے لگے کہ میں جماعت اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا کہ میرے ابتدائی دور انگلستان میں انہوں نے مجھے مضبوط سہارا دیا۔

مجھے ان باتوں کا علم نہیں تھا اس لئے میاں صاحب کی باتیں سن کر میں بے حد حیران ہوا اور دل میں آیا کہ ان سے پوچھوں کہ پھر آپ نے اس احسان کا بدلہ 1953ء میں کس صورت میں دیا؟ لیکن میں خاموش رہا۔

چلتے چلتے میں نے جناب دولتانہ صاحب کو مسجد تشریف لانے کی دعوت دی جو انہوں نے فوراً قبول کر لی۔

مقررہ تاریخ پر جناب دولتانہ صاحب مسجد تشریف لائے۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد دولتانہ صاحب نے مسجد دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ انہیں مسجد دکھائی گئی۔

محمود ہال میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہال احمدی احباب سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد خاکسار نے استقبالیہ پڑھا جس میں دولتانہ صاحب کو مسجد تشریف لانے پر جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے خوش آمدید کہا۔

دولتانہ صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا کہ میں آج تجدید وفا کیلئے آیا ہوں اور پھر جو واقعات انہوں نے مجھ سے ملاقات میں بیان فرمائے تھے، وہ دہرائے۔ اسکے بعد انہوں نے پاکستانی سیاست پر عمومی تبصرہ کیا اور آخر میں کہا کہ میرے دروازے آپ لوگوں کیلئے ہر وقت کھلے ہوں گے۔ آپ کو کوئی بھی مشکل آئے تو میرے پاس آئیں۔ آپ مجھے ایک اچھا دوست اور خیر خواہ پائیں گے۔

یہ تقریب انتہائی کامیاب رہی ۔ مقامی انگریزی اخبارات کے علاوہ اخبار 'جنگ' لندن نے بھی کارروائی شائع کی۔ اخبارات نے جلسہ کی تصاویر بھی شائع کیں۔

دولتانہ صاحب سے ملنے کیلئے میں اکثر پاکستان ہائی کمیشن جاتا تھا۔ ان دنوں جناب ہدایت اللہ صاحب بنگوی سیکنڈ سیکرٹری تھے۔ آپ مخلص احمدی تھے اور ایک لمبے عرصہ سے

پاکستان کی فارن سروس میں تھے۔آپ بھی اکثر شریک محفل ہو جایا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دورۂ انگلستان کا پروگرام بنا تو خاکسار نے دولتانہ صاحب کو اس دورہ کی اطلاع دی۔ دولتانہ صاحب نے اصرار کیا کہ انہیں بھی حضورؒ کے اعزاز میں ایک دعوت طعام دینے کا موقعہ عطا کیا جائے۔حضورؒ کی تشریف آوری پر میں نے حضورؒ کی خدمت میں دولتانہ صاحب کی درخواست پیش کی تو حضورؒ نے خوشی کے ساتھ منظور فرمائی۔

دولتانہ صاحب نے اپنے گھر پر وسیع پیمانے پر اس دعوت کا انتظام کیا۔ پاکستان ہائی کمیشن کے افسران کے علاوہ اس دعوت میں حضورؒ کے ساتھ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ اور خاکسار نے بھی شرکت کی۔خواتین کیلئے پردہ کی مناسبت سے الگ انتظام تھا۔ حضرت بیگم صاحبہ اور خاکسار کی اہلیہ اور مسز سلام صاحبہ بھی اس دعوت میں شریک ہوئیں۔

1974ء میں جب پاکستان میں مجلس ختم نبوت کے علماء نے جماعت کے خلاف شورش برپا کی تو ان دنوں میاں دولتانہ صاحب لندن میں پاکستانی سفیر تھے۔انہیں اس شورش پر بڑی تشویش تھی اور مجھے متعدد مرتبہ بلا کر مجھ سے حالات پوچھتے تھے۔ایک ملاقات میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ملک میں ایک امن پسند جماعت کو یوں ستایا جا رہا ہے اور اس بات پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ بطور سفیر وہ ایک ایسی حکومت کی نمائندگی بھی کر رہے ہیں جو ایک ایسی جماعت یعنی مجلس ختم نبوت کی مدد کر رہی ہے جو پاکستان میں فسادات برپا کرنا چاہتی ہے۔

دولتانہ صاحب کو میں نے ایک خلیق اور منکسر المزاج شخص پایا۔ باوجود ایک انتہائی دولت مند جاگیردار خاندان میں پیدا ہونے کے اور پنجاب کے وزارت علیاء پر فائز رہنے

کے بھی، وہ ملنے ملانے میں کھلے دل کے مالک تھے۔ مجھ سے ہمیشہ پنجابی میں بات کرتے تھے۔ میں کبھی ہنس کر کہہ دیتا کہ میں پٹھان ہوں اور پنجابی زبان زیادہ نہیں جانتا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ پنجابی زبان میں ہی گفتگو کرتے تھے۔

خان عبدالقیوم خان وزیراعلیٰ صوبہ سرحد سے ملاقات

خان عبدالقیوم خان پاکستان کی تاریخ کے ایک اہم کردار رہے ہیں۔ پارٹیشن سے قبل یہ آل انڈیا کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر تھے۔ پاکستان بننے کے بعد صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ منتخب ہو گئے اور کئی سال تک انہوں نے صوبہ سرحد میں آہنی گرفت کے ساتھ بڑے دبدبے کے ساتھ حکومت کی اور صوبہ سرحد میں انقلابی اصلاحات کیں اور صوبہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ بعد میں انہیں مرکزی حکومت میں وزارت صنعت وتجارت دی گئی اور بھی کئی وزارتوں کا چارج ان کے پاس رہا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورحکومت میں انہیں وزیر داخلہ مقرر کیا گیا۔ آپ ایک شعلہ بیان مقرر تھے۔ پشتو، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں روانی سے تقریر کرتے تھے۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے کئی مرتبہ مجھ سے ان کی اعلیٰ انگریزی دانی کی تعریف کی تھی۔

1953ء میں جب احمدیوں کے خلاف شورش برپا ہوئی اور پنجاب اس کی زد میں آیا تو خان صاحب نے صوبہ سرحد میں اعلیٰ حکمت عملی اور مضبوط گرفت کے ساتھ کسی قسم کا فساد نہ ہونے دیا اور صوبہ سرحد باوجود بعض نامی فسادی علماء کا مرکز ہونے کے فساد اور شورش سے محفوظ رہا اور کسی احمدی کی جان و مال کو نقصان نہیں پہنچا۔

1967ء میں لندن کے اردو اخبارات میں جناب عبدالقیوم خان صاحب کی لندن

تشریف آوری کی خبر شائع ہوئی۔ میں نے خبر پڑھتے ہی پاکستان ہائی کمیشن سے خان صاحب کا لندن میں فون نمبر حاصل کیا اور انہیں فون کیا۔ اپنا تعارف بطور امام مسجد کرایا نیز انہیں یہ بھی بتایا کہ میں خان ثمین جان سابق وزیر تعلیم وجیل خانہ جات صوبہ سرحد کا بھتیجا ہوں جو مسلم لیگ حکومت میں چارسال وزارت کے عہدہ پر فائز رہنے کے علاوہ صوبہ سرحد کے مشہور لیڈر تھے۔ عبدالقیوم خان صاحب نے میرے انہیں اسطرح فون پر خوش آمدید کہنے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ میں نے ان سے ملاقات کی درخواست کی تو فرمانے لگے کہ جب چاہو چلے آؤ۔

اگلے دن میں ان کی ملاقات کیلئے حاضر ہوا۔ بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ اس کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے:

خان صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کی جماعت کا مداح ہوں اور بالخصوص آپ کے خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحبؓ سے بیحد متاثر ہوں۔ ہندوستان کے عظیم سیاسی میدان میں انکا کوئی پاسنگ نہ تھا۔ 1924ء میں مَیں لندن سکول آف اکنامکس کا طالب علم تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ مرزا صاحب انگلستان کے دورہ پر تشریف لا رہے ہیں تو میں نے فوراً پٹنی میں آپ کی جماعت سے رابطہ کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ فلاں تاریخ کو پہنچیں گے۔ چنانچہ اس تاریخ کو میں چند ہندوستانی طلباء کو ساتھ لے کر وکٹوریہ اسٹیشن پہنچا جہاں ان کی بوٹ ٹرین نے آنا تھا وہاں پٹنی مسجد کے امام صاحب اور جماعت احمدیہ انگلستان کے دوسرے عمایدین موجود تھے۔ نیز بہت سے انگریز معززین بھی آپ کے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ہم بھی استقبالیہ وفد کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رُکی۔ جب مرزا صاحب ڈبے سے باہر آئے تو میں نے نعرۂ

تکبیر بلند کیا۔ ہندوستانی طلباء نے اللہ اکبر کے ساتھ میرے نعرہ کا جواب دیا اور وکٹوریہ اسٹیشن نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا۔ بعد میں خاکسار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرزا صاحب نے میرے حالات دریافت کرنے کے بعد مجھے بیش قیمت نصائح سے نوازا۔

خان صاحب نے فرمایا کہ اُن دنوں آپ کے خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شہرت ہندوستان بھر میں ایک سیاسی مفکر کی بھی تھی اور ہم ہندوستانی طلباء انہیں بطور مذہبی رہنما ہی نہیں بلکہ ایک عظیم سیاسی مفکر اور لیڈر کے بھی دیکھتے تھے۔

خان صاحب نے فرمایا کہ 1953ء میں جب پورا پنجاب آپ کی جماعت کے خلاف فسادات کی لپیٹ میں آ گیا تھا تو میں ان دنوں صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ تھا۔ میں مجلس احرار کی خلافِ پاکستان سرگرمیوں سے خوب واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ یہ ساری شورش درحقیقت سیاسی ہے اور اسے مذہب کا لبادہ محض سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے پہنایا گیا ہے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو میں نے صوبہ سرحد کے احمدیوں کی جان و مال کی حفاظت کرنی ہے اور صوبہ سرحد میں کسی قسم کے شورش کے برپا ہونے کو آہنی ہاتھ سے روکنا ہے۔ چنانچہ میں نے صوبہ سرحد کے طول وعرض میں جلسے منعقد کر کے تقاریر میں ملاؤں کو وارننگ دی کہ اگر صوبہ سرحد میں کسی نے بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو اس سے سختی سے نپٹا جائے گا۔ میں نے بعض اخبارات، جو پنجاب سے شائع ہوتے تھے اور ملاؤں کا ساتھ دے رہے تھے، کا داخلہ صوبہ سرحد میں بند کر دیا اور جن ملاؤں سے شورش کا خطرہ تھا انہیں نظر بند کر دیا۔ انہی دنوں آپ کی صوبہ سرحد کی جماعت کے امیر قاضی محمد یوسف صاحب ایک وفد لیکر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ صوبہ سرحد میں ہر احمدی کی جان و مال کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے اس لئے وہ بے فکر ہو جائیں۔

خان صاحب سے یہ تفصیل سن کر میں نے ان کا دلی شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ میں اس ملاقات کا تفصیلی حال حضرت خلیفۃ المسیح ثالثؒ کو بھجوا دوں گا۔

خان صاحب نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو بھی خراج عقیدت و تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ سیاست کے میدان میں حضرت چوہدری صاحبؓ میرے رول ماڈل ہیں۔ میں نے ان جیسا دیانت دار، بااصول اور خوددار سیاست دان نہیں دیکھا۔ وہ قائداعظم کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے لیڈر تھے لیکن افسوس کہ ہماری قوم نے اُن کی قدر نہیں کی۔

میں نے جناب خان صاحب کو مسجد تشریف لانے کی دعوت جو انہوں نے بخوشی قبول کی لیکن اگلے دن اچانک انہیں پاکستان واپس جانا پڑا۔فون پر انہوں نے بہت معذرت کی۔

صدر پاکستان محمد ایوب خان سے ملاقاتیں

1962ء میں پاکستان کے صدر اور پہلے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان انگلستان کے دورہ پر تشریف لائے اور Claridges ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ جماعت احمدیہ برطانیہ نے بذریعہ تار انہیں خوش آمدید کہنے کے علاوہ اُن سے ملاقات کی بھی درخواست کی جو صدر صاحب نے قبول فرمائی اور ملاقات کے لئے وقت دیا۔حسب پروگرام جب جماعتی وفد جس میں یہ عاجز بھی شامل تھا، ہوٹل پہنچا تو معلوم ہوا کہ صدر صاحب نے اس دن کی تمام مصروفیات کسی انتہائی اہم وجہ سے منسوخ کر دی تھیں۔ جب ہمارا وفد ہوٹل پہنچا تو صاحب صدر کے ملٹری سیکریٹری نے فرمایا کہ صدر صاحب نے باقی

تمام ملاقاتیں تو منسوخ کردی ہیں لیکن جماعت احمدیہ کے وفد کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ وقت پر آجائیں ملاقات کے وقت کے تعلق سے اس وقت کے حالات کے مطابق فیصلہ کرلیں گے۔ چنانچہ ہم لوگ کمرۂ انتظار میں بیٹھ گئے۔ صدر صاحب کے کمرہ کے باہر بعض ٹی وی کے نمائندے، اخباری نمائندے اور بعض پاکستانی افسران کھڑے تھے۔ ہمیں یہ دیکھ کر یقین ہوگیا کہ ان حالات میں ملاقات ناممکن ہے اور اگر ملاقات نہ ہوسکی تو اس میں محترم صدر صاحب حق بجانب ہوں گے۔

مختصر سے انتظار کے بعد ملٹری سیکریٹری صاحب آئے اور فرمایا کہ صدر صاحب آپ کے وفد سے ملاقات کریں گے۔ ملاقات کا وقت دس منٹ سے زائد نہ ہو کیونکہ اخباری نمائندگان بھی صدر صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں محترم صدر محمد ایوب خان صاحب کے کمرہ میں ملاقات کیلئے لے جایا گیا۔ صدر صاحب نہایت تپاک سے ملے اور فرمانے لگے کہ پاکستان سے روانہ ہونے سے کچھ عرصہ قبل مجھے جماعت احمدیہ کی درخواست موصول ہوئی تھی کہ انہیں بیرونی ممالک میں بعض مساجد تعمیر کرنے کے سلسلہ میں زرمبادلہ کی ضرورت ہے۔ صدر صاحب نے فرمایا کہ جب یہ درخواست مجھے موصول ہوئی تو میں نے وزیر خزانہ کو بلا کر انہیں ہدایت کردی کہ یہ درخواست منظور کرلی جائے۔ اس پر وزیر خزانہ نے کہا کہ جناب! اگر احمدیوں کی درخواست منظور کی گئی تو مولوی صاحبان بہت شور مچائیں گے اور ممکن ہے وہ بھی زرمبادلہ کیلئے درخواستیں بھجوائیں جبکہ ہمارے پاس زرمبادلہ کی ان دنوں بہت کمی ہے۔ صدر صاحب فرمانے لگے کہ میں نے وزیر خزانہ کو کہا کہ جماعت احمدیہ ہی وہ واحد جماعت ہے جو دنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ کررہی ہے اور یہ تبلیغ کسی حکومت کی عطایا سے نہیں بلکہ غریبوں کے چندوں سے اکٹھی کی گئی رقوم سے ہوتی ہے۔

مولوی صاحبان نے باہر جا کر اسلام کی کیا خدمت کی ہے سوائے فتنہ وفساد کے! اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ جماعت کی درخواست منظور کی جائے اور اگر اس پر مولویوں نے شور مچایا بھی تو میں ان سے نپٹ لوں گا۔ نیز فرمایا کہ آپ لوگ جو خدمتِ اسلام افریقہ میں کر رہے ہیں میں اس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ اس لئے اپنے مرکز میں میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ افریقہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آپ کو جس قدر بھی زر مبادلہ درکار ہو، میں دینے کو تیار ہوں۔

دس منٹ گذرنے کے بعد ملٹری سیکریٹری صاحب نے دروازہ کھول کر ہمیں ملاقات ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ صدر صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا بھئی ان کے لئے کوئی چائے یا کافی لے آؤ اور ہمیں فرمایا آپ کو کوئی جلدی تو نہیں۔ ہم نے جواب دیا ہمیں تو کوئی جلدی نہیں البتہ آپ کی مصروفیات بالخصوص آج ایسی ہیں کہ ہم آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتے۔ صدر صاحب نے فرمایا کہ باہر صحافی حضرات ہیں وہ انتظار کر لیں گے آپ تشریف رکھیں۔ صدر صاحب نے پھر دریافت فرمایا کہ انگلستان میں سالانہ کتنے لوگ آپ کی تبلیغ کے نتیجہ میں اسلام میں داخل ہوتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد تو مختصر ہی ہوتی ہے لیکن اسلام کے بارہ میں جو غلط خیالات برطانوی عوام میں موجود ہیں اور مستشرقین اور پادریوں نے اسلام کی جو بھیانک تصویر پیش کی ہے، اس کا مقابلہ ہم خوب کر رہے ہیں اور اس میں ہمیں خاصی کامیابی بھی ہوتی ہے اور دن بدن عوام کے اذہان سے اسلام کے بارہ میں جو غلط فہمیاں موجود ہیں وہ دور ہوتی جاتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس مرحلہ کے بعد وہ دن بھی آجائے گا جب جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ صدر صاحب نے فرمایا کہ ان کی خواہش ہے کہ ہم افریقہ میں

اپنی کوششوں کو تیز تر کردیں تا وہاں اسلام زیادہ تیزی سے پھیلے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر ہم افریقہ کے بیشتر ممالک کو اسلام کے قلعے بنالیں گے تو انشاء اللہ بین الاقوامی فورم میں اسلام کی آواز مؤثر انداز میں پیش کی جاسکے گی۔ نیز فرمایا کہ انہوں نے افریقن ذہن کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ افریقن لوگ دیانتدار ہیں، غیر متعصب ہیں اور کسی حد تک معصوم ہیں۔ انہیں جس بات کی سمجھ آجائے اس پر سختی سے عامل ہوجاتے ہیں اور حق کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہم نے صدر صاحب کو اُن جماعتی خدمات سے آگاہ کیا جو جماعت افریقہ میں کررہی ہے۔ غرض یہ ملاقات جو صرف دس منٹ کیلئے تھی، پینتالیس منٹ پر پھیل گئی اور ہم جناب فیلڈ مارشل صاحب سے بہت خوش ہوکر باہر نکلے اور ان کے اخلاق، صاف گوئی اور طبیعت کی سادگی نے ہمیں بے حد متاثر کیا۔

چند سالوں کے بعد محترم صدر صاحب کا ایک اور دورہ برطانیہ کا ہوا۔ مجھے پاکستان کے سفیر متعینہ برطانیہ کا فون آیا کہ صدر صاحب انگلستان تشریف لا رہے ہیں اور انہوں نے خود اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ائرپورٹ پر جہاز سے اترتے ہی جو معززین انہیں خوش آمدید کہیں ان میں امام مسجد فضل لندن کا نام بھی شامل کیا جائے چنانچہ ہائی کمشنر صاحب نے خاکسار کے لئے ایمبیسی کی کار بھجوادی۔ صدر صاحب جب جہاز سے اترے تو ایک لمبی قطار میں لوگ ان کے استقبال کے لئے جہاز کے دروازہ کے ساتھ ہی کھڑے ہوگئے تھے۔ صدر صاحب سب سے مصافحہ کرتے جب خاکسار کے پاس تشریف لائے تو مصافحہ کے ساتھ ہی مسکرا کر پوچھا امام صاحب! اس سال آپ نے کتنے عیسائیوں کو مسلمان بنایا ہے؟ پھر سفیر صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے اس دورۂ انگلستان میں جتنی بھی پبلک تقاریب منعقد ہوں، ان سب میں امام صاحب کو دعوت دی جائے۔ خاکسار محترم

صدر صاحب پاکستان کی اعلیٰ ظرفی، شرافت اور حسنِ اخلاق سے بیحد متاثر ہوا۔

1971ء میں خاکسار کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر فرائض سرانجام دوں۔ اگست 1971ء میں حضورؒ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کوٹھی جماعت نے کرایہ پر حاصل کر رکھی تھی۔ اِسی سال ایک مولوی نے جناب ایم ایم احمد صاحب فنانس منسٹر پر قاتلانہ حملہ کیا۔ ایم ایم احمد صاحب کو کاری زخم آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپ کی جان بچالی۔ الحمدللہ۔ اس واقعہ کی وجہ سے حضورؒ کا قیام اسلام آباد لمبا ہوتا چلا گیا۔ جس کوٹھی میں حضورؒ قیام پذیر تھے ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے قریب ہی ایک کوٹھی میں سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جناب صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب اور خاکسار نے حضورؒ سے درخواست کی کہ اگر حضورؒ اجازت فرماویں تو ہم دونوں فیلڈ مارشل صاحب سے مل آئیں۔ حضورؒ نے اجازت دے دی۔ ہم نے ان کے ملٹری سیکریٹری صاحب سے وقت حاصل کرلیا اور اگلے دن گیارہ بجے فیلڈ مارشل صاحب کی ملاقات کے لئے چلے گئے۔ مجھے جس بات سے حیرت ہوئی وہ فیلڈ مارشل صاحب کا حافظہ تھا۔ جونہی ہم ان کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، انہوں نے مجھ پر نگاہ پڑتے ہی دریافت کیا کیا آپ اب لندن میں نہیں ہوتے! میں نے عرض کیا کہ مجھے حضورؒ نے پاکستان واپس بلایا ہے اور یہ کہ میں اب حضورؒ کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ خصوصاً جماعت کی ترقی میں وہ خاص دلچسپی لیتے رہے۔ پھر بڑی عاجزی کے ساتھ ہم سے درخواست کی کہ ہم حضورؒ کی خدمت میں ان کیلئے دعا کی درخواست کریں۔ نیز اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیں گے۔ چنانچہ جب ہم نے حضورؒ کی

خدمت میں ملاقات کی رپورٹ عرض کی اور یہ بھی بتایا کہ فیلڈ مارشل صاحب علیل ہیں اور بہت کمزور نظر آتے ہیں تو حضورؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں میں خود ان سے ملنے جاؤں گا۔ چنانچہ یہ ملاقات طے ہوگئی۔حضورؒ سے ان کی لمبی ملاقات ہوئی۔ملاقات کے بعد فیلڈ مارشل صاحب کار تک حضورؒ کو چھوڑنے آئے۔کار کا دروازہ حضورؒ کے لئے کھولا اور رخصت کرتے وقت پھر دُعا کیلئے کہا۔

شیخ عبداللہ سے ملاقات

1964ء کی بات ہے کہ محترم شیخ محمد عبداللہ صاحب لمبی قید سے رہائی پانے کے بعد انگلستان کے دورہ پر تشریف لائے۔انگلستان کے پاکستانی حلقوں میں بالعموم اور کشمیری حلقوں میں بالخصوص موصوف کی تشریف آوری سے جوش وخروش پایا جاتا تھا۔استقبالیہ کمیٹیاں تقریباً تمام بڑے شہروں میں قائم کی گئیں۔جنہوں نے محترم شیخ صاحب کیلئے ایک بھرپور پروگرام تجویز کر رکھا تھا۔

خاکسار کو بھی شیخ صاحب سے عقیدت تھی اور اس بات کا دل پر بے حد اثر تھا کہ شیخ صاحب نے انسانی بہبودی کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور یوں لگتا تھا کہ اپنی قوم کی خاطر انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔پھر اس لحاظ سے بھی خاکسار محترم شیخ صاحب کی خدمات جلیلہ سے واقف تھا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے دوسرے امام حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحبؓ کی زیر ہدایت اوران کے ساتھ مل کر اس جدوجہد کیلئے کام کیا تھا۔تاریخ احمدیت میں وہ خطوط درج ہیں جن میں محترم شیخ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بالخصوص شکریہ ادا کیا ہے اور

انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

محترم شیخ صاحب جب انگلستان تشریف لائے تو میرے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس عظیم شخصیت سے ملاقات کی صورت نکالوں۔ میں نے متعدد جگہوں پر بذریعہ فون محترم شیخ صاحب سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی مصروفیات اس قدر تھیں کہ وہ فون پر نہ مل سکے۔ میں نے بھی کوشش نہ چھوڑی اور بالآخر محترم شیخ صاحب سے رابطہ ہو گیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں جماعت احمدیہ کی مسجد فضل، لندن کا امام ہوں اور برطانیہ میں جماعت کا مبلغ انچارج ہوں اور ان سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ محترم شیخ صاحب نے اس بات پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا کہ میرا ان سے رابطہ ہو گیا ہے، فرمانے لگے: میری خود یہ شدید خواہش تھی کہ انگلستان میں جماعت احمدیہ سے رابطہ قائم کروں اور فرمایا کہ میرا پروگرام منتظمین نے کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ کوئی خالی وقت نہیں رکھا۔ دعوتوں، تقاریر اور ملاقاتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔

انہوں نے باہمی ملاقات و گفتگو کی ایک صورت یہ بتائی کہ چند دن بعد ان کی لندن کے ایک ہال میں تقریر ہونے والی ہے اگر میں ان کی تقریر سے آدھا گھنٹہ قبل ہال کے اسٹیج کی طرف آ جاؤں تو اسٹیج پر ملاقات ہو سکے گی۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ میں اس دن قبل از وقت اسٹیج کے دروازہ پر پہنچ جاؤں گا اور اسٹیج پر پس پردہ ملاقات ہو جائے گی۔

مقررہ دن اور وقت پر میں پہنچ گیا۔ اسٹیج کے دروازہ پر محترم شیخ صاحب نے دو نوجوانوں کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ جیسے ہی میں پہنچوں مجھے ان کے پاس لے جایا جائے۔ میرے ساتھ محترم ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب مرحوم بھی تھے۔ اسٹیج پر کرسیاں موجود تھیں۔ محترم شیخ صاحب کے ہمراہ ان کے قریبی ساتھی مرزا افضل بیگ صاحب بھی تھے۔

انگلستان کے سرکردہ کشمیری احباب بھی تھے۔ہم کوئی دس بارہ افراد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔محترم شیخ صاحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کی صحت وعافیت کے بارے میں دریافت فرمایا۔میں نے ان کو بتایا کہ ان کی صحت بہت خراب رہتی ہے اور بعض اوقات تشویش کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔محترم شیخ صاحب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔انہوں نے جیب سے رومال نکال کر کچھ دیر آنکھوں پر رکھا اور پھر کہا کہ آپ انہیں خط تو لکھتے ہوں گے۔میں نے کہا ہر ہفتہ لکھتا ہوں۔پھر کہا، جب بھی خط لکھیں تو میرا سلام لکھیں اور پیغام دیں کہ دس بارہ سال خاکسار پابند سلاسل رہا اس لئے آپ کو خط نہ لکھ سکا لیکن آپ کی یاد ایک لمحہ کیلئے بھی میرے دل سے محو نہ ہو سکی اور آپ کیلئے دعاؤں میں کمی نہیں آئی۔اور پھر مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ مجھ پر حضرت مرزا صاحبؓ کے کس قدر احسانات ہیں۔انہوں نے بالکل اپنے بچوں کی طرح میری تربیت کی ہے اور ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی نہ ہوتی تو میں آج وہ نہ ہوتا، جو ہوں۔پھر حضورؓ کی خدمات کا تذکرہ شروع کیا اور بتایا کہ جماعت احمدیہ کے علاوہ جماعت احرار بھی خدمت کے بہانے میدان میں آئی تھی تو ہمیں بڑی خوشی ہوئی لیکن یہ خوشی جلد ہی زائل ہو گی جب علم ہوا کہ وہ اپنی مفاد پرستی کو اہمیت دیتے ہیں۔

غرضیکہ کافی دیر اس موضوع پر بات ہوتی رہی۔شیخ صاحب نے مولانا درد صاحب کی بابت دریافت کیا تو میں نے بتایا کہ وہ تو وفات پا چکے ہیں۔پھر انہوں نے محترم حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی خیریت دریافت کی تو میں نے بتایا کہ وہ بھی اس دارفانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔محترم شیخ صاحب آبدیدہ ہو گئے اور کچھ دیر ان دو حضرات کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ فرماتے رہے۔

آخر میں شیخ صاحب نے کہا کہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں ان کا سلام پہنچانے کے علاوہ ان کیلئے دعا کی درخواست بھی کی جائے۔

تقریر کا وقت ہو چکا تھا اور ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہال نعرہ ہائے تکبیر کی گونج سے لرز رہا تھا۔ میں اٹھ کر ہال میں جانے لگا تو محترم شیخ صاحب نے با اصرار فرمایا کہ میں ان کی تقریر کی دوران اسٹیج پر ہی بیٹھا رہوں۔ چنانچہ میں نے اسٹیج پر ہی ایک کرسی سنبھال لی اور ان کی تقریر سنی۔ محترم شیخ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم کے علاوہ تقریر کا بھی ملکہ عطا کیا تھا جس نے سامعین میں ایک جوش بھر دیا تھا۔

میں ان کی تقریر، ان کی شخصیت، عاجزی اور فروتنی سے بے حد متاثر ہو کر واپس آیا۔ بالخصوص اس بات نے مجھے بے حد متاثر کیا کہ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں انہیں خوف نہ ہوا کہ جماعت احمدیہ کے امام کو خراج تحسین پیش کرنے سے بعض کے ماتھے پر شکن پڑ سکتی ہے۔ ابھی حال ہی میں جب شیخ صاحب کی کتاب 'آتش چنار' پڑھنے کا موقع ملا تو پڑھ کر حیرت ہوئی کہ شیخ صاحب نے صرف اس واسطے جماعت سے قطع تعلق کیا کہ جماعت کشمیر میں تبلیغ کر رہی تھی۔ اگر واقعی ان کے یہ خیالات تھے تو خاکسار سے گفتگو کے دوران وہ جماعت اور بالخصوص جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ کی تعریف میں کیوں رطب اللسان تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں یہ چند فقرات کسی اور کی طرف سے بڑھائے گئے تھے۔ یہ شیخ صاحب مرحوم کے خیالات ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ان کی وفات تک جماعت احمدیہ کے افراد ان سے ملتے رہے اور کسی ایک نے بھی یہ تاثر نہیں لیا کہ خدانخواستہ انہیں جماعت کی کارکردگی پر کوئی اعتراض تھا۔

جناب پیرصاحب آف مانکی شریف سے ملاقات

یہ غالباً 1953ء کی بات ہے میں اپنے گاؤں سے ایبٹ آباد جانے کیلئے نوشہرہ سے بس میں سوار ہوا۔ میرے پاس اپر کلاس کا ٹکٹ تھا۔ بس کے روانہ ہونے میں کچھ دیر تھی۔ میں نے قریبی بک سٹال سے اخبارات اور چند رسائل خریدے اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد بس کا ڈرائیور اور کنڈکٹر ہانپتے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے اپر کلاس کی سیٹ خالی کرنے کیلئے کہا۔ میں نے انکار کردیا اور کہا کہ میرے پاس ٹکٹ موجود ہے۔ میں کیوں بس کے پچھلے حصے میں جا کر بیٹھوں! یہ باتیں ہورہی تھیں کہ ایک بزرگ انسان اپنے باڈی گارڈوں کے حلقہ میں آئے اور ڈرائیور سے کہا کہ جب ان کے پاس اپر کلاس کا ٹکٹ ہے تو ان کو حق ہے کہ اپر کلاس میں بیٹھیں۔ یہ بزرگ خود تو میرے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہوگئے اور ان کے محافظین بس کے پچھلے حصہ میں سوار ہوگئے۔ یہ تھے جناب پیر امین حسنات آف مانکی شریف۔ میں نے ان کا نام تو بہت سنا ہوا تھا لیکن ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تحریک پاکستان کے زمانہ میں میں نے پاکستان کے حق میں ان کی تقریریں بھی سنی ہوئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو محفوظ بنیادوں پر قائم کرنے اور کانگریسی حکومت کو شکست دینے میں آپ کا بہت بڑا کردار تھا اور آپ جناب قائداعظم کے بہادر سپاہیوں میں سے تھے۔

خیر آپ تشریف فرما ہوئے تو مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ میں محبّ بانڈہ کا باشندہ ہوں۔ پیر صاحب فرمانے لگے کہ محبّ بانڈہ کے تو خان نشین جان خان بھی ہیں۔ میں نے عرض کیا وہ میرے چچا ہیں۔ پیر

صاحب یہ سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ تمین جان خان تو میرے سیاسی استاد ہیں۔ پھر میرے والد صاحب کا نام پوچھا۔ میں نے عرض کیا میں جناب دانشمند خان صاحب کا بیٹا ہوں۔ پیر صاحب فرمانے لگے میں انہیں جانتا ہوں، وہ تو احمدی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں۔

پیر صاحب فرمانے لگے:

آپ لوگ خوش قسمت ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا لیڈر عطا کیا ہے جس کا ثانی سارے ہندوستان میں اور کوئی نہیں۔

پھر فرمایا:

میری مراد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے ہے۔

میں جناب پیر صاحب کی یہ بات سن کر حیران ہوا۔ میں نے عرض کیا آپ انہیں کیسے جانتے ہیں! کیا آپ کبھی انہیں ملے ہیں؟ پیر صاحب نے فرمایا:

یوں تو میں ان کے کارناموں سے خوب واقف ہوں اور پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ لیکن جب میری ان سے دو مواقع پر ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں قریب سے دیکھا اور میں ان کی قابلیت، تبحر علمی اور غیر معمولی ذہانت سے بے حد متاثر ہوا۔

پیر صاحب نے ان ملاقاتوں کے بارے میں فرمایا:

میں کراچی کسی کام کیلئے گیا تھا۔ وہاں میرے پاس آپ کی جماعت کے کچھ دوست آئے اور مجھے بتایا کہ ان کی جماعت کے خلیفہ بھی کراچی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جماعت نے ان کے اعزاز میں ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا ہے اور وہ

چاہتے ہیں کہ میں بھی اس ٹی پارٹی میں شرکت کروں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس بہانے احمدیوں کے سربراہ سے ملاقات بھی ہو جائے گی، ان کی دعوت قبول کر لی۔ تاریخ مقررہ پر میں کراچی کی ایک وسیع کوٹھی میں لے جایا گیا، جہاں بہت سے احمدی حضرات جمع تھے۔ سامنے برآمدہ میں ایک کرسی پر حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب تشریف فرما تھے۔ مجھے ان کے پاس لے جایا گیا۔ جناب مرزا صاحب مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے چند قدم آگے بڑھ کر میرا استقبال کیا اور اپنی ساتھ والی کرسی پر بٹھایا اور مجھے ان کی دعوت قبول کرنے پر میرا شکریہ ادا کیا۔

گفتگو چل پڑی۔ مرزا صاحب نے میرے خاندان کے بارہ میں گفتگو شروع کی اور میرے دادا اور والد اور میرے دوسرے بزرگوں کے بارہ میں بتانا شروع کیا۔ میں سخت حیران ہوا کہ انہیں میرے خاندان کے بارہ میں اتنی معلومات کہاں سے ملیں! انہوں نے بعض ایسی باتیں بھی میرے خاندان کے متعلق مجھے بتائیں جن کا خود مجھے بھی علم نہیں تھا۔ میں حیران تھا کہ ان کو میرے خاندان کے بارہ میں اتنی معلومات کیسے مل گئیں؟ خیر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو ہمارے خاندان کے متعلق اتنی معلومات کہاں سے ملیں۔ انہوں نے فرمایا؛ میں نے آپکے خاندان کی بالخصوص کوئی تحقیق تو نہیں کی۔ البتہ کثرت مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اکثر مشہور خاندانوں، بالخصوص مذہبی گھرانوں کے بارہ میں معلومات مل جاتی ہیں۔

گفتگو کا رخ صوبہ سرحد کی سیاست کی طرف پھر گیا تو صوبہ سرحد کی تاریخ، سیاست اور پٹھانوں کے رسوم و رواج پر ایسا سیر حاصل تبصرہ کیا کہ میں دنگ رہ

گیا۔پٹھان ہوتے ہوئے مجھے خود بھی ان باتوں کا علم نہ تھا۔انہوں نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں میری جدو جہد کوخراج تحسین پیش کیا اور جناب قائداعظم سے اپنے تعلقات کا بھی ذکر کیا۔ نیز دیگر مشہور انڈین لیڈروں جناب گاندھی جی، جناب پنڈت نہرو جی وغیرہ سے جو ان کے تعلقات تھے،اُن کا بھی تفصیلی تذکرہ ہوتا رہا۔میں اس ملاقات سے بے حد متاثر ہوا اور میرے دل میں ان کیلئے ادب واحترام اور محبت کے جذبات پیدا ہوئے۔

جناب پیر صاحب نے مزید فرمایا:

میری دوبارہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سے ملاقات لاہور میں ہوئی، جہاں ان کی تقریر بھی تھی۔میں نے ان کی باتیں سنیں اور اس یقین پر قائم ہوا کہ ہندوستان میں ان سے بڑا کوئی لیڈر نہیں ہے جو سیاسی معاملات میں بھی اتنی مہارت رکھتا ہو جتنی دینی امور میں۔

جناب پیر صاحب سے بعد میں بھی میری ایک ملاقات ہوئی اور انہیں جماعت کی تعریف میں رطب السان پایا۔

محترم ثاقب زیروی صاحب

میں نے جناب ثاقب زیروی صاحب مرحوم کا مترنم کلام قادیان میں طالب علمی کے زمانہ میں سنا تھا اور قادیان اور ربوہ میں جلسہ ہائے سالانہ کے مواقع پر ان کو حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کا کلام خوش الحانی سے سناتے ہوئے دیکھا تھا۔آپکو اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک باکمال شاعر بنایا تھا وہاں لحن داؤدی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

میں لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم تھا۔لاہور میں ایک مشاعرہ میں جناب ثاقب صاحب نے اپنا کلام ترنم سے پڑھا تو سامعین عش عش کر اٹھے اور یوں آپ نے وہ مشاعرہ لوٹ لیا تھا۔مشاعرہ کے اختتام پر میں بس میں سوار ہوا۔اگلی سیٹ پر دو شعراء حضرات تشریف فرما تھے۔ایک نے دوسرے سے جناب ثاقب صاحب کی نظم، جو انہوں نے مشاعرہ میں سنائی تھی، کے بارے میں پوچھا اور ان کی رائے جاننی چاہی۔دوسرے شاعر نے جواب دیا کہ ابھی تو میں ان کی آواز کے سحر سے باہر ہی نہیں نکلا۔اس لئے فی الحال نظم پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔کل جب اخبارات و رسائل میں ان کی نظم شائع ہوگی تو پھر تبصرہ کرسکوں گا۔

کالج میں تعلیم کے دوران مجھے چند مواقع ان سے ملاقات کے نصیب ہوئے لیکن کچھ زیادہ تعارف نہیں ہوسکا۔میں 1959ء میں لندن آیا تو ان سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور آہستہ آہستہ باہمی محبتیں بڑھتی چلی گئیں۔1964ء میں میں نے بزم شعروادب برطانیہ کے نام سے ایک مجلس کا آغاز کیا۔ان دنوں لندن میں اور کوئی ایسی بزم نہیں تھی۔میں نے جناب ثاقب صاحب کو اس کی اطلاع کی اور ان سے درخواست کی کہ اس بزم کو کامیاب بنانے کیلئے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔آپ نے اپنے خط میں جواباً تحریر فرمایا:

”رفیق محترم ومکرم! سلام خلوص!

تو گویا آپ نہیں ٹلے شعروادب کا ایک نیا پودا لگانے سے۔شاید آپ ایسے وارفتگان شعروادب ہی کی مساعی جمیلہ کا ذکر ہے اس شعر میں:

ہم سے کچھ آبلہ پا تھک کے جہاں رک جائیں
وہ بیاباں بھی گلستاں میں بدل جاتا ہے

اللہ آپ کے ذوق شعروادب کی تب وتاب کوقائم رکھےاورآپ کے التفات سے وانڈزورتھ کا نوزائیدہ حلقۂ علم وادب سے والہانہ وابستگی کی ایسی تخم ریزی میں کامیاب ہو جسے مقصدیت کے ایسے پھل لگیں جن میں غم جاناں سے کہیں زیادہ غم دوراں کی مہک بھی ہو اورتخلیاتی دلفریبی سے کہیں زیادہ مشاہداتی ومحسوساتی رعنائی۔''

جناب ثاقب صاحب سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا اور ہماری آپس کی محبتیں بڑھتی چلی گئیں۔اس دوران حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے وقتاً فوقتاً ثاقب صاحب اور ان کی ادبی اور شعری مصروفیات کا تذکرہ ہوتا رہا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں سلسلہ کے تین جرائد باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔اوّل نمبر پر''الفضل'' کا مطالعہ کرتا ہوں،اس کے بعد''الفرقان''اور تیسرے نمبر پر''لاہور'' کا مطالعہ کرتا ہوں۔حضرت چوہدری صاحبؓ جناب ثاقب صاحب کا ذکر بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

سن ساٹھ کی آخری دہائی میں خاکسار نے جناب ثاقب صاحب کولکھا کہ اگر وہ کچھ وقت نکال کر انگلستان آنے پر آمادہ ہوسکیں تو مجھے،حضرت چوہدری صاحبؓ اور جماعت انگلستان کو بےحدخوشی ہوگی۔جناب ثاقب صاحب کا جواب آیا کہ وہ خاکسار کی اس دعوت کو بخوشی قبول کرتے ہیں لیکن جب تک ان کی غیرموجودگی میں رسالہ لاہور کی ترتیب اور باقاعدہ اشاعت کاانتظام نہ ہوجائے،ان کاتشریف لاناممکن نہ ہوگا۔

کچھ دنوں کے بعد انہوں نے تحریر فرمایا کہ وہ آنے کو تیار ہیں۔خاکسار نے سفر کے جملہ انتظامات مکمل کرنے کے بعد انہیں تشریف لانے کی دعوت دی۔آپ تشریف لائے تو یوں لگا کہ گویا انگلستان کی خشک اور بنجر ادبی وشعری سرزمین میں بہار آ گئی ہے۔روزانہ شام کو مشن ہال کے کمرہ میں ادبی وشعری محافل جمنے لگیں۔احباب اپنے ساتھ ٹیپ ریکارڈر لے آتے اور جناب ثاقب صاحب کی مترنم اور سحیر انگیز آواز میں پڑھی جانے والی نظموں اورغزلوں کو ریکارڈ کر لیتے تھے۔لندن سے باہر کے احباب ویک اینڈ پر تشریف لاتے اور جناب ثاقب کی محفلوں سے لطف اندوز ہوتے۔

خاکسار نے ہالینڈ میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو بھی جناب ثاقب صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع بھجوادی تھی۔چنانچہ چندروز بعد وہ بھی لندن تشریف لے آئے اور شام کی محفلوں کی رونقیں دوبالا ہوگئیں۔

اسی دوران بی بی سی اردو سروس سے بھی رابطہ کیا گیا۔انہوں نے فوراً جناب ثاقب صاحب کا انٹرویو لئے جانے کی دعوت دی۔چنانچہ یہ طویل انٹرویو نشر ہوا اور لاکھوں پاکستانی تارکین وطن نے اسے سنا۔

خاکسار نے بزم شعروادب کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا جس میں انگلستان کے معروف شعراء کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی اور اپنا کلام سنایا اور ثاقب صاحب کے کلام کو سنا۔

چند دنوں بعد انگلستان کے یارک شائر میں بسنے والے احمدیوں نے باصرار حضرت ثاقب صاحب کو یارک شائر کے دورہ کی دعوت دی۔چنانچہ انتظامات مکمل ہونے پر خاکسار ،حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحبؓ اور حضرت ثاقب صاحب اس سفر پر روانہ

ہوئے۔خاکسار ڈرائیونگ کرر ہا تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ خاکسار کے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما تھے اور جناب ثاقب صاحب پچھلی سیٹ پر۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی فرمائش پر جناب ثاقب صاحب نے اپنی مشہور نظم جوانہوں نے خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان کی موجودگی میں پڑھی تھی ،سنائی اور چند غزلیں بھی سنائیں۔جناب ثاقب صاحب کی شاعری اور آواز کے سحر کے زیر اثر چار پانچ گھنٹے کا سفر یوں لگا کہ پلک جھپکنے میں طے ہو گیا۔ہمارا قیام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم کے گھر پر تھا۔ہر شام مختلف جماعتوں میں ''شام ثاقب زیروی'' منائی جاتی تھی جس میں پارک شائر کے شعرا بھی شریک ہوتے تھے۔

1970-71ء میں اس عاجز کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا شرف حاصل ہوا تو جناب ثاقب سے تعلق اخوت اور مضبوط ہو گیا۔جناب ثاقب صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو جناب ثاقب صاحب سے بے حد محبت تھی۔مہینہ میں دو مرتبہ جناب ثاقب صاحب تشریف لاتے اور شام کو حضور کے ہاں پس پردہ خواتین مبارکہ بھی جناب ثاقب صاحب کی شاعری اور لحن داؤدی سے محظوظ ہوتی تھیں۔

جناب ثاقب صاحب اکثر اپنے ساتھ کسی اور شاعر،ادیب یا صحافی کو لاتے اور یوں ان غیر از جماعت شعراء،ادباء اور صحافیوں کو حضورؒ کی زیارت بھی نصیب ہوتی اور گفتگو بھی ہوتی۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ خاکسار نے اپنا ذاتی مکان ربوہ میں تعمیر کرنے کا عزم کیا۔کچھ دنوں بعد جناب ثاقب صاحب تشریف لائے۔خاکسار نے دارالضیافت میں

جا کران سے ملاقات کی۔ جب میں واپس جانے لگا تو جناب ثاقب صاحب نے مجھے ایک لفافہ دیا اور فرمایا کہ گھر جا کر پڑھ لینا۔ میں نے گھر آ کر لفافہ کھولا تو اس میں خط کے علاوہ ایک خطیر رقم کے نوٹ بھی تھے۔ خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ یہ رقم ایک بھائی کی طرف سے دوسرے بھائی کی زیرِ تعمیر مکان میں لگانے کیلئے ایک اینٹ سمجھی جائے۔ میرا دل ان کیلئے دعا کیلئے گداز ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کس قدر مالی مشکلات کا سامنا کر کے اپنے لگائے ہوئے پودا ہفت روزہ ''لاہور'' کو چلا رہے ہیں۔ یہ ان کا اس عاجز پر بڑا احسان تھا۔

جناب ثاقب صاحب کے بیٹے کی شادی تھی۔ میں اسلام آباد میں بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضورؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جناب ثاقب صاحب اسلام آباد تشریف لائے اور حضور ؒ کو دعوت دی۔ حضورؒ نے مصروفیات کی بناء پر شمولیت سے معذرت کر لی۔ جناب ثاقب صاحب نے حضورؒ سے عرض کیا کہ بشیر احمد رفیق کو اجازت عطا فرمائیں تا یہ میرے بیٹے کی شادی میں شامل ہو سکے۔ حضورؒ نے اجازت مرحمت فرمائی لیکن شرط لگائی کہ صرف ایک دن کی رخصت دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ خاکسار شادی والے دن صبح کی فلائیٹ سے لاہور جا کر تقریب رخصتی میں شریک ہوا۔ جناب ثاقب صاحب نے میری ڈیوٹی مہمانوں کی خاطر تواضع میں لگائی۔ اس شادی میں جناب میر ظفر اللہ صاحب جمالی نے بھی شرکت کی جو بعد میں پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔

میں شام کی فلائیٹ سے واپس اسلام آباد چلا گیا۔

جناب ثاقب صاحب کی باتیں تو ختم نہیں ہوں گی اور اس مختصر سے مضمون میں میرے ان سے جو تعلقات محبت و اخوت تھے، اس کا احاطہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک عظیم شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ خلافت احمدیہ و جماعت کیلئے وہ ہر

قربانی کیلئے ہر دم بخوشی تیار رہتے تھے۔ان کا سب سے بڑا وصف خود داری و غیرت تھا۔ثاقب صاحب ایک نڈر، بہادر اور غیرت مند انسان تھے۔

برطانیہ میں تعلیمی اور تربیتی سرگرمیاں

خاکسار جب انگلستان پہنچا تو اُن دنوں جماعت کی اکثریت نوجوانوں کی تھی۔شادی شدہ جوڑے بہت کم تھے اس لئے بچوں کی تربیت کا زیادہ مسئلہ نہ تھا۔لیکن 1962ء اور اس کے بعد پاکستان، ہندوستان اور ایسٹ افریقہ سے ایک بڑی تعداد میں نقل مکانی کرنے والے احمدی احباب، انگلستان تشریف لائے۔یہ اپنے بال بچوں سمیت آئے تھے اور ان کی وجہ سے یہ بڑی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کا مضبوط بنیادوں پر انتظام کیا جائے تا ہماری نئی نسل مغربیت کا شکار نہ ہو جائے اور مغرب کے زیر اثر ہو کر اپنے اسلامی تشخص اور کلچر کو الوداع نہ کہہ دیں۔یہ بہت اہم کام تھا۔چنانچہ اس سلسلہ میں خاکسار نے نہ صرف مجلس عاملہ برطانیہ اور خدام و انصار اور لجنہ اماء اللہ سے مشورے کئے بلکہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے بھی مدد کی درخواست کی۔مرکز میں بھی مدد کیلئے لکھا گیا۔لمبے مشوروں کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز سامنے آئیں:

☆......فوری طور پر مسجد میں ایک سنڈے سکول قائم کیا جائے جس میں چھوٹے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے علاوہ عام دینیات کی تعلیم بھی دی جائے۔

☆......نئی نسل کی تربیت کے سلسلہ میں اسلامی موضوعات پر آسان زبان میں کتابیں تیار کی جائیں۔

☆......نئی نسل کو تبلیغ میں شامل کرنے اور انہیں تبلیغی میدان میں ٹریننگ کیلئے انہیں

تقاریر کی مشق کرائی جائے اور انہیں اسلامی موضوعات پر مضامین تیار کرنے کی دعوت دی جائے۔

☆......سال میں چند ایام بطور یوم تبلیغ مخصوص کر کے ان دنوں میں نئی نسل کو بالخصوص اور جماعت کے تمام افراد کو بالعموم دن بھر تبلیغ کے کام میں لگایا جائے۔

☆......نئی نسل میں وقار عمل کا شوق پیدا کیا جائے۔

اس پروگرام پر فوری طور پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا اور اس کا عظیم الشان نتیجہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج برطانیہ میں اکثریت ان نوجوان کارکنان کی ہے جنہوں نے ان پروگراموں میں شمولیت کی تھی اور ان سے فائدہ اٹھایا تھا۔

اس پروگرام کے مطابق سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ خاکسار نے مکرم بشیر احمد خواجہ صاحب مرحوم، مکرم اے آر چوہدری صاحب مرحوم، مکرم داؤد احمد گلزار صاحب مرحوم اور مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے ابتدائی طور پر درخواست کی کہ وہ باقاعدہ بطور استاد اسکول میں پڑھائیں۔ مکرم بشیر احمد خواجہ صاحب کو اس سکول کا ابتدائی ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ مسجد کے ارد گرد کے احمدی بچوں کے علاوہ بعض بچے دُور دُور سے بھی سکول میں شامل ہونے کیلئے اپنے والدین کے ساتھ آنے لگے۔ بعد میں مکرم ملک عبدالعزیز صاحب بھی سٹاف میں شامل ہو گئے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس سکول کے ذریعہ ہم نے درجنوں بچوں کو قرآن کریم پڑھایا ، انکی دینی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آج بھی یہ سکول بڑے پیمانے پر قائم ہے اور عظیم الشان خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ فالحمدللہ۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی تجویز پر بڑے بچوں کیلئے ایک ہفت روزہ

سیمینار جاری کر دیا گیا۔ اس میں مختلف اسلامی موضوعات پر خاکسار اور حضرت چوہدری صاحبؓ لیکچر دیتے تھے اور جماعت کے دیگر علماء کرام اور مبلغین کرام کو بھی اس میں لیکچر دینے کی دعوت دی جاتی تھی۔ مکرم لئیق احمد طاہر صاحب اُن دنوں نائب امام تھے۔ انہوں نے بھی اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس سیمینار سے نئی نسل کے نوجوانوں کو بیحد فائدہ پہنچا۔ انہیں حضرت چوہدری صاحبؓ کی ہفتہ وار صحبت نصیب ہوئی جو ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھی۔ انہی نوجوانوں میں سے ایک نوجوان آج برطانیہ کے امیر ہیں یعنی محترم رفیق احمد حیات صاحب۔ آپ کے بھائی مکرم لئیق احمد حیات صاحب بھی اس کلاس کے ممبر تھے۔ اس سیمینار سے مستفیض ہونے والے طلباء کی فہرست طویل ہے اور سب خدا تعالیٰ کے فضل سے اِن دنوں اعلیٰ جماعتی عہدوں پر کام کررہے ہیں۔

لجنہ اماء اللہ کے زیر اہتمام بچیوں کیلئے الگ کلاسز کا انتظام کیا گیا۔ اس کام میں مسز سلام صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ اور انکی ٹیم نے زبرست خدمات سرانجام دیں اور آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کی تربیت یافتہ بچیاں جواب خواتین بن چکی ہیں، جماعتی خدمات میں مصروف ومگن ہیں۔ محترمہ مسز سلام صاحبہ اوران کی نہایت فعال ٹیم نے ہماری بچیوں کی نئ نسل کو مغرب کے گندے ماحول سے بچانے کے سلسلہ میں جو خدمات سرانجام دیں، وہ جماعتی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھی جائیں گی۔ میری خواہش ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے تو وہ اس موضوع پر ضرور لکھیں اور اپنی ٹیم کی خدمات کو روشن کرنے کے سلسلہ میں ان سب کا تعارف بھی شائع کروائیں، تا ان کے لئے دعا ہوتی رہے۔

پروگرام کے سلسلہ میں دوسرا آئیٹم بچوں کیلئے کتب کی تیاری کا کام تھا۔ اس کا آغاز خاکسار نے ''اسلامی نماز'' (The Muslim Prayer Book) کتاب تیار کر کے شائع

کرنے کی صورت میں کیا۔ یہ کتاب خدا تعالیٰ کے فضل سے بے حد مقبول ہوئی اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔

خاکسار نے ایک کتاب Islam My Religion کے نام سے لکھی۔اس کے بھی اب تک تین چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ بھی بہت مقبول کتاب ہے۔

بچوں کیلئے کتب کی تیاری کے سلسلہ میں مکرم چوہدری رشید احمد صاحب نے بہت محنت اور توجہ سے کام کیا اور متعدد کتب تیار کیں جو بہت مقبول ہوئیں۔

حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ نے "The Prophet at Home" کے نام سے ''شمائل ترمذی'' کا ترجمہ کیا، جسے جماعت انگلستان نے شائع کیا۔ یہ کتاب نوجوان نسل کیلئے بہت قیمتی تحفہ ثابت ہوا۔ اس کے بھی دو تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اسی طرح حضرت چوہدری صاحبؓ نے احادیث کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جسے انگلستان مشن نے The Wisdom of the Holy Prophet کے نام سے شائع کیا، اسطرح نوجوان نسل کو حدیث سے واقفیت ہوئی اور احادیث یاد کرنے کی بھی توفیق ملی۔ پروگرام کی تیسری شق نوجوان نسل کو تقاریر کی ٹریننگ دینا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ پروگرام بنایا گیا کہ جماعتی ماہانہ مجالس میں کم از کم ایک نوجوان کی تقریر ضرور رکھی جایا کرے نیز سالانہ ایک تقریری مقابلہ کا بھی انتظام کیا گیا۔ The London Mosque Declamation Contest کے عنوان سے یہ سالانہ مقابلہ جات بڑی کامیابی سے ہوتے رہے۔ کامیاب مقررین کی حوصلہ افزائی کیلئے جماعت کے مخیّر احباب نے Shields عطا فرمائیں اور ٹیموں کو ٹرافیاں بھی دی جاتی رہیں۔ یہ سلسلہ نہایت کامیابی سے کئی سال جاری رہا اور نوجوان اس میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے رہے۔ ان مقابلوں میں لندن سے باہر جلنگھم، برمنگھم اور بریڈفورڈ وغیرہ کے

نوجوان بھی حصہ لیتے تھے۔ انفرادی طور پر بھی اور ٹیم بنا کر بھی ان مقابلوں کے نتیجہ میں جہاں جماعت کی عمدہ تربیت اعلیٰ تقاریر اور مختلف موضوعات پر ریسرچ کی صورت میں ہوتی تھی وہاں اس کے نتیجہ میں ہمیں نئی نسل سے بہت اچھے مقرر بھی ملتے رہے تھے جو آج بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں پیش پیش ہیں۔ مکرم منصور احمد شاہ صاحب اس پروگرام کے سیکریٹری کے طور پر بہت عمدہ خدمات بجالاتے رہے۔ پروگرام کی چوتھی شق نئی نسل میں تبلیغ کیلئے جذبہ پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے انگلستان بھر میں سال میں چند ایام تبلیغ کیلئے وقف کئے گئے۔

اس سلسلہ کا پہلا جماعتی یوم تبلیغ انگلستان بھر میں 17 مارچ 1968ء کو منایا گیا۔ اس دن تمام جماعتوں میں نوجوان اور بڑی عمر کے احمدی احباب اپنے اپنے حلقہ جات میں جمع ہوئے۔ پہلے سے مختلف اسلامی موضوعات پر Placard تیار کروائے گئے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں Introduction of Islam اور Islam A Religion of Peace پمفلٹ شائع کئے گئے تھے۔ اجتماعی دعاؤں کے بعد نوجوان اور بوڑھے مرد وزن احمدی احباب گلی کوچوں میں پھیل گئے اور سارا دن تبلیغ میں گذار کر شام کو اپنے اپنے سینٹروں میں واپس آئے اور اپنے تبلیغی کارگذاری کے واقعات بتائے۔

ہمارے اس پہلے یوم تبلیغ کا ذکر بی بی سی ریڈیو پر دن بھر ہوتا رہا۔ اخبار ''ٹائمز'' میں بھی اس کا ذکر شائع ہوا اور لوکل اخبارات میں نہ صرف اس کا تذکرہ ہوا بلکہ احمدی خواتین اور مردوں کی تبلیغ کرتے ہوئے لی گئی تصاویر بھی شائع ہوئیں۔ بعد میں یہ سلسلہ مستقل بنیادوں پر جاری رہا اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف بیعتیں ہوئیں بلکہ ایک کثیر طبقہ تک اسلام کا پیغام پہنچا۔

ان ایام تبلیغ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جماعت میں تبلیغ کے سلسلہ میں زبردست جوش پیدا ہوا۔ خود احمدیوں کو اس سے فائدہ پہنچا۔ کئی مسائل، جن کا انہیں خود، علم نہ تھا جب ان سے سوالات پوچھے گئے تو انہیں احساس ہوا کہ انہیں اسلام کا زیادہ مطالعہ کر کے اور قرآن کریم پر زیادہ تدبر کر کے اپنے علم کو بڑھانا چاہئے۔ غرض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک عظیم الشان منصوبہ تھا جو بہت بارآور ثابت ہوا۔ فالحمدللہ۔

ان ایام تبلیغ کے سلسلہ میں بعض احباب نے دن رات محنت کی جن میں سے چند کا بطور خاص میں اس غرض کیلئے تذکرہ کرتا ہوں کہ ان کیلئے دعا کی توفیق ملتی رہے۔ ان میں شامل ہیں: مکرم غلام احمد چغتائی صاحب مرحوم، مکرم اے آر چوہدری صاحب مرحوم، مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم، مکرم خواجہ بشیر احمد صاحب مرحوم، مکرم داؤد احمد گلزار صاحب مرحوم، مکرم چوہدری رشید احمد صاحب، مکرم محمد ناظم خان غوری صاحب، مکرم ملک عبدالعزیز صاحب مرحوم، مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم، مکرم سید اقبال شاہ صاحب مرحوم، مکرم ڈاکٹر سعید احمد صاحب مرحوم، مکرم مسز سلمٰی سعید صاحبہ آف پارک شائر، مکرم قمرالدین امینی صاحب آف پارک شائر، مکرم محمد ایوب صاحب مرحوم آف گلاسگو، مکرم الیاس خان صاحب آف جلنگھم اور ان کے تمام برادران، مکرم مرزا افضل کریم صاحب مرحوم، مکرم ڈاکٹر ولی احمد شاہ صاحب، مکرم منصور احمد شاہ صاحب، مکرم بشیر احمد حیات صاحب مرحوم، مکرم چوہدری منصور بی ٹی صاحب اور مکرم رفیق احمد صاحب حیات۔ انکے علاوہ بھی بہت سے احباب ایسے ہیں جن کے نام مجھے اس وقت یاد نہیں آ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنے فضلوں اور رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائے اور انکی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

جماعت کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ایک اور بڑا پروگرام حضرت چوہدری

محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کی ہدایت پرتعلیم القرآن کلاس کی صورت میں جاری کیا گیا۔اس کلاس کوخاکسار،حضرت چوہدری صاحبؓ اوردیگر مبلغین کرام قرآنی موضوعات پر ہر پندرہ روزہ اجلاس میں خطاب کرتے تھے۔بعد میں طلباءکوسوالات کا موقع بھی دیا جاتا تھا۔اس کلاس میں کثیر تعداد میں احباب جماعت شریک ہوتے تھےاور یہ کلاس کئی سال تک کامیابی سے جاری رہی۔

یہاں ایک بات کا تذکرہ ضروری ہےاور وہ یہ کہ اس وقت کی جماعت انگلستان کی تعلیم وتربیت میں (جن دنوں خاکسار امام مسجد اور مشنری انچارج تھا) حضرت چوہدری صاحبؓ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ وہ باوجود پیری کے باقاعدگی سے تربیتی کلاسز میں شریک ہوتے تھےاور جماعتی اجتماعات کوخطاب فرماتے تھے۔میری درخواست پر بارہا خطبہ ہائے جمعہ ارشادفرماتے تھےاورخاکسار کےساتھ جماعتی دوروں پربھی تشریف لےجاکر جماعت کے دوستوں کی تعلیم وتربیت کا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی ایک بار بھی ایسا ہوا ہو کہ میں نے ان سے کسی جماعتی خدمت کیلئے درخواست کی ہو اورانہوں نے انکار کیا ہو۔

جماعت کے دُکھ سُکھ میں باقاعدہ شریک ہوتے تھےاوران کے مسائل کوحل کرنے میں پوری مستعدی سے مگن رہتے تھے۔ان کے گھر دعوتوں میں شریک ہوکرعلمی موضوعات پر سیر حاصل گفتگوفرماتے تھے۔غرض اگر میں یہ کہوں کہ جب تک وہ انگلستان میں رہے، (جس کا بیشتر حصہ خاکسار کے دورِامامت کا ہے)،جماعت کی تعلیم وتربیت کافریضہ کلیتاً ان ہی کے تعاون سے ہی سرانجام دیا جاسکا تھاتو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ انگلستان جماعت کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں حضرت چوہدری صاحبؓ جیسا عظیم، ہمدرد، مخلص اور متقی

استادنصیب ہوا۔اے اللہ! تو حضرت چوہدری صاحبؒ کواُس جہان میں اعلیٰ ترین درجات عطافرما کہ وہ تیراعاشق صادق تھا۔اس کی زندگی کا ہرلمحہ تیرے بندوں کی خدمت کیلئے وقف تھا۔وہ تیری خاطرامیر ہوکربھی غریبوں کی طرح زندگی بسر کرتا رہا، بڑاہوکربھی انکساری میں چھوٹے سے چھوٹا بن کردکھایا۔وہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اوراس کے خادم مسیح موعود علیہ السلام کا عاشق تھااوراُن کا کامل متبع تھا۔اے اللہ!وہ تیرابہت دعا گو بندہ تھا۔وہ ہمارے لئے دعائیں کرتا تھا،آج تو ہمیں اُن کیلئے دعائیں کرنے کی توفیق بخش۔آمین۔

برطانیہ میں نئے مشن ہاؤس کی تعمیر

1964ء میں خاکسار نے مرکز میں یہ تجویز بھجوائی کہ اس وقت جو دو مکانات 63-61میلروزروڈ پر جماعت کی ملکیت میں تھے،ان کوگراکرنیا،خوبصورت اورکشادہ مشن ہاؤس تعمیر کیا جائے۔مرکز کا جواب آیا کہ اگررقم کاانتظام بطورقرضہ وہاں سے ہوسکتا ہو،جس کی بالاقساط ادائیگی بعد میں مرکز کرے گا،تواجازت ہےاورمرکز نے اس سلسلہ میں ایک ''تعمیر کمیٹی'' بھی بنادی جس کے ممبران حسب ذیل تھے:

۱۔خاکساربشیراحمد رفیق صدر کمیٹی

۲۔مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم

۳۔مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم

کمیٹی نے کام شروع کیااورمتعددفنانس کمپنیوں سے رابطہ پیدا کیا۔بالآخرایک تعمیری ادارہ اس شرط پررقم دینے پرآمادہ ہوا کہ وہ ہمارے منظورشدہ نقشہ کے مطابق تعمیر مکمل کر کے دیں گےاورمرکزاگلے 25سال میں بالاقساط انکی رقم واپس کرے گا۔نقشہ جات کی منظوری

کا کام شروع ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے نقشہ کی منظوری عطا فرمائی لیکن جب معاہدہ پر دستخط کرنے کا وقت آ گیا اور سب تیاری مکمل ہوگئی تو اچانک بغیر کسی نوٹس کے تعمیراتی کمپنی نے رقم دینے سے انکار کر دیا اور قریباً ایک سال کی تگ و دو کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ جس دن کمپنی مذکورہ نے مجھے انکار کا خط لکھا اس کے اگلے دن حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہالینڈ سے لندن تشریف لائے اور خاکسار کے مہمان ہوئے۔ رات کے کھانے پر باتوں باتوں میں تعمیراتی کمپنی کا رقم دینے سے انکار کا بھی ذکر آیا اور خاکسار نے نہایت افسردگی کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ مرکز کا اور تعمیری کمیٹی کا ایک سال ضائع گیا اور جو امیدیں ہم نے ایک کشادہ، خوبصورت اور آرام دہ مشن ہاؤس کی تعمیر کی باندھی تھیں وہ سب ختم ہوگئیں۔ مکرم چوہدری صاحبؓ خاموش رہے اور بات ختم ہوگئی۔ اگلے ہفتہ مکرم حضرت چوہدری صاحبؓ پھر لندن تشریف لائے اور خاکسار کے مہمان ہوئے۔ رات کے کھانے پر انہوں نے فرمایا کہ اگر انہی شرائط پر تعمیر مشن ہاؤس کے لئے میں رقم کا انتظام کردوں جن شرائط پر رقم تعمیراتی کمیٹی کو ادا کی جانی تھی تو کیا مرکز کو منظور ہوگا؟ خاکسار نے خوشی کے ساتھ کہا کہ مرکز کو اور کیا چاہئے لیکن اگر آپ کی آفر پختہ ہے تو میں فوراً حضورؒ سے اجازت حاصل کرنے کیلئے لکھ دوں گا۔ مکرم چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے؛ بیشک لکھ دیں میں نے فوری حضورؒ کو اطلاع دی۔ حضورؒ نے بذریعہ تار منظوری عطا فرما دی اور یہ طے پایا کہ مکرم چوہدری صاحبؓ مشن ہاؤس کی تعمیر کیلئے رقم کا انتظام کریں گے۔ مرکز تکمیل تعمیر کے بعد 25 سال کے عرصہ میں مکرم چوہدری صاحبؓ کا قرضہ واپس کرے گا۔ اس وقت تعمیر کا اندازہ ایک لاکھ پونڈ لگایا گیا۔ نقشہ جات حضورؒ کی خدمت میں پیش کئے گئے جو منظور ہوکر آ گئے اور کام شروع ہوگیا۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو مشن ہاؤس میں مناسب فرنیچر،

پر دے ، تزئین و آرائش کا مرحلہ پیش آیا۔معاہدہ میں صرف تعمیر کی ذمہ داری چوہدری صاحب کی تھی۔جب تعمیر کی تکمیل ہوگئی تو میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے فرنیچر وغیرہ کے سلسلہ میں بھی مدد کی درخواست کردی۔وہ فرمانے لگے کہ یہ تو معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ لیکن ٹھیک ہے جہاں اتنا خرچ کیا ہے وہاں یہ بھی سہی۔

جب تعمیر وتزئین وآرائش کے جملہ مراحل بخیر وخوبی طے ہوگئے تو خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حکم کی تعمیل میں معاہدہ کا ڈرافٹ مکرم چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں پیش کردیا۔انہوں نے فرمایا کہ وہ اس کا مطالعہ کریں گے اور اگلے ہفتہ دستخط کی باقاعدہ کاروائی ہوگی۔حضورؒ نے ازراہ شفقت مرکز کی طرف سے خاکسار کو دستخط کرنے کا اختیار عطافرمایا تھا۔اگلے ہفتہ حضرت چوہدری صاحبؓ ہالینڈ سے تشریف لائے اور فرمایا کہ انہوں نے معاہدہ کا مطالعہ کرلیا ہے اور وہ اب اس پر دستخط کرنے کو تیار ہیں۔خاکسار نے عرض کیا کہ کل مجلس عاملہ کی میٹنگ بلا لیتے ہیں،انکے سامنے دستخط ہو جائیں گے۔اگلے دن صبح سویرے حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں رات بھر اس بات پر غور کرتا رہا اور کسی قدر بے چینی کا شکار رہا اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے گفتگو کرتا رہا کہ ظفراللہ خان! یہ جو کچھ بھی تجھے ملا ہے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے،گھر سے تو کچھ نہ لائے۔جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت دیتے وقت کوئی شرائط عائد نہیں کیں تو پھر تم خدا کو کچھ حصہ اس دولت کا واپس کرتے وقت شرائط لگانے میں کس حد تک حق بجانب ہو؟ خدا تعالیٰ کا شکر تم اسی طرح ادا کر سکتے ہو کہ برضا ورغبت اور بشاشت یہ ساری رقم جو تم نے خرچ کی ہے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کردو۔

فرمایا:

''معاہدہ میں نے پھاڑ دیا ہے۔مشن ہاؤس جماعت کومبارک ہو۔صرف ایک شرط ہے کہ میری زندگی میں اس بات کومشتہر نہ کیا جائے کہ مشن ہاؤس کی تعمیر کیلئے جملہ رقم میں نے فراہم کی تھی۔ یہ رقم میری طرف سے تحفہ ہے۔''

جلسہ سالانہ برطانیہ کا آغاز

اپریل 1964ء میں خاکسار امام مسجد فضل لندن مقرر ہوا۔ چارج سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ جماعت کی تعلیم وتربیت کیلئے انگلستان میں جلسہ سالانہ کے انعقاد کا انتظام بیحد ضروری ہے تا کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ تمام انگلستان کے احمدی احباب اور یورپ کے دیگر ممالک کے احباب اکٹھے ہوسکیں۔

اُن دنوں ہماری مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی اور جلسہ سالانہ کا انعقاد بھی آسان کام نہ تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور احباب کے مشورہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ اسی سال جلسہ سالانہ کا آغاز کر دیا جائے۔ چنانچہ جلسہ کے انتظامات کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی اور ''مسلم ھیرلڈ'' اور ''اخبار احمدیہ'' میں جلسہ سالانہ کی تاریخوں کا اعلان کر دیا گیا۔ یورپین مشنوں کو بھی جلسہ سالانہ برطانیہ کے انعقاد کی اطلاع کر دی گئی۔

جلسہ سالانہ کیلئے 29-30 اگست 1964 کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ یہ برطانیہ کی جماعتوں کا پہلا تاریخی جلسہ سالانہ تھا۔جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے چونکہ بہت سارے احباب نے انگلستان کے دور دراز کے علاقوں سے آنا تھا،اس لئے بڑا مسئلہ ان کی رہائش کا تھا۔اس غرض کیلئے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی تھی۔لندن کے احباب کو متعدد خطبات جمعہ میں

اوراخباراحمدیہ کے ذریعہ مہمانوں کی رہائش کیلئے جگہ مہیا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔اس زمانہ میں جماعت زیادہ تر نوجوانوں پر مشتمل تھی،شادی شدہ خاندان بہت کم تھے اور یہ نوجوان زیادہ تر ایک یادو کمروں میں رہائش پذیر تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ لندن نے بے حد ایثاروقربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لندن میں باہر سے آنے والے مہمانوں کیلئے رہائش کا انتظام کیا اور بڑی فراخدلی سے اپنے کمرے اور ڈرائینگ روم پیش کر دئے اور یہ مسئلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت خوش اسلوبی سے حل ہوگیا۔جلسہ میں شمولیت کیلئے سکاٹ لینڈ، برسٹل، جلنگھم ، مانچسٹر، آکسفورڈ، پریسٹن ، بریڈفورڈ اور برمنگھم سے احباب تسریف لائے۔طعام کا انتظام مسجد میں کیا گیا۔63میلروز روڈ ،جوان دنوں مشن ہاؤس ہوا کرتا تھا، کے Basement میں کچن موجود تھا۔یہیں کھانا پکانے کا انتظام کیا گیا۔کھانا پکانے کی ٹیم کے اراکین دن رات بیسمنٹ میں ہی مقیم رہتے تھے اور مہمانوں کو کھانا، چائے اور پرہیزی غذا مہیا کرنے کیلئے ہمہ وقت حاضر رہتے تھے۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

1964ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ،ھیگ میں عالمی عدالت انصاف میں بطور جج تعینات تھے۔خاکسار نے ان سے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی درخواست کی جوانہوں نے بخوشی قبول فرمائی۔الحمدللہ۔

مہمانوں کے تشریف لانے سے دوتین ہفتہ قبل مسلسل وقارعمل کے ذریعہ مشن ہاؤس،مسجداوراس کے ماحول کی صفائی اور باغ کی کٹائی وغیرہ کی گئی۔

جلسہ سالانہ میں غیر مسلم احباب کو بطور خاص مدعو کیا گیا۔ مسجد کے ارد گرد کے تمام ہمسایوں کو گھر گھر جا کر جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی جن میں سے اکثر ہماری دعوت پر جلسہ میں شامل ہوئے۔ انہیں کھانا بھی پیش کیا گیا اور تبلیغی لٹریچر بھی، جو اس غرض کیلئے پہلے سے تیار کیا گیا تھا۔

باب چہارم

خلافت ثالثہ کا مبارک دور

یوں تو مجھے سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ قادیان میں 1945ء میں حاصل ہوا تھا جب میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں داخل ہوا تھا لیکن مضبوط، پرمحبت و پرشفقت تعلق کی ابتداء 1949ء میں اس وقت ہوئی جب میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں فرسٹ ائیر میں داخل ہوا۔ حضورؒ ان دنوں کالج کے پرنسپل تھے اور یہ تعلیم الاسلام کالج کے عروج کا دور تھا۔ حضورؒ کے حسن انتظام سے تعلیم الاسلام کالج لاہور نے دیگر تمام کالجوں کو ہر میدان میں مات کر دیا تھا۔

1965ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وصال ہوا تو میں مسجد فضل لندن کا امام اور برطانیہ کا مشنری انچارج تھا۔ مرکز سلسلہ سے ہزاروں میل دور ہم سب احمدیان برطانیہ مرکز کی طرف سے کسی خبر کی طرف کان لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور اس بات کا شدت سے انتظار تھا کہ مسند خلافت ثالثہ پر کون متمکن ہوتا ہے! اس کیفیت میں جب جماعت کے اکثر احباب مشن ہاؤس لندن میں جمع تھے، ہمارے انگریز مخلص احمدی بھائی جناب بلال نٹل مرحوم میرے دفتر میں میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ اگلا خلیفہ کون ہوگا لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ کون ہوں گے؟ میں حیران ہو گیا کہ ان کو قبل از وقت کیسے معلوم ہو گیا کہ کون مسند خلافت پر رونق افروز ہونے والے ہیں؟ میں نے انہیں کہا کہ

ابھی تو انتخاب کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔اس پر انہوں نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے ہاتھ میں دی اور شدت جذبات سے گلوگیر آواز میں کہا یہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی تصویر ہے جو انہوں نے مسجد فضل لندن کے باغ میں کھنچوائی تھی اور مجھے از راہ شفقت دی تھی۔ میں ان دنوں سے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو جانتا ہوں جب وہ آکسفورڈ کے طالب علم تھے اور ان کے بے حد قریب رہا ہوں۔تقوی اللہ،حسن اخلاق اور عشق محمد رسول اللہ ﷺ کی جو جھلک میں نے ان میں دیکھی ہے وہ مجھے اس یقین محکم پر قائم کرتی ہے کہ اس منصب جلیلہ کے اس وقت وہی اہل ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جماعت اس امانت کو ان ہی کے سپرد کرے گی۔

محترم بلال نٹل صاحب مرحوم کی موجودگی ہی میں مرکز سے بذریعہ تار یہ اطلاع ملی کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ خلافت ثالثہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں اور اس طرح ایک انگریز نو احمدی کی دوررس نگاہ نے اس گوہر بے بہا کو شناخت کرنے کی توفیق پائی جس سے اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں عظیم کام لینے تھے اور حضورؒ کی پارسائی، خدا ترسی، تقویٰ اور عشق محمد رسول اللہ ﷺ پر ان کو یعنی مکرم بلال نٹل صاحب کو گواہ ٹھہرانے کا شرف عطا فرمایا۔

ڈیون شائر (انگلستان) کے علاقہ میں ایک انگریز خاندان ایسا ہے جس کے ساتھ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گہرے تعلقات چلے آتے ہیں۔اس خاندان کی کافی بڑی زرعی جائیداد اور اپنا ایک خوبصورت فارم بھی ہے۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ جب آکسفورڈ میں طالب علم تھے تو موسمی تعطیلات میں مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی معیت میں اس فارم پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور خاندان کے ساتھ خوب گھل مل کر

ایام رخصت گزارا کرتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں خاکسار کو دو تین مرتبہ اس فارم پر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ظاہر ہے کہ اس دوران زیادہ تر پرانی باتیں دہرائی گئیں۔صاحبزادگان، جو وقتاً فوقتاً اس فارم پر تشریف لاتے رہے ان، کا تذکرہ ہوتا رہا۔

اس خاندان کی ایک بڑی بوڑھی خاتون سے میں نے دریافت کیا کہ مجھے حضرت مرزا ناصراحمد صاحبؒ کے بارہ میں کچھ بتائیں کہ ان کا شغل فارم پر کیا ہوا کرتا تھا۔ بڑی بوڑھی کہنے لگیں کہ وہ سامنے کمرہ ہے جس میں ہمیشہ میرزا ناصراحمد ٹھہرا کرتے تھے۔صبح صبح جب میں ان کے کمرہ کے سامنے سے گزرتی تھی تو عجیب سی بھنبھناہٹ کی مسحور کن آواز میرے کانوں میں آیا کرتی تھی جو اکثر میں وہاں کھڑی ہو کر سنا بھی کرتی تھی۔ایک دن جب میں نے مرزا ناصراحمدؒ سے پوچھا کہ تم صبح سویرے کیا پڑھتے رہتے ہو جس میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تو ناصراحمد نے بتایا کہ وہ اپنی مقدس کتاب قرآن کریم کی تلاوت بآواز بلند کرتے ہیں۔اس خاتون نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شام کھانے پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصراحمدؒ اور دوسرے صاحبزادگان موجود تھے۔ یہ ذکر چل پڑا کہ مستقبل میں ان کے کیا ارادے ہیں۔ ہر ایک نے بتایا کہ وہ مستقبل میں کیا بننا چاہتا ہے اور کس پیشے کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔ جب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصراحمد صاحبؒ کی باری آئی تو آپؒ نے کہا کہ میں نے دین کی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے علاوہ مجھے اور کوئی خواہش نہیں ہے اور نہ ہی مجھے دنیا کی طرف کوئی رغبت ہے۔انگریزوں کو اور بالخصوص عیسائیوں کو دین سے تو چونکہ کوئی رغبت یا سروکار نہیں ہوتا اور دنیاداری کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے یہ خاتون کہنے لگیں کہ اس وقت میرے زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے What a waste of time? لیکن

اب جب میں دیکھتی ہوں کہ وہ ایک بڑی جماعت کے سربراہ ہیں تو مجھے اپنے کہے پر ندامت ہوتی ہے کہ کتنا غلط فقرہ میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ حقیقی اور بامراد زندگی تو انہیں ہی ملی ہے۔

اس خاتون نے یہ بھی بتایا کہ حضورؒ اپنی جوانی میں بہت باحیا اور شرمیلی طبیعت کے مالک تھے۔ بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپؒ رخصتوں پر ہمارے فارم تشریف لاتے تو اردگرد کے بچے آپؒ کو ملنے کیلئے جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ آپؒ جیب میں ان کیلئے چاکلیٹ وغیرہ رکھا کرتے تھے اور بچوں میں تقسیم کرنے میں بے حد خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ کھانے میں سختی سے یہ پابندی کرتے تھے کہ گوشت حلال ہو اور چونکہ حلال گوشت میسر نہ ہوتا تھا اس لئے خود مرغی اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے کھایا کرتے تھے۔ اس خاتون نے مجھے ایک تصویر بھی دکھائی جس میں حضورؒ خود مرغی ذبح کر رہے تھے۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ حضورؒ کو کوپن ہیگن میں دیکھا۔ آپؒ 1967ء میں کوپن ہیگن کی احمدیہ مسجد کے افتتاح کیلئے تشریف لائے تھے۔ میں کوپن ہیگن میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر آپؒ کے منور و تاباں چہرے پر پڑی تو دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ حضورؒ نے از راہ شفقت گلے سے لگا لیا۔ دیر تک ملاقات کا شرف عطا فرمایا اور انتہائی پیار کا سلوک فرمایا۔

چند دن بعد حضورؒ انگلستان تشریف لے آئے۔ احباب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ لندن ائیر پورٹ پر استقبال کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک مختصر سا اسٹیج بنایا گیا تھا جہاں مائیکروفون کا بھی انتظام تھا۔ حضورؒ اپنے خدام کے ساتھ تشریف لائے۔ نعرہ ہائے تکبیر سے لندن ائیر پورٹ کی کوئین بلڈنگ (Queen Building) گونج اٹھی۔ میں نے عرض کیا کہ

جماعت سے خطاب فرمائیں تو فرمانے لگے مجھے تو اپنے خدام سے ملنے کا شوق ہے تقریریں تو بعد میں ہوتی رہیں گی۔ میں سب سے مصافحہ کروں گا۔ سب احمدیوں کو شرف مصافحہ اور کچھ کو شرف معانقہ بخشنے کے بعد حضورؒ مشن ہاؤس تشریف لائے۔

حضورؒ مشن ہاؤس میں مقیم ہوئے۔ میں ساتھ والی بلڈنگ 61 میلوز روڈ میں منتقل ہو گیا۔ اس بلڈنگ کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ تازہ صفائی اور پینٹ کروانے کی وجہ سے بو اور گرد و غبار بھی تھا۔ میں سارا دن حضورؒ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور رات گئے اپنے فلیٹ پر واپس آتا۔ ایک شام جب میں گھر گیا تو اپنی بڑی بچی امتہ الجمیل کو موجود نہ پایا۔ میری بیوی نے بتایا کہ اسے دوپہر کو بوجہ پینٹ کی تیز بو اور گرد و غبار کے دمہ کا شدید حملہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے فوری ہسپتال میں منتقل کروا دیا ہے۔ میں دوڑا دوڑا ہسپتال پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ امتہ الجمیل آکسیجن کے ٹینٹ میں نحیف و نزار لیٹی ہوئی تھی اور بڑی مشکل سے سانسیں لے رہی تھی۔ میں گھبرا گیا اور ڈاکٹر سے، جو آن ڈیوٹی تھا، امتہ الجمیل کی صحت کے بارہ میں دریافت کیا۔ اس نے کہا بچی کی حالت نازک ہے اور بچنے کی امید کم ہے لیکن ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں واپس مشن ہاؤس پہنچا۔ حضورؒ عشاء کی نماز پڑھا کر جا چکے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر جمیلہ کی بیماری کا ذکر کر کے دعا کی درخواست کی۔ یہ درخواست کرتے وقت شدت جذبات سے میری آنکھیں بہنے لگی۔ حضورؒ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کریں۔ انشاءاللہ اللہ تعالیٰ جمیلہ کو شفا دے گا۔

میں بوجھل دل کے ساتھ گھر لوٹا اور دعاؤں میں لگ گیا۔ رات آنکھوں میں کٹی اور فجر کی نماز کیلئے جب مسجد پہنچا تو حضورؒ نے فرمایا ہم نے رات کو جمیلہ کیلئے بہت دعائیں کیں۔

تھوڑی دیر بعد حضرت منصورہ بیگم صاحبہ نے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ کل رات حضورؒ کو بہت بے چینی رہی اور وہ جمیلہ کیلئے دعائیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا کہ فوراً ہسپتال جاؤ اور امتہ الجمیل کا حال دریافت کر کے مجھے اطلاع دو۔ میں ہسپتال گیا تو قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان دیکھا۔ امتہ الجمیل آکسیجن کے ٹینٹ کے باہر ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور چہرہ پرسکون تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد غیر معمولی طور پر بچی کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوئی اور صبح تک معجزانہ طور پر اسکی حالت خطرہ سے باہر ہوگئی۔

چند دنوں بعد امتہ الجمیل گھر آ گئی۔ یہ حضورؒ کی دعاؤں کی قبولیت کا زبردست نشان تھا کہ راتوں رات امتہ الجمیل کی کایا پلٹ گئی اور وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے حیات کی نعمت سے سرفراز ہوئی۔ حضورؒ کے اس دورہ میں قدم قدم پر قبولیت دعا کے نشانات جماعت احمدیہ یوکے نے دیکھے۔ سکاٹ لینڈ میں ایک مخلص احمدی محمد ایوب رہا کرتے تھے۔ یہ وہاں کی جماعت کے صدر بھی تھے۔ حضورؒ نے باتوں باتوں میں ان سے دریافت کیا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور! تین لڑکیاں ہیں۔ اس پر حضورؒ نے مسکرا کر فرمایا: It is time you had a son۔ ایوب صاحب نے مایوسی کے انداز میں جواب دیا کہ حضور اب مجھے یہ امید نہیں ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ حضور نے بڑے جوش سے فرمایا کہ مایوسی گناہ ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جانا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ میں دعا کروں گا اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کے نتیجہ میں ضرور تمہیں لڑکا عطا فرمائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایوب صاحب نے حضورؒ کو خط لکھا کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا ہے۔ حضورؒ دعا کریں کہ اولاد نرینہ عطا ہو۔ حضورؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا فرمائے گا۔ اس کا نام ابراہیم رکھنا۔ یہ اطلاع حضورؒ نے بچے کی پیدائش سے

پانچ چھ ماہ قبل ایوب صاحب کو دی۔ ایوب صاحب نے حضورؒ کا خط مجھے دکھایا۔ میں نے انہیں مبارک باد دی۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ اور دعا کی قبولیت کا ایک زبردست نشان ہم سب نے دیکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ پرخوری کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ اکثر بیماریاں پرخوری سے جنم لیتی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک احمدی زمیندار کے ہاں مہمان ہوا۔ اس نے میرے سامنے بہت ساری چپاتیاں اور سالن رکھ دئے۔ میں نے حسب عادت تھوڑا کھایا۔ زمیندار کی بیوی پردے کی اوٹ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کہنے لگی: میاں صاحب! آج آپ نے اتنا تھوڑا کھایا ہے۔

مجھے یہ بھی سعادت ملی کہ حضور پرنورؒ کے سات دورہ ہائے یورپ اور دورہ امریکہ میں حضورؒ کے قافلہ کا ممبر رہا۔ امریکہ کے دورہ میں حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہا۔ یورپ کے تمام دوروں میں حضورؒ کی کار چلانے کا اعزاز بھی مجھے حاصل ہوا۔ **فالحمد لله علیٰ ذالک.**

مجھے گیارہ بجے صبح کافی پینے کی عادت ہے اور عین گیارہ بجے طبیعت کافی پینے کیلئے بے تاب ہو جاتی ہے۔ میری اس عادت کا حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کو بھی علم تھا۔ 1967ء میں جب حضورؒ دورۂ یورپ پر تشریف لائے تو پروگرام میں سکاٹ لینڈ کا سفر بھی شامل تھا۔ مجھے حضورؒ کی کار کو ڈرائیو کرنا تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی اس سفر میں ہمراہ تھے۔ لندن سے چلتے وقت چوہدری صاحب نے ازراہ تفنن فرمایا کہ اب کیا کرو گے! حضورؒ تو گیارہ بجے کافی کیلئے نہیں ٹھہریں گے۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب خدا شکر خورے کو شکر دیا کرتا ہے۔ چوہدری صاحب ہنس پڑے۔ سکاٹ لینڈ کیلئے

ہم لندن سے صبح روانہ ہو گئے۔گیارہ بجنے سے پندرہ منٹ قبل میں نے موٹر وے پر "Services" کا بورڈ دیکھا تو رفتار آہستہ کر دی اور services کی طرف مڑنے کا اشارہ دے دیا۔حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ کار مڑنے کا اشارہ دیا ہے۔ میں نے عرض کیا سامنے services ہیں ۔ جہاں صاف ستھرے غسلخانے ہیں اور کچھ چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔حضورؒ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے، میں بھی کچھ دیر کیلئے کار سے باہر آنا چاہتا تھا،غسلخانے سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔ جب میں نے کار کھڑی کی اور حضورؒ کار سے باہر نکلے تو حضرت چوہدری صاحبؓ بے اختیار ہنس پڑے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا؛ آخر تم گیارہ بجے کی کافی کیلئے ٹھہر ہی گئے! میں بھی ہنس پڑا۔حضورؒ نے اصل بات دریافت فرمائی تو چوہدری صاحبؓ نے حضورؒ کو بتایا کہ امام رفیق کو گیارہ بجے کافی پینے کی عادت ہےاور جو گفتگو میری اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی لندن میں ہوئی تھی وہ بیان فرمائی۔حضورؒ بھی ہنس پڑے اور مجھے یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بعد حضورؒ کا یہ معمول بن گیا کہ دوران سفر عین گیارہ بجے سے کچھ دیر قبل بار بار فرماتے ؛امام رفیق! کار کسی ریسٹورنٹ پر روکو تمہاری کافی کا وقت ہو گیا ہے۔

1971ء میں جب میں حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوا تو بھی حضورؒ از راہ شفقت عین گیارہ بجے ڈاک دیکھتے دیکھتے ارشاد فرماتے تم جلدی سے نیچے جا کر کافی پی کر آؤ۔ میں ڈاک دیکھ لیتا ہوں۔

ربوہ میں جب خاکسار پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوا تو حضورؒ اقدس نے پہلے ہی دن مجھے ارشاد فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میری کار اب تم ہی ڈرائیو کیا کرو۔ مجھے تمہاری ڈرائیونگ سے اطمینان اور سکون ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ سال تک جب تک میں ربوہ میں

حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری رہا، مجھے یہ سعادت حاصل رہی ۔انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جب میں حضورؒ کی کار ڈرائیو کر رہا تھا،حضورؒاور بیگم صاحبہ حسب معمول پچھلی سیٹوں پر تشریف فرما تھےاور حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب میرے ساتھ اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ امام صاحب کار بہت گرد آلود ہےاس کی صفائی کا انتظام بھی کیا کریں۔حضرت میاں صاحب کی یہ بات حضورؒ کو بہت ناگوار گزری۔حضورؒ نے نسبتاً اونچی آواز میں حضرت میاں صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: منور! یہ تو امام صاحب کا احسان ہے کہ ہماری کار ڈرائیو کرتے ہیں ۔ وہ میرے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں ،ڈرائیور نہیں۔تم نے غلط بات کی ہے۔کار کی صفائی ان کا کام نہیں ۔اس کیلئے اور لوگ مقرر ہیں۔ شام کو جب حضورؒ ٹہلنے کیلئے باہر تشریف لائے تو بھی حضرت میاں منور احمد صاحب کی بات پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

1971ء میں جب حضورؒ نے مجھے دوبارہ انگلستان کیلئے امام اور مشنری انچارج مقرر فرمایا تو مجھے از راہ شفقت فرمایا کہ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہیں پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ سے ہٹایا جائے اور واپس انگلستان بھجوایا جائے۔لیکن مجھے انگلستان کی جماعت کے بہت سارے دوستوں نے لکھا ہے اور درخواست کی ہے کہ تمہیں واپس انگلستان بھجوا دیا جائے۔اس لئے بامر مجبوری واپس بھجوا رہا ہوں۔روانگی سے دو دن قبل حضورؒ نے اپنے باغ میں شامیانے لگوا کر خاکسار کو دعوت طعام سے نوازا۔جس میں خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے معزز ارکان کے علاوہ بعض ناظران اور وکلاء صاحبان کو بھی مدعو فرمایا۔یہ میری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔

ربوہ میں پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ پر کام کرنے کے دوران ایک روز میں نے

ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میری خواہش حضورؒ انور اور بیگم صاحبہ کو دعوت طعام پر بلانے کی ہے لیکن میری حیثیت کا بھی مجھے علم ہے۔حضورؒ نے فوراً فرمایا کیوں نہیں جب بھی کہو ہم تمہارے گھر کھانے پر آجائیں گے۔میری خوشی کی انتہاء نہ رہی اور دو چار دن میں انتظامات مکمل کر کے حضورؒ کو مع بیگم صاحبہ اور بعض صاحبزدگان کے اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ حضورؒ مع دیگر افراد خاندان تشریف لائے۔میرے والدین ایک بہن اور ان کے بچے بھی شامل تھے۔رات گئے تک حضورؒ تشریف فرما ہوئے اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

میرا گھر اگرچہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے بالکل ملحق تھا اور دفتر سے میرے گھر کا صرف چند قدم کا فاصلہ تھا لیکن پرائیویٹ سیکرٹری کا چارج سنبھالنے کے پہلے ہی روز حضورؒ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ تمہارا دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں سے دفتر آجایا کرے گا اور پھر ڈیڑھ سال تک یہ معمول رہا کہ عین دوپہر کے وقت کھانا اندر سے آجاتا تھا۔ایک دو مرتبہ میرے عرض کرنے پر کہ میرا گھر تو صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے،حضورؒ کے گھر سے کھانے کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔حضورؒ نے میری درخواست نامنظور فرمائی اور کھانا بدستور اندر سے ہی آتا رہا اور یہ سلسلہ میری انگلستان واپسی کے دن بھی جاری رہا۔

حضورؒ کی شفقتوں اور محبتوں اور پیار بھرے حسن سلوک کا میں جس قدر مورد رہا، میں ان سب کو احاطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔

میں نے حضورؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور انہیں ایک عظیم روحانی بزرگ،متقی اور باخدا انسان پایا۔ان کا اندر اور باہر ایک تھے۔بہت باحیا اور پردہ پوش شخص تھے۔کبھی بات دل میں نہ رکھتے تھے۔ناراض بھی ہو جاتے تھے تو بہت جلد معاف فرما دیتے تھے۔میں

نے جتنا عرصہ ان کے قریب کام کیا، اس سارے عرصہ میں وہ مجھ پر عنایات کی بارشیں کرتے رہے۔ میری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا بھی خیال فرماتے۔ ہمیشہ پیار سے ''امام رفیق'' کے نام سے یاد فرماتے۔ اپنے تمام یورپین دوروں اور امریکہ کے دورہ میں اس عاجز کو شامل رکھا۔ پاکستان میں سربراہان مملکت اور بعض اہم سیاسی شخصیات سے ملاقات کے دوران اس عاجز کو اپنے ساتھ رکھا۔ یہی حال حضرت منصورہ بیگم صاحبہؒ کا تھا۔ وہ بھی مادر مہربان کی طرح اس عاجز سے سلوک فرماتی تھیں۔

انگلستان کا دوسرا دور

اپریل 1987ء میں خاکسار نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کے بارے میں ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا نام ''محمد ظفر اللہ خان - چند یادیں'' تھا۔ کتاب ابھی پرنٹنگ پریس میں تھی اور شائع ہو چکی تھی۔ لیکن مجھے صرف چند نسخے ملے تھے بقیہ ابھی پریس میں ہی تھی کہ حکومت پاکستان نے کتاب کی ضبطی کا حکم دے دیا اور خاکسار کے علاوہ پرنٹنگ پریس کے مالک اور چند کارکنان کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دیا۔ پرنٹنگ پریس کے مالک اور چار کارکنان کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ سب غیر از جماعت تھے۔ خاکسار پہلے ہی انگلستان پہنچ گیا تھا۔ الحمد للہ۔

یہاں پہنچنے پر حضورؒ نے خاکسار کو ایڈیشنل وکیل التصنیف مقرر کیا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی انگلستان بلانے کی اجازت عطا فرمائی۔ چنانچہ اہل خانہ بھی دو ہفتوں کے بعد لندن پہنچ گئے۔ فالحمد للہ۔

انگلستان میں بڑا مسئلہ رہائش کا تھا۔ اسلام آباد میں جگہ نہ تھی اور جماعت کے پاس

کوئی اور مکان نہ تھا۔ چنانچہ خاکسار نے مسجد کے قریب ایک فلیٹ خرید کر اس میں رہائش اختیار کر لی بعد میں ربوہ میں جو نہایت آرام دہ اور خوبصورت مکان اپنے لئے بنوایا تھا وہ فروخت کر دیا اور یوں ہم سب دوبارہ انگلستان میں آباد ہو گئے۔

میں ربوہ میں اس سے قبل بھی وکیل التصنیف رہ چکا تھا اور اس کام کا مجھے تجربہ تھا۔ چنانچہ کام سنبھالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ پھر قدم قدم پر حضورؒ کی رہنمائی اور نگرانی بھی حاصل تھی۔

کچھ عرصہ بعد حضورؒ نے ازراہ شفقت خاکسار کو بورڈ آف ریویو آف ریلیجنز کا چیئر مین مقرر فرمایا۔ میں ربوہ میں دو سال اس مشہور رسالہ کا ایڈیٹر رہ چکا تھا اور اب مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ خاکسار نے بورڈ کی چیئر مین شپ کا چارج سنبھالا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے لمبے عرصہ تک اس عہدہ پر بھی کام کرتا رہا۔ آرچرڈ صاحب سے میرے پرانے مراسم تھے اور ہم ایک دوسرے کی طبیعت سے واقف تھے اس لئے ان کے ساتھ مل کر ریویو آف ریلیجنز کو چلانے میں دقت نہ ہوئی۔ آرچرڈ صاحب ولی اللہ انسان تھے۔ سادہ طبیعت، روحانی طور پر کمال کو پہنچے ہوئے اور اسلام اور احمدیت کی محبت میں فدائیت کی حد تک شرابور تھے۔ قول وفعل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ بڑی حد تک تصوف کی زندگی گزارتے تھے۔ 1/3 کے موصی تھے اور محض اللہ کی رضا کیلئے اپنی ذاتی ضروریات کا دائرہ انتہائی محدود کر رکھا تھا۔ بول چال کم کرتے تھے۔ کم گفتن و کم خوردن و کم خفتن پر پوری طرح عامل تھے۔ میں نے انہیں کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا۔ ہر کس و ناکس کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ ان کی صحبت مقناطیسی تھی اور ہر ملنے جلنے والے پر ایک خاص اثر چھوڑ جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین۔

ریویوآف ریلیجنز کوانگلستان سے چلانے میں محترمہ پروفیسرامتہ المجید چوہدری صاحبہ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ بڑی محبت اور جانفشانی سے انہوں نے خاکساراورآرچرڈ صاحب کا ساتھ دیا ہےاور رسالہ کی اشاعت، پروف ریڈنگ وترسیل میں بہت غیرمعمولی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔فجز اءاللہ احسن الجزاء۔

کچھ عرصہ بعد حضورؒ نے ازراہ شفقت خاکسارکوالشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کے بورڈ کا ڈائریکٹر مقررفرمایااورخاکسار کے سپرد M.T.A کا شعبہ کردیا۔ان دنوں M.T.A روزانہ صرف چند گھنٹے ایک رشین Satellite پرنشر ہوا کرتا تھا۔ یہ شعبہ نہایت خیروخوبی سے خاکسار کی نگرانی میں کچھ عرصہ چلتا رہا۔فالحمدللہ۔M.T.A کواللہ تعالیٰ نے اپنےفضل سے شروع ہی سے بہت محنتی اور بےلوث خدمت کرنے والے والنٹیر کارکن عطافرمائےجن کی ان تھک محنت نے اورحضورؒ کی دعاؤں نے اس کو چار چاند لگادیئےاورآج ایم ٹی اےایک عظیم سایہ دار درخت میں تبدیل ہو چکا ہے۔اس دوران بچھڑنے والے ساتھیوں میں صرف چندایک کا تذکرہ میں مناسب سمجھتا ہوں۔ایک انتہائی مخلص اورفعال کارکن دوست مکرم بشیراحمد حیات صاحب تھے جنہوں نے دورانِ امامت لمبےعرصہ تک خاکسار کے ساتھ کام کیااور مجھ پراپنانہایت خوشگواراثر چھوڑا۔سادہ طبیعت کے مالک تھے،بےلوث خدمت گذار تھے ، ہرکسی کے ہمدرد و خیرخواہ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے۔آمین۔

اس دور میں برادرم مبارک احمد ساقی صاحب مرحوم کےساتھ بھی میرا قریبی تعلق رہا اورسلسلہ کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔مرحوم ساقی صاحب سےمیرے مراسم چوتھائی صدی پر پھیلے ہوئے تھے۔ بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ان تھک محنت کے عادی تھے۔خوش

باش اور بےضرر انسان تھے۔ ہم دونوں میں آپس میں بہت محبت اور پیار تھا۔

دو میرے پیارے دوست جن کو میں کبھی بھلا نہیں سکتا وہ مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب اور مکرم نذیر احمد ڈار صاحب تھے۔ دونوں بزرگ اعلیٰ دُنیوی پوزیشنوں سے ریٹائر ہوکر انگلستان کی جماعت میں میرے دور امامت کے دوران خدمت میں لگ گئے تھے۔ مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب پاکستان ایمبسی میں فرسٹ سکرٹری تھے اور مکرم نذیر احمد ڈار صاحب ایسٹ افریقہ پولیس میں آئی جی پولیس تھے اور گورنمنٹ کے خطاب یافتہ تھے۔ مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب جب پاکستان ایمبسی میں پہلے بطور سیکنڈ سیکرٹری تعینات ہوئے تو خاکسار ان دنوں امام مسجد لندن تھا۔ محترم بنگوی صاحب سے پہلی ملاقات میرے دفتر میں ہوئی اور پہلی ملاقات میں ہی میں ان کے جذبۂ اخلاص وانکسار اور جماعت سے عشق سے بیحد متاثر ہوا۔ پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے جماعت کیلئے اپنی خدمات پیش کر دیں اور جلد ہی اپنے فارغ اوقات کا اکثر حصہ مشن میں گذارنے لگے۔

محترم بنگوی صاحب نے متعدد جماعتی عہدوں پر کام بھی کیا اور جلد ہی اپنی خوش طبعی، ہر کسی کے کام آنے کی خوبی اور انکساری سے ایک وسیع حلقۂ احباب پیدا کرلیا۔ مجھے جس بات نے بطور خاص متاثر کیا وہ ان کے قول وفعل میں ہم آہنگی تھی صاف اور سچی بات کرتے تھے۔ باوجود ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے کے اطاعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا جس کی مثال بہت کم ملے گی۔

انہیں مجھ سے اور مجھے ان سے دلی محبت تھی اور ہمارے تعلقات سگے بھائیوں جیسے تھے۔ بہت سارے واقعات ہیں۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ کریم انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم نذیر احمد ڈار صاحب خوبیوں کا گلدستہ تھے۔ دوستوں کے دوست اور ہر کسی کے خیر خواہ اور خدمت گذار۔ اصولوں پر سختی سے پابندی کی وجہ سے بعض اوقات لوگ ان سے ناراض بھی ہو جایا کرتے تھے لیکن سبھی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا دل ہر کسی کیلئے محبت سے بھرا ہوا ہے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن تک خدمت دین کی توفیق پائی۔ میرے ساتھ بطور خاص بہت پیار، محبت اور خلوص کا تعلق تھا۔ بطور امام مجھے لمبا عرصہ ان کے ساتھ اکٹھے کام کرنے کا موقع ملا۔ ہمیشہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاتے رہے۔ اپنی بات پر بعض اوقات ڈٹ بھی جاتے تو جلد میری بات جو بطور امام میں ان سے کہتا مان جاتے اور ذرہ بھی اطاعت میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

ان دونوں کو خلفائے احمدیت کا قرب بھی خوب نصیب ہوا اور انہوں نے خلفاء سے والہانہ محبت اور عشق کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ڈار صاحب مرحوم پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین۔

ایسے لوگ دنیا میں کم ہی نظر آتے ہیں اور ان کو بھلا کر بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

ایک صوفی منش، ولی اللہ شخص جس نے میری زندگی پر نمایاں اثر چھوڑا اور جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا، حضرت سید اقبال شاہ صاحب تھے۔ میرے دور امامت کے دوران حضرت شاہ صاحب نے اپنی بقیہ زندگی خدمت سلسلہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ مشن میں میرے دفتر کے ساتھ کے دفتر میں آپ تشریف فرما ہو کر جماعتی خدمات سرانجام دیا کرتے تھے۔ میں نے ان جیسا منکسر المزاج اور مسکین شخص اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ یوں لگتا تھا چلتے پھرتے فرشتے ہیں۔ بہت دعا گو انسان تھے۔ انتہائی دیانت دار اور فرض شناس شخص تھے۔ ان کی اچانک وفات پر جب حساب دیکھا گیا (ان کے سپرد جماعت کی مالیات

کا شعبہ تھا) تو ایک پیسے کا بھی فرق نہ تھا۔

مجھ پر بہت مہربان تھے اور مجھ سے بہت محبت اور خلوص سے پیش آیا کرتے تھے۔ میں ان کے بچوں کی عمر کا تھا لیکن محض اس لئے کہ میں امام تھا، میرا اسقدر احترام کرتے تھے کہ مجھے شرم آتی تھی اور میں انہیں عرض کیا کرتا تھا کہ ایسا نہ کریں۔ میں تو انکی دعاؤں کا محتاج ہوں اور وہ میرے لئے ایک پاک نمونہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ ان کے بچے سید ولی اللہ شاہ صاحب اور سید منصور شاہ صاحب بھی مجھ سے اپنے والد کی طرح بے حد محبت اور شفقت کا سلوک کرتے ہیں اور میں ان دونوں بھائیوں کا بیحد ممنون ہوں۔

میری امامت کے ابتدائی دور میں مکرم داؤد احمد گلزار صاحب مرحوم تھے جنہوں نے دن رات خدمت دین کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ اپنے ذاتی کاروبار کے بعد فارغ وقت جماعتی خدمت میں گذارتے تھے۔ متقی، پارسا اور عبادت گذار نوجوان تھے۔ مکرم داؤد گلزار صاحب، حضرت مولوی قدرت اللہ سنوری صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے، کے بیٹے تھے اور اپنے بزرگ باپ کے رنگ میں رنگین تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین۔

میں نے یہاں صرف مرحومین احباب کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بھی بہت مخلص اور پیارے دوست ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں جنہوں نے خاکسار کے ساتھ مل کر کام کئے ہیں اور عظیم کام کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنے افضال نازل فرمائے۔ آمین۔

ذیابیطس کا حملہ

1970ء کی بات ہے اچانک مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ شدت پیاس سے میری زبان سوکھی لکڑی کی طرح خشک ہو جاتی ہے۔ رات کو بھی بار بار پیشاب کیلئے اٹھنا پڑتا تھا۔ ان علامات کا ذکر ایک دن میں نے حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحبؓ سے کر دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ فوراً اپنے ڈاکٹر کو ملو اور ان سے ان علامات کا تذکرہ کرو، تا جو بھی بیماری ہو بروقت پتہ چلنے سے اس کا مداوا کیا جا سکے۔ میں اپنے ڈاکٹر کو ملا۔ انہوں نے مجھے ہسپتال میں مزید ٹیسٹوں کیلئے بلایا۔ جہاں میرے متعدد ٹیسٹ ہوئے، خون، پیشاب وغیرہ کا معائنہ ہوا۔ گلوکوز پلا کر ٹیسٹ لئے گئے اور مجھے دو دن بعد آنے کیلئے کہا گیا۔ خیر میں دو دن کے بعد مقررہ وقت پر اسپیشلسٹ کو ملا۔ اس نے بتایا کہ ٹیسٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ تمہیں ذیابیطس کی تکلیف لاحق ہو گئی ہے۔ جونہی ڈاکٹر نے مجھے یہ بتایا مجھے یہ محسوس ہوا کہ مجھے سزائے موت سنائی گئی ہے۔ کچھ لمحات کیلئے تو میں بالکل سکتہ میں چلا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے تسلی آمیز کلمات میں بتایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مناسب پرہیز اور روزانہ ورزش سے یہ مرض قابو میں آ سکتا ہے اور پھر تفصیلی ہدایات دیں۔ میں گھر لوٹا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنا منتظر پایا۔ فرمانے لگے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا چوہدری صاحبؓ! ایک خوشی کی خبر ہے اور ایک غم کی۔ پہلے کون سی سناؤں۔ فرمانے لگے جو چاہو پہلے سنا دو۔ میں نے کہا کہ خوشی کی خبر تو یہ ہے کہ میں آپ کا 'ہم قارُورہ' ہو گیا ہوں اور اب ہم دونوں کے پیشاب میں شکر کی آمیزش ہے۔ اور غم کی خبر یہ ہے کہ مجھے ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا؛ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے مجھے تو پچھلے چالیس سال سے

یہ عارضہ لاحق ہے۔

پھر فرمایا؛ ذیابیطس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی سی ہے۔ اگر سوار ہوشیار اور محتاط ہوتو سرکش گھوڑے کی سواری سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اگر سوار چوکس نہ ہوتو گھوڑا اسے زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ اسی طرح ذیابیطس اگر کنٹرول میں رہے تو زندگی کے اطوار میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا وگرنہ یہ مرض بہت خطرناک نتائج بھی پیدا کرسکتا ہے۔ پھر فرمایا دیکھو اس مرض سے خون میں شکر کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جو نقصان دہ ہے اور خون سارے جسم میں گردش کرتا ہے۔ اس لئے یہ بیماری بھی جسم کے تمام اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ذیابیطس کے نتیجہ میں بینائی کا ضائع ہونا، دانتوں کا ضائع ہوجانا، دل کا کمزور ہوجانا وغیرہ عام دیکھنے میں آیا ہے۔

پھر فرمایا: ذیابیطس کو قابو میں رکھنے کیلئے تین باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ اوّل وقتاً فوقتاً ڈاکٹری مشورہ لو اور اس پر سختی سے عمل کرو۔ دوم روزانہ ورزش مثلاً دو اڑھائی میل تیز قدم سے چلنا، سوم غذا میں احتیاط اور ان چیزوں سے کلیۃً پرہیز جن سے ڈاکٹر نے روکا ہو۔ فرمانے لگے میں ڈاکٹر Joslin سے جو امریکہ میں ذیابیطس کے چوٹی کے معالج تھے وقتاً فوقتاً معائنہ کرواتا رہتا تھا اور ان کی ہدایات پر پوری طرح عمل کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب میں انہیں ملنے گیا اور انہوں نے میرا تفصیلی معائنہ کیا اور اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ ظفر اللہ خان! تمہیں بعض باتوں سے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہئے۔ مثلاً کافی کا زیادہ استعمال نہ کریں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ میں روزانہ گیارہ بڑی پیالیاں کافی کی پیتا ہوں اور کسی حد تک کافی سے Addicted ہوں لیکن آج کے بعد میں اسے کلیۃً ترک کردوں گا۔ ڈاکٹر جوسلین نے کہا کہ اس طرح اچانک کلیۃ ترک کرنا

تو آپ کیلئے ممکن نہ ہوگا، اس لئے آپ اسے کچھ کم کر دیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ جب میں ان کی سیڑھیوں سے نیچے اترا تو فیصلہ کر چکا تھا کہ اب میں کافی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا اور اب پندرہ بیس برس ہو چکے ہیں میں نے کافی کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ تفصیل سے ہدایات دے چکے تو میں نے عرض کیا کہ آپ کی طرح کا ڈسپلن شائد میں نہ کر سکوں۔ اس پر انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے ایک دن، جب کہ میں وزیر خارجہ پاکستان تھا، مجھے اچانک پرائم منسٹر ہاؤس سے فون آیا جس میں یہ ہدایت تھی کہ خواجہ ناظم الدین صاحب، جو ان دنوں پرائم منسٹر تھے، نے آپ کو فوراً یاد کیا ہے۔ میں فوراً تیار ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے بیٹھنے کیلئے کہا اور فرمانے لگے کہ ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کیا ہے اور انہیں یہ معلوم ہوا ہے کہ مجھے ذیابیطس کی بیماری کا آغاز ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں تکلیف دوں اور تم سے درخواست کروں کہ اس بیماری پر جیسے آپ نے کنٹرول کیا ہے اس کے بارے میں مجھے بھی ہدایات دیں اور معلومات بہم پہنچائیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً پونہ گھنٹہ لگا کر تفصیل سے انہیں بتایا کہ انہیں خوراک میں کیا کیا احتیاط کرنا ہوگی اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن کے کھانے سے انہیں مکمل پرہیز کرنا ہوگا؟

اس دوران جناب خواجہ صاحب بالکل خاموش رہے اور بڑی توجہ سے میری باتیں سنتے رہے۔ میں نے جب بات مکمل کر لی تو فرمانے لگے چوہدری صاحب! آپ نے جو ہدایات دیں ہیں انہیں ہم نے پوری توجہ اور خاموشی سے سنا ہے اور ہم اس کیلئے آپ کے بہت ممنون ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے لئے اپنے کھانے پینے

میں اتنی بڑی تبدیلی لانی ممکن نہ ہوگی۔حضرت چوہدری صاحبؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے بھی وہی خواجہ صاحب والی بات کہی ہے۔نصائح تو دلجمعی سے سن لی ہیں لیکن کہہ دیا کہ عمل مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

ایک دلچسپ بات حضرت چوہدری صاحبؒ نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم میں جو یہ ذکر ہے کہ حلال اور طیب اشیاء کھایا کرو۔حلال تو واضح ہے پھر یہ طیب کیا ہے؟فرمانے لگے طیب سے مراد ہے مثلاً چینی حلال ہے مگر ذیابیطس والے مریض کیلئے یہ طیب نہیں ہے۔اس کے مدنظر قرآن حکیم نے، جو عظیم حکمتوں کی کتاب ہے،فرمایا کہ حلال تو سبھی کھا سکتے ہیں لیکن حلال میں بعض اشیاء طیب نہ ہوں گی اور جن کیلئے وہ طیب نہ ہوں وہ ان سے پرہیز کریں۔

ذیابیطس کے مریض جو پوری طرح ڈاکٹری ہدایات پرعمل کرتے ہیں عموماً لمبی عمریں پاتے ہیں۔کیونکہ ان کی غذا بہت Balanced ہوتی ہے۔خود حضرت چوہدری صاحبؒ نے 93 سال کی لمبی عمر پائی ہے اور ان کی اس لمبی زندگی کا راز اسی میں تھا کہ وہ کھانے پینے میں بہت محتاط تھے۔یوں بھی زیادہ کھانا صحت کیلئے مضر ہے۔موٹاپا خود ایک بیماری ہے۔

صبح کی سیر ذیابیطس کیلئے بے حد مفید ہے۔دو میل بھی اگر روزانہ تیز چال سے چلا جائے تو اس کے بے حد مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔مجھے ہومیو پیتھی کے اس نسخہ سے بہت فائدہ ہوا ہے: نیٹرم سلف 200 ہفتہ میں ایک بار، نیٹرم سلف 30 طاقت کی دن میں دو بار۔اس کے ساتھ کالی فاس کا استعمال بھی مفید ہے۔کھانے میں بیسن کی روٹی کا استعمال مفید ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام۔ چند یادیں

1959ء کے اوائل میں جب خاکسار لندن پہنچا تو ان دنوں محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پٹنی کے علاقہ، جو مسجد فضل لندن سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، میں مقیم تھے اور امپیریل کالج آف سائنس میں پروفیسر تھے۔ آپ مسجد جب بھی تشریف لاتے تو خاکسار کو بھی آپ سے ملنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یوں تو ڈاکٹر صاحب اپنے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے بہت بلند تھے اور خاکسار ایک نوجوان مبلغ تھا۔ اکثر اتوار کو ناشتہ پر محترم حضرت چوہدری صاحبؓ اور اپنے دوستوں کو بلاتے تھے۔ ناشتہ کیا ہوتا تھا پر تکلف کھانا ہوتا تھا۔ ان مواقع پر خاکسار کو بھی دعوت دیتے تھے۔ خاکسار اور انکے دوسرے مداح ان کی علمی گفتگو سے مستفید ہوتے تھے۔ اس موقع پر شعر و شاعری اور ادبی گفتگو بھی ہوتی تھی۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ان محفلوں کے روح رواں ہوتے تھے۔ بعد میں جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ مستقلاً لندن میں رہائش پذیر ہو گئے تو ناشتہ پر اتوار کے دن جب ڈاکٹر صاحب ان کو دعوت دیتے تو خاکسار کو بھی بالخصوص یاد فرماتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے سائنس کیلئے ایک خاص دماغ تو عطا کیا ہی تھا لیکن آپ کو اردو فارسی شعر و شاعری میں بھی کافی دلچسپی تھی۔ فارسی کے مشہور شاعر حافظ سے آپ کو بے حد لگاؤ تھا اور اس کے درجنوں اشعار زبانی یاد تھے اور موقع کی مناسبت اس کے اشعار سنایا بھی کرتے تھے۔ مولانا روم سے بھی آپ کو عشق تھا۔ انکے بھی درجنوں اشعار زبانی یاد تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار بھی موقع کی مناسبت سے سنایا کرتے

تھے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے بیحد محبت تھی۔اکثر اپنے ذاتی معاملات میں ان سے مشورہ حاصل کرتے تھے اور حضرت چوہدری صاحبؓ جو بھی مشورہ دیتے اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

خاکسار کے لندن آنے کے کچھ عرصہ بعد محترم ڈاکٹر صاحب کے والد حضرت چوہدری محمد حسین صاحب بھی لندن تشریف لے آئے۔ڈاکٹر صاحب کو اپنے والد کے ساتھ عشق تھا اور ان کا بے حد خیال رکھتے تھے۔جو بھی بڑے بڑے سیاستدان اور سائنسدان ڈاکٹر صاحب سے ملنے آتے انہیں اپنے والد صاحب سے ضرور ملاتے تھے۔ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات ڈیوک آف ایڈنبرا سے طے ہوئی تو وہاں بھی اپنے والد صاحب کو ساتھ لے گئے اور انہیں ڈیوک سے ملایا۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب خاکسار کے پاس مشن ہاؤس تشریف لائے تو فرمایا کہ ان کے والد صاحب گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے ہیں،ان کی خواہش ہے کہ اپنے والد صاحب کو صبح مشن ہاؤس میں میرے پاس چھوڑ جایا کریں اور شام کو کالج سے واپس آتے ہوئے لے جایا کریں گے۔اس طرح مشن ہاؤس میں ان کا دل لگا رہے گا۔احمدی دوستوں سے ملاقات بھی ہوگی۔خاکسار نے عرض کیا کہ ان کے والد صاحب کا مشن آنا میرے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔اسطرح جماعت کی تربیت کے سلسلہ میں ہم ان سے فائدہ بھی اٹھالیں گے۔چنانچہ جناب چوہدری محمد حسین صاحب روزانہ مشن ہاؤس میں تشریف لانے لگے اور اکثر میرے دفتر میں میرے ساتھ بیٹھ کر علمی و تربیتی امور پر گفتگو رہتی۔انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دفعہ محترم چوہدری محمد حسین صاحب نے مجھے کہا کہ دعا کرو سلام کو نوبل پرائز مل

جائے۔ میں نے عرض کیا آپ خود بزرگ ہیں۔ آپ کی دعائیں میری نسبت زیادہ مقبول ہیں۔ انشاءاللہ میں بھی دعا کروں گا اور چند اور بزرگوں کو بھی دعا کیلئے کہہ دوں گا۔ کچھ عرصہ بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر سلام کو نوبل پرائز ضرور ملے گا لیکن ابھی ان کی عمر چھوٹی ہے جبکہ بڑی عمر کے سائنسدانوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ پہلے انہیں یہ پرائز دیا جائے گا اور پھر باری آنے پر ڈاکٹر سلام کو بھی ملے گا۔ میں نے اگلے دن مکرم چوہدری محمد حسین صاحب کو اپنی یہ خواب سنائی۔ دوسرے دن جب محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اپنے والد کو لینے مشن آئے تو مجھ سے میری خواب کے سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ خاکسار نے انہیں خواب سنائی تو فرمانے لگے؛ عجیب بات ہے ابھی چند روز ہوئے مجھے یہی بات نوبل پرائز کمیٹی کے ایک قریبی شخص نے بھی بتائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب جمعہ کے روز اوّل وقت میں مسجد تشریف لاتے اور عموماً پہلی صف میں امام کے عین پیچھے بیٹھا کرتے تھے۔ خاکسار خطبہ دیتا تو دورانِ خطبہ ڈاکٹر صاحب اپنی نوٹ بک نکال کر اس میں کچھ درج کرتے رہتے تھے۔ ایک دن میں نے بطور لطیفہ ان سے کہا؛ ڈاکٹر صاحب آپ کو شاید میرا خطبہ بہت پسند آتا ہے کیونکہ آپ وقتاً فوقتاً اس سے نوٹس لیتے رہتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمانے لگے؛ بات یہ ہے کہ میرے دماغ میں وقتاً فوقتاً بجلی کی تیز روشنی کی مانند بعض سائنسی نکات آتے ہیں۔ میں انہیں بروقت نوٹ کر لیتا ہوں۔ بعد میں یہ نکات میری تحقیق کی بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ اگر میں انہیں بروقت نوٹ نہ کروں تو ان اہم مضامین کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ طریق دن رات جاری رہتا تھا، حتیٰ کہ کھانے کی میز پر بھی اچانک وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اس میں لکھنا شروع کر دیتے تھے اور پھر گفتگو میں شامل ہو جاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو احمدیت سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ جماعت کیلئے بہت غیرت رکھتے تھے۔ 1974ء میں جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی قرارداد پاس کی تو ان دنوں ڈاکٹر صاحب صدر پاکستان کے سائنسی مشیر تھے اور ان کا درجہ وزیر کے برابر تھا۔ جب اس فیصلہ کی خبر سنی تو مشن ہاؤس تشریف لائے۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی جیب سے اپنا استعفیٰ نکال کر حضرت چوہدری صاحبؓ کو دکھایا اور فرمایا کہ میں اس حکومت کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں جس نے سراسر ظلم اور زیادتی سے کام لیتے ہوئے ایک شرمناک فیصلہ کیا ہے۔

جنرل ضیاء نے جب اپنا رسوائے زمانہ آرڈیننس جاری کیا جس میں جماعت کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکا گیا تو ڈاکٹر صاحب کو بہت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آرڈیننس کے اجراء کے بعد ان کی ضیاءالحق سے ملاقات ہوئی ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک ملاقات ہوئی ہے اور اس ملاقات کی روداد یوں سنائی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

''جنرل صاحب کے مجھے ٹریسٹ میں کئی فون آئے کہ میں پاکستان آ کر ان سے ملوں۔ لیکن میں ٹالتا رہا۔ بالآخر مجھے پاکستان جانا پڑ گیا۔ جنرل صاحب کو اطلاع ہوئی تو ملاقات کیلئے بلایا۔ چنانچہ میں ان کو ملاقات کیلئے پریذیڈنٹ ہاؤس گیا جہاں بعض اور سائنس دان موجود تھے۔ جنرل صاحب نے خود باہر آ کر میری کار کا دروازہ کھولا اور مجھ سے معانقہ کرنے کے بعد اپنے ساتھ بیٹھنے کے کمرہ میں لے گئے جہاں بعض اور لوگ بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو میں نے آرڈیننس کا ذکر کر کے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ جنرل صاحب

نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور کہا آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں اور مجھے دوسرے کمرہ میں لے گئے۔ اس وقت کے سائنسی امور کے وزیر بھی ہمارے ساتھ اس کمرہ میں چلے آئے۔ جنرل نے کہا بات یہ ہے کہ میرے پاس علماء کا ایک وفد آیا تھا۔ انہوں نے مجھے یہ افسوسناک بات بتائی کہ احمدی قرآن کریم میں تحریف کرتے ہیں، اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں نے جنرل صاحب کو کہا کہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ تو خود قرآن مجید میں موجود ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت میں خود کروں گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے بعد احمدی کیسے قرآن کریم میں تحریف کر سکتے ہیں! اس پر جنرل صاحب اٹھ کر کتابوں کی الماری کی طرف گئے اور تفسیر صغیر اٹھا لائے۔ یہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت مصلح موعودؓ نے کیا ہے۔ جنرل صاحب نے کہا کہ علماء نے ان آیات کی نشاندہی کر دی ہے جن میں جماعت احمدیہ نے تحریف کی ہے، وہ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ انہوں نے تفسیر صغیر کو کھولا اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ایک نشان زدہ آیت پر انگلی رکھ کر کہا کہ دیکھئے اس آیت میں آپ لوگوں نے تحریف کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جنرل صاحب یہ آیت تو مکمل طور پر درج ہے۔ تحریف کہاں ہوئی ہے۔ جنرل صاحب نے کہا کہ دیکھئے آپ نے اس آیت کے معنوں میں تحریف کی ہے اور خاتم النبین کے معنے بجائے نبیوں کو ختم کرنے والے کے نبیوں کی مہر کے کئے ہیں اور یہ بات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ میں نے جنرل صاحب سے عرض کیا کہ ''ختم'' کا لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ پنجابی زبان کا ''ختم'' تو نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہے اور اس کے معنی عربی زبان میں ''مہر'' کے ہیں۔ لیکن میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کیا آپ کے پاس اور کسی عالم کا ترجمہ قرآن بھی ہے؟ جنرل صاحب اٹھے اور علامہ اسد کا ترجمہ

قرآن اٹھا لائے۔ جو مکہ معظّمہ سے شائع ہوا تھا۔ میں نے قرآن مجید کھولا۔ آیت خاتم النبین نکالی تو وہاں بھی ترجمہ Seal of Prophets درج تھا۔ جرنیل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میں نے عرض کیا؛ جرنیل صاحب علامہ اسد تو احمدی نہ تھے پھر یہ ترجمہ تو سعودی حکومت کا شائع کردہ ہے کیا آپ سعودی حکومت کو بھی تحریف کا مجرم قرار دیں گے؟ اس پر جرنیل صاحب کہنے لگے۔ بھئی میں تو ایک ان پڑھ جرنیل ہوں مجھے تو جو کچھ ان علماء نے بتایا میں نے اسے سچ سمجھ کر تسلیم کر لیا۔

میں نے عرض کیا آپ صرف ایک جرنیل ہی نہیں اس ملک کے صدر بھی ہیں اور بحیثیت صدر مملکت تمام رعایا کے حقوق کی حفاظت آپ کے فرائض میں شامل ہے۔ یہیں اسلام آباد میں جماعت احمدیہ کے مربی موجود ہیں۔ جماعت کے افراد موجود ہیں۔ آپ کو جو کچھ علماء نے بتایا تھا آپ کا فرض تھا کہ احمدی علماء کو بھی بلا کر اپنی تسلی کراتے اور پھر دونوں طرف کو سننے کے بعد فیصلہ کرتے۔ اس پر جرنیل صاحب نے زور سے کلمہ شہادت پڑھا اور مجھے بھی کلمہ شہادت پڑھنے کو کہا۔ میں نے اُونچی آواز میں کلمہ شہادت پڑھا تو فرمانے لگے۔ سلام! خدا کی قسم میں تمہیں اپنے سے اچھا مسلمان سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا کروں میں علماء سے مجبور ہو گیا ہوں اور یہ کہہ کر بات کا رُخ کسی اور طرف موڑ لیا۔

ڈاکٹر صاحب کو پاکستان سے شدید محبت تھی۔ میں نے جب برٹش پاسپورٹ حاصل کیا تو ایک دن ناشتہ کی میز پر میں نے ان سے عرض کیا کہ وہ بھی برٹش شہریت لیکر برٹش پاسپورٹ بنوا لیں، اس سے انہیں سفر میں بھی بہت سہولت ہو جائے گی اور میں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں برٹش پاسپورٹ کے حصول کے سلسلہ میں ضروری کاغذات اگلی دفعہ لے آؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا امام صاحب! میں ہرگز پاکستانی

قومیت نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ مجھے جلد نوبل پرائز مل جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ اعزاز پاکستان کے سوا کسی اور ملک کے کھاتے میں چلا جائے۔ میں پاکستانی ہوں پاکستانی رہوں گا، خواہ مجھے اسکی وجہ سے سفر میں کسی قدر پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب زندگی بھر پاکستانی رہے اوران کی وفات بھی ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ پاکستانی تھے۔

اپنے والدین سے ڈاکٹر صاحب کو عشق کی حد تک محبت تھی۔ جب ان کے والد صاحب کی وفات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب غم سے نڈھال ہو گئے اور لندن میں اپنے گھر میں گویا مقید ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد مجھے مسز سلام کا فون آیا اور بتایا کہ ڈاکٹر صاحب بہت ہی زیادہ غم زدہ ہیں اور کسی کام میں بھی ان کا دل نہیں لگتا۔ آپ حضرت چوہدری صاحبؓ کو کہیں کہ آ کر انہیں تسلی دیں۔ میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ ساری بات بتائی اور ہم دونوں ڈاکٹر صاحب کو ملنے ان کے گھر گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا غم سے برا حال تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کہ اسقدر غم بھی بعض اوقات شرک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اپنی مثال دی کہ اپنی والدہ صاحبہ سے عشق کی حد تک محبت ہونے کے باوجود ان کی وفات پر صبر اختیار کیا اور اللہ کی رضا پر راضی ہو گیا۔ بہت دیر تک نصیحت فرماتے رہے پھر اٹھ کر ڈاکٹر صاحب کو گلے سے لگایا۔ ڈاکٹر صاحب خوب روئے اور یوں ان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے والدین اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحب رویاء و کشوف تھے، عبادت گذار تھے، مخلوق خدا سے محبت کرنے والے اور غریبوں کے کام آنے والے تھے۔

محترمہ مسز سلام صاحبہ ایک لمبے عرصہ تک لجنہ اماء اللہ برطانیہ کی صدر رہیں۔ خاکسار کو

بحیثیت امام ومشنری انچارج برطانیہ ان کا بیحد تعاون حاصل رہا۔مسز سلام ایک طرف خدمت سلسلہ میں لگی رہتی تھیں تو دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کے مہمانوں کی خاطر داری اور مہمان نوازی میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیتی تھیں۔

حال ہی میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اور ہمارے خاندان کو ایک رشتہ کے باعث باہم ملا دیا ہے۔فالحمدللہ۔ڈاکٹر صاحب کے نواسے مکرم فیض الرحمٰن صاحب، جو برادرم ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب اور محترمہ عزیزہ سلام صاحبہ کے بیٹے ہیں، سے میری نواسی عزیزہ مدیحہ حنا خان جو محترم ڈاکٹر عبدالوحید خان صاحب اور محترمہ امۃ النصیر نینو صاحبہ کی بیٹی ہیں ،کا رشتہ طے ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو بے شمار برکتوں کا موجب بنائے۔آمین۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صاحب سے ملاقاتیں

جناب ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی پنجاب کے مشہور مصنف، مورّخ اور سیاسی تجزیہ نگار تھے۔آپ نے مختلف موضوعات پر بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔آپ کو علامہ اقبال کا قرب بھی حاصل رہا تھا۔اس موضوع پر آپ نے ایک کتاب ''اقبال کے آخری دو سال'' تحریر کی جو بہت مقبول ہوئی۔اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں آپ کی تحریرات بہت مقبول ہوئیں۔آپ بٹالہ کے رہنے والے تھے اور خاندان حضرت مسیح موعودعلیہ السلام سے بالعموم اور حضرت مصلح موعودؓ سے بالخصوص بہت پرخلوص تعلق رکھتے تھے۔آپ مسلم لیگ کے ایک سرگرم کارکن تھے۔قائداعظم محمد علی جناح صاحب سے آپ کا گہرا تعلق رہا ہے۔

1953ء سے لیکر اپنی وفات تک آپ عموماً انگلستان میں قیام پذیر رہے۔ زیادہ وقت لائبریریوں میں گذارتے تھے۔ 1970ء کے لگ بھگ جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ مستقلاً لندن میں مقیم ہوئے تو ڈاکٹر بٹالوی صاحب کثرت سے ان کے پاس وقت گذارنے کیلئے مشن ہاؤس میں تشریف لاتے تھے اور حضرت چوہدری سے ملاقات کے بعد زیادہ وقت خاکسار کے ساتھ دفتر میں گذارتے تھے۔ان دنوں آپ اکثر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے ملنے ان کے ہاں بھی تشریف لے جاتے تھے۔

چونکہ آپ اکثر حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملاقات کا وقت طے کئے بغیر ہی پہنچ جایا کرتے تھے اس لئے جب تک حضرت چوہدری صاحبؓ فارغ ہوتے ،وہ وقت میرے ساتھ گذرتا۔ قائداعظم اور پاکستان بننے کے سیاسی حالات پر آپ ایک انسائیکلو پیڈیا تھے اس لئے زیادہ تر گفتگو سیاسی موضوعات پر ہوا کرتی تھی۔ مجھے سیاست میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن ڈاکٹر صاحب کے تالیف قلب کے طور پر ان کی لمبی گفتگو کو سنتا رہتا تھا۔

ایک دن ڈاکٹر بٹالوی صاحب نے سنایا کہ پارٹیشن کے وقت آپ لاہور میں تھے۔ چونکہ آپ کا بنک بٹالہ میں تھا اور پارٹیشن کی افراتفری میں آپ اپنے بنک سے رقوم نہیں نکال سکے تھے اس لئے قیام لاہور کے یہ دن انتہائی مالی مشکلات کے تھے۔ایک دن میں نے اخبار میں پڑھا کہ میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب لاہور آگئے ہیں اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے گھر پر مقیم ہیں تو میں حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری ملاقات حضورؓ سے کرائی گئی ۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے اور مجھ سے اور میرے آبا واجداد سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔میں نے حضورؓ سے اپنی مالی پریشانیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ بٹالہ کے بنک سے رقوم نکالنے میں مشکلات ہیں اس لئے حضورؓ میری مالی مدد

فرمائیں۔حضورؓ نے میری بات کو بڑی توجہ سے سنااور فرمایا کہ ہم تو خودافراتفری میں قادیان سے نکل کر یہاں پہنچے ہیں اور یہاں اس پوزیشن میں نہیں کہ کسی کی مالی مدد کر سکیں اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ میرے پاس لاہور کے بنک میں کتنی رقم ہے اس لئے فی الحال تو میں آپ کی مالی مدد نہیں کرسکتا۔ڈاکٹر بٹالوی صاحب نے مزید فرمایا کہ میں ان سے ملاقات کر کے باہر آیا۔کچھ دیر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے پاس بیٹھا رہا اور پھر واپس اپنی قیام گاہ کی طرف چل پڑا۔ابھی فٹ پاتھ پر چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک شخص دوڑا دوڑا میری طرف آیا اور مجھے کہا کہ آپ کیلئے حضورؓ کا ایک خط ہے۔اس نے لفافہ میرے ہاتھ میں دیا۔میں نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ کھولا۔اندر خط تھا اور 700 روپے تھے۔خط میں حضورؓ نے لکھا تھا کہ آج زندگی میں پہلی مرتبہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ کسی نے مجھ سے مالی مدد طلب کی ہو اور میں نے انکار کیا ہو چنانچہ آپ سے مل کر جب میں اندر گیا تو میری بیوی نے میری پریشانی کو بھانپتے ہوئے اس کی وجہ پوچھی میں نے اسے سارا واقعہ بتایا تو وہ کہنے لگیں میرے پاس کچھ رقم پڑی ہے وہ آپ بٹالوی صاحب کو دے دیں یہ کہہ کر انہوں نے 700 روپے کی رقم مجھے دی جو میں آپ کو بھجوا رہا ہوں۔

بٹالوی صاحب کہنے لگے میرے لئے یہ رقم ایک عظیم نعمت تھی کیونکہ میں بالکل کنگال تھا۔

اگلے دن بٹالوی صاحب حضورؓ کا اصل خط لے آئے جو میں نے پڑھا۔یہ حضورؓ کا اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہوا تھا۔ڈاکٹر بٹالوی صاحب حضورؓ کے اس شفقت کے مظاہرہ سے اسقدر متاثر تھے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

ایک دفعہ بٹالوی صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے پبلک ریکارڈ آفس میں اس

معاہدہ کو دیکھا ہے جو شاہ عبدالعزیز ابن سعود اور برطانوی حکومت کے درمیان طے پایا تھا۔ اس معاہدہ میں برطانوی حکومت نے شاہ عبدالعزیز کو سالانہ ایک لاکھ پونڈ وظیفہ دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ سعودی حکومت کی محافظ ہوگی۔ اس کے بدلہ میں بادشاہ عبدالعزیز، برطانوی حکومت کی وفاداری کا عہد کریں گے۔ حجاج کی حفاظت کی ضمانت دیں گے اور خارجہ امور میں برطانوی حکومت کے فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب میری درخواست پر چند دن بعد اس معاہدہ کی فوٹو کاپی بھی لے آئے جو میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں بھجوادی تھی۔

سعودی حکومت جماعت احمدیہ کو برطانیہ کا خود کاشتہ پودا کہتے نہیں تھکتی جبکہ اس معاہدہ کی رُو سے وہ خود برطانوی حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے۔ جبکہ جماعت احمدیہ نے کبھی ایک پیسہ بھی نہ تو کبھی برطانوی حکومت سے لیا ہے اور نہ ہی کسی اور حکومت سے۔

ڈاکٹر صاحب زیادہ مذہبی خیالات کے آدمی نہیں تھے۔ اپنے آپ کو سیکولر کہا کرتے تھے۔ پاکستان میں ملائیت کے سخت خلاف تھے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر بٹالوی صاحب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ موضوعِ گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے حضور ﷺ کے عفو اور درگزر کے بعض دلگداز واقعات سنائے۔ دورانِ گفتگو بٹالوی صاحب کی زبان سے کچھ ایسے کلمات نکل گئے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بٹالوی صاحب کو کہا آپ آئندہ مجھ سے ملنے نہ آیا کریں۔ چوہدری صاحب کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر بٹالوی صاحب کو پشیمانی ہوئی اور مجھے کہا کہ ان کا مطلب ہرگز حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان میں گستاخی نہ تھی۔بس یونہی ایک غلط بات میرے منہ سے نکل گئی۔وہ اپنی اس بات پر بیحد پشیمان ہوئے اور مجھ سے کہا کہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ سے جا کر ان کے لئے معافی کی درخواست کروں۔ میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے جا کر عرض کیا کہ بٹالوی صاحب سخت پشیمان ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کبھی حضورﷺ کی شان میں کسی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے،غلطی ہر کسی سے ہوسکتی ہے۔میرے چند مرتبہ کہنے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے ان سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کی۔ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی اور کہا کہ سیکولر خیالات کی وجہ سے میں بعض اوقات ایسی بات کہہ جاتا ہوں جو غلط معنی پیدا کر دیتی ہے،وگرنہ میں تو آنحضرتﷺ کا عاشق ہوں۔خیر اس پر یہ معاملہ ختم ہوگیا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے ایک ضخیم مسودہ دیا اور فرمایا کہ یہ کولمبیا یونیورسٹی نے بھجوایا ہے۔کولمبیا یونیورسٹی نے چند عظیم شخصیات، جو اس وقت حیات ہیں،کو منتخب کر کے ان کے تفصیلی انٹرویو ان کی سوانح کے بارہ میں ریکارڈ کئے تھے۔ان عظیم شخصیات میں انہوں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو بھی شامل کیا تھا اور ایک سال میں بیشمار انٹرویو کے ذریعہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کو ریکارڈ کیا تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا مجھے تو اس کی ضرورت نہیں آپ رکھ لیں۔ چند دن بعد میری ملاقات ڈاکٹر بٹالوی صاحب سے ہوئی تو میں نے اس مسودہ کا ذکر کیا۔ڈاکٹر صاحب مصر ہوئے کہ چند دنوں کیلئے میں یہ مسودہ انہیں دوں۔میں نے مسودہ انہیں دے دیا۔پندرہ بیس دن بعد جب میں نے مسودہ ان سے واپس مانگا تو انہوں نے کہا کہ یہ مسودہ مجھے واپس نہیں کریں گے بلکہ اس کی ایڈیٹنگ کر کے اسے کتابی صورت میں شائع کریں گے۔ میں نے چوہدری صاحب سے شکایتاً اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: آپ مسودہ کی واپسی پر

اصرار نہ کریں۔ میں آپ کو اسکی ایک اور کاپی منگوادوں گا۔

ڈاکٹر صاحب نے بعد میں مجھے وہ مسودہ دکھایا جوانہوں نے ایڈٹ کیا تھااوراس کا نام The Forgotten Years رکھا تھا۔ یہ مسودہ ان کی وفات کے بعد لاہور سے شائع ہوالیکن اصل مسودہ میں بہت زیادہ تحریف کر کے اس کی صورت ہی بدل دی تھی۔

بہرکیف ڈاکٹر صاحب ایک علمی انسان تھے۔ گفتگو نہایت شائستہ اور مدلّل کرتے تھے۔آپ ہندو پاک کی تاریخ پر مستند اتھارٹی تھے۔

جنرل اختر حسین ملک - چند یادیں

1968ء میں مجھے جناب مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کا ربوہ سے خط آیا، جس میں تحریر فرمایا تھا کہ میری خواہش ترکی، یوگوسلاویہ اور چیکوسلوا کیا کے دررہ پر جانے کی ہے۔تم اگر اپنے خرچ پر میرے ساتھ اس سفر پر جانا چاہو تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے کچھ عرصہ قبل جناب میاں صاحب سے ذکر کیا تھا کہ میرے پاس حکومت لائبیریا کی طرف سے میرے نام جاری شدہ چند سفری واؤچرز موجود ہیں جوانہوں نے مجھے جناب پریذیڈنٹ ٹب مین آف لائبیریا کی ہدایت پر جاری کئے تھے اور جن پر میں دنیا کے چند ممالک کے سفر مفت کر سکتا تھا۔مکرم میاں صاحب کا اشارہ ان واؤچرز کی طرف تھا۔ میں نے فوراً اس سفر پر ان کے ساتھ جانے کی حامی بھری۔اس سفر کا آغاز ترکی سے ہوا۔ میں مکرم میاں صاحب کے استنبول پہنچنے سے قبل ہی استنبول پہنچ گیا اور وہاں ہوٹل میں قیام پذیر ہوا۔ دو دن بعد مکرم میاں صاحب پاکستان سے سیدھے استنبول چلے آئے۔استنبول میں ہمارا قیام پانچ دن رہا۔ اس دوران استنبول کو دیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہاں کے

خوبصورت عثمانی دور کی بنی ہوئی مساجد دیکھیں۔مشہور زمانہ ٹاپ کوپی میوزیم دیکھا، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے علاوہ صحابۂ کرام کے نوادرات بھی دیکھے جو ایک محفوظ حصہ میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ شیشے کے بکسوں میں رکھے ہوئے تھے۔اس کمرہ میں دعاؤں کی بھی توفیق ملی اور اسلام کی عظمت رفتہ کے دوبارہ ظہور کیلئے دل سے دعائیں نکلیں۔

استنبول میں ایک درجن سے زائد صحابہ مدفون ہیں، جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار بھی ہے۔حضرت ابوایوب انصاری کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ میں چھ ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں فروکش ہوئے تھے۔ بعد میں جب استنبول کی فتح کیلئے پہلی اسلامی فوج ترکی پہنچی تو حضرت ابوایوب انصاری اس فوج میں شامل تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔

ہم ٹیکسی لیکر آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔دعائیں کیں اور ساتھ ملحقہ مسجد ابوایوب میں نوافل ادا کئے اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک عظیم صحابی کی قبر پر حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔

استنبول سے ہم ایک دن کیلئے Izmir ازمیر گئے اور رات وہیں گذاری۔ یہاں ہمارے مخلص ترک دوست شبر سنائی صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔نہایت مخلص دوست تھے۔اب وفات پا چکے ہیں۔دن بھر ہم اکٹھے رہے۔ ہمارے پروگرام میں انقرہ جانا بھی شامل تھا۔ جہاں جنرل اختر حسین ملک ان دنوں CENTO میں پاکستان کی نمائندگی کررہے تھے۔جنرل صاحب

قادیان میں طالب علمی کے دوران مکرم مرزا مبارک احمد صاحب کے کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ میاں صاحب کے ارشاد پر خاکسار نے انہیں فون کیا اور ان سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کسی ہوٹل میں بکنگ کروالیں۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ ہوٹل جانے کی کیا ضرورت ہے، میرا گھر حاضر ہے اور مجھے آپ لوگوں کی مہمان نوازی کر کے بہت خوشی ہوگی۔

مقررہ دن پر جنرل صاحب اپنی سٹاف کار میں ائرپورٹ پر تشریف لائے ہوئے تھے اور عین Tarmac پر جہاز کے دروازہ پر ہمارے منتظر تھے۔ ہم جہاز سے باہر اترے۔ میں نے اس سے قبل جنرل صاحب کا نام تو بہت سنا تھا لیکن کبھی دیکھا نہ تھا۔ جہاز کے دروازہ سے باہر ایک سوا چھ فٹ لمبے، خوش شکل اور چاق چوبند جرنیل کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔ جرنیل صاحب بہت تپاک سے ملے اور ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ جرنیل صاحب کا درجہ ترکی میں پاکستانی سفیر کے برابر کا تھا۔

اگلے دن جرنیل صاحب نے اپنے گھر میں ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جو جناب مرزا مبارک احمد صاحب کے اعزاز میں تھی۔ اس موقع پر جنرل صاحب نے پاکستانی سفارت خانے کے تمام سٹاف کو اور بعض اور پاکستانی معززین کو بھی بلایا ہوا تھا۔ جرنیل صاحب نے ہمارا تعارف تمام معزز مہمانوں سے کرایا اور کھانے کی میز پر قادیان کے اپنے طالب علمی کے زمانہ کی یادیں تازہ کرنے لگے۔ دوران گفتگو جرنیل نے حضرت مصلح موعودؓ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اپنے بچپن کے زمانہ کی حضرت مصلح موعودؓ کی یادوں کے علاوہ اپنی جرنیلی کے زمانہ میں حضورؓ سے جسطرح فوجی معاملات میں انہیں راہنمائی ملتی رہی، اس کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تھے تو حضرت مصلح موعودؓ ایک مذہبی رہنما، لیکن ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے کسی اعلیٰ فوجی اکیڈمی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ جرنیل صاحب

نے بتایا کہ بعض اوقات وہ غیر از جماعت جرنیلوں کو بھی حضورؒ کی ملاقات کیلئے لے جاتے تھے تو وہ بھی بہت متاثر ہوکر نکلتے تھے اور حضورؒ کے فوجی معاملات میں زبردست علم پر حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

اگلے دن میں نے جرنیل صاحب سے دوران گفتگو حضرت مولانا رومؒ کا ذکر کیا۔ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب نے بھی فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم قونیہ میں حضرت مولانا رومؒ کے مزار پر حاضری دے سکیں؟ جرنیل صاحب نے فرمایا مجھے تو مولانا صاحب سے عشق ہے اور میں نے انکی مثنوی کئی دفعہ پڑھی ہے، میں سارا انتظام کردیتا ہوں۔ چنانچہ جرنیل صاحب نے اپنے سیکریٹری کو حکم دیا کہ ہمارے قونیہ جانے کے انتظامات کئے جائیں اور قونیہ میں بھی اس کی اطلاع کردی جائے۔

اگلے دن جرنیل صاحب کی کار میں ہم لوگ قونیہ روانہ ہو گئے۔ دوسری کار میں جرنیل صاحب نے دوپہر کا کھانا رکھوادیا تھا۔ انقرہ سے قونیہ تک تمام راستہ جرنیل صاحب ہمیں مثنوی کے اشعار سناتے رہے، جو انہیں زبانی یاد تھے اور مجھے سخت حیرت اس بات پر تھی کہ ایک فوجی جرنیل کو مولانا روم کی شاعری اور ان کی علمی عظمت پر کتنا علم حاصل ہے! قونیہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس دن عام چھٹی ہے اور مزار بھی بند ہے۔لیکن چونکہ جرنیل صاحب نے پیغام بھجوایا ہوا تھا اس لئے بطور خاص ہمارے لئے دروازے کھول دیئے گئے۔ہم نے مزار کی زیارت کی اور مولانا کے سرہانے کھڑے ہوکر لمبی پرسوز دعائیں کیں جن میں بالخصوص احمدیت کے نفوذ کے ذریعہ اسلام کی عظمت رفتہ لوٹ آنے کی دعائیں شامل تھیں۔شام کو انقرہ واپسی ہوئی۔اگلے دن جرنیل صاحب ہمیں کمال اتاترک کے مزار پر لے گئے۔جرنیل صاحب کمال اتاترک سے بہت متاثر نظر آتے تھے۔جرنیل صاحب کی

بیگم صاحبہ نے مہمان نوازی کی حد کر دی تھی۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ حضرت مصلح موعودؓ سے عشق کی حد تک محبت کرتی تھیں اور اس بات پر خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پوتے اور حضرت مصلح موعودؓ کے فرزندان کے مہمان ہیں۔

جنرل صاحب اس کے بعد ایک دفعہ لندن تشریف لائے تو مجھے پہلے سے فون پر اطلاع دی۔ مشن ہاؤس تشریف لائے اور خاصا وقت ہم نے اکٹھے گذارا۔

خاکسار جس بات سے بطور خاص متاثر ہوا وہ جرنیل صاحب کی سادہ طبیعت تھی۔ باوجود اتنے بڑے جرنیل ہونے کے ان کی طبیعت میں غرور یا تکبر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ میری عمر ان سے بہت چھوٹی تھی لیکن مجھ سے بڑے احترام سے پیش آتے تھے اور جب میں انکساری کا اظہار کرتا تو فرماتے آپ تو امام ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو اس مقام پر فائز کیا ہے۔ مکرم میاں مبارک احمد صاحب کے سامنے اتنی انکساری کا اظہار کرتے تھے کہ گویا ان کے ایک خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ محترم جرنیل صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے۔ دونوں ربوہ میں مدفون ہیں۔

غالباً 1998ء میں عزیزان ڈاکٹر عبدالوحید خان اور امۃ النصیر نینو نے ہم دونوں میاں بیوی کو اپنے ساتھ ترکی کی سیاحت پر چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ہم یعنی ڈاکٹر وحید، نینو، مدیحہ ہمایوں اور عالیہ اس سفر پر روانہ ہوئے اور سات روز استنبول میں ٹھہرے۔ پرانی یادیں تازہ کیں، مزاراتِ صحابہ پر دعائیں کیں، ٹاپ کاپی میوزیم وغیرہ دوبارہ دیکھے اور خوب سیر کی۔ اللہ تعالیٰ ان عزیزان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

ترکی کی یادوں میں مجھے اپنے پیارے دوست محمد افضل خان صاحب ترکی بھی یاد آجاتے ہیں۔ ان سے میرا تعارف چنیوٹ میں نصف صدی قبل طالب علمی کے زمانہ

میں ہوا تھا اور جلد ہی ہماری باہمی محبت عام دوستی سے بڑھ کر اخوت میں بدل گئی۔ افضل خان صاحب ایک بارسوخ امیر ترک خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ربوہ میں احمدیت قبول کرنے والے پہلے نوجوان ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں ربوہ کا پہلا پھل قرار دیا تھا۔ آج کل لندن میں مستقلاً آباد ہیں اور مجھ سے بہت گہرا، پرخلوص اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔

لائبیریا میں شاہی مہمان بننے کی سعادت

جون 1967ء میں لائبیریا سے برادرم مبارک احمد صاحب ساقی مرحوم امیر و مبلغ انچارج جماعت احمدیہ لائبیریا نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی کہ لائبیریا کے صدر مملکت مسٹر ٹب مین برطانیہ کے سرکاری دورہ پر جارہے ہیں۔ اُن سے احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ مسٹر ٹب مین اکثر سرکاری تقاریب میں مکرم ساقی صاحب کو مدعو کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے اگر ممکن ہو تو انہیں برطانیہ میں جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے خوش آمدید کہنا مناسب و مفید ہوگا۔

خاکسار نے برطانوی فارن آفس سے مسٹر ٹب مین کی برطانیہ تشریف آوری کے بارہ میں معلومات حاصل کیں۔ پریذیڈنٹ صاحب جب برطانیہ تشریف لائے اور تین دن کی سرکاری تقاریب ختم ہوئیں تو لندن کے رائل گارڈن ہوٹل میں مقیم ہوگئے اور اس ہوٹل کا ایک پورا ونگ کرایہ پر ان کے لئے مخصوص کیا گیا۔ میں نے انکے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے جناب صدر ٹب مین سے ملاقات کیلئے وقت مانگا۔ اگلے دن انہوں نے اطلاع دی کہ دو دن کے بعد صدر صاحب سے ملاقات کا وقت طے ہوگیا ہے۔ ملاقات

کا وقت دس منٹ کا ہوگا۔ چنانچہ میں مقررہ وقت پر جناب صدر صاحب کی ملاقات کیلئے ان کے ہوٹل پہنچ گیا۔ صدر صاحب ہوٹل کے جس وِنگ میں قیام پذیر تھے اس کا انتظام صدر صاحب کے سٹاف نے سنبھال رکھا تھا جو ان کے ساتھ لائبیریا سے آئے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ایک لفٹ بھی ان کے لئے مخصوص تھی جس میں صدر صاحب کا سٹاف اور مہمانان ہی جا سکتے تھے۔

صدر صاحب ایک خوبصورت وآراستہ ڈرائنگ روم میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اُٹھ کر ملے اور حال احوال پوچھنے کے بعد ہمارے لائبیریا کے احمدیہ مسلم مشن کے کام پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ میں نے یہ خصوصی ہدایت دے رکھی ہے کہ ملکی تقاریب میں مبارک احمد صاحب ساقی کو ضرور بلایا جائے۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور انگلستان مشن کے حالات سے انہیں آگاہ کیا۔ دس منٹ کا وقت ختم ہوا تو ان کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے دروازہ کھول کر مجھے ملاقات ختم ہو جانے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھنے لگا تو صدر صاحب نے فرمایا کہ ابھی تو آپ نے کافی بھی نہیں پی اور پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو کافی لانے کا ارشاد فرمایا۔ ہماری یہ ملاقات 45 منٹ تک جاری رہی۔ مختلف مذہبی امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ محترم صدر صاحب باوجود عیسائی ہونے کے وحدانیت کے قائل تھے اور مذہبی رواداری کے علمبردار تھے۔

میں نے انہیں مسجد فضل لندن تشریف لانے کی دعوت دی جو انہوں نے اُسی وقت قبول کر لی اور فرمایا کہ دن اور وقت کا تعین کل کر لیں گے۔ اگلے دن پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے اطلاع دی کہ صدر صاحب فلاں دن مسجد تشریف لاویں گے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ صدر صاحب جب مسجد تشریف لاویں تو کھانا ہمارے ہمراہ تناول

فرماویں۔صدر صاحب نے ہماری دعوت قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ساتھ چالیس افراد ہوں گے جن میں وزراء اور فوجی جرنیلوں کے علاوہ لائبیرین ٹی وی اور ریڈیو کا عملہ بھی ہوگا اور چند صحافی بھی ہوں گے۔

میں نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو ہیگ اطلاع کی اور ان سے درخواست کی کہ اس موقع کی مناسبت سے وہ بھی تشریف لاویں۔

جس دن صدر صاحب نے مسجد تشریف لانا تھا اس دن صبح ہی برطانوی پولیس کے ایک چیف مسجد تشریف لائے اور حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا۔مقامی رپورٹر بھی صبح سے ہی آ گئے اور مسجد میں صبح سے ہی خاصی گہما گہمی اور چہل پہل شروع ہوگئی۔

محترم صدر صاحب شام کے چھ بجے اپنے قافلہ سمیت پولیس کے حفاظتی دستہ کے ساتھ تشریف لائے۔محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ مرحوم ،مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم اور خاکسار نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور انہیں مسجد میں لے گئے۔ صدر صاحب مسجد میں داخل ہوئے ۔میں نے انہیں مسجد کی تاریخ اور اہمیت تفصیل سے بتائی۔مسجد کی زیارت کے بعد صدر صاحب کو 61 میلروز روڈ کے ہال میں لے جایا گیا جہاں کھانے کا انتظام ایک ریسٹورنٹ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔کھانے کے بعد میں نے صدر صاحب کی خدمت میں ایک استقبالیہ ایڈریس پیش کیا جو لائبیرین ٹی وی اور ریڈیو نے ریکارڈ کرلیا۔صدر صاحب نے اپنی جوابی تقریر اس بات سے شروع کی کہ ان کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا جس دن انہیں رات کے کھانے پر شراب مہیا نہیں کی گئی لیکن انہوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ شراب نہ پینے سے ان کی طبیعت پر بیحد خوشگوار اثر ہوا ہے۔

صدر صاحب نے اپنی تقریر میں جماعت احمدیہ کو خراج تحسین پیش کیا اور خصوصاً

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے ملاقات پر دلی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ باوجود اس کے کہ لائبیریا ایک عیسائی مملکت ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کا افریقہ میں ایک لحاظ سے مرکز ہے، لیکن انہوں نے سختی سے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ تمام مذاہب کو وہاں پر اپنی تبلیغ کرنے کی آزادی ہو۔ جماعت احمدیہ نے ان کے ملک میں عوام کی جس رنگ میں خدمت کا کام شروع کیا ہے اس پر صدر صاحب نے خوشنودی کا اظہار کیا۔ صدر صاحب اور میری تقاریر جو لائبرین ٹی وی اور ریڈیو نے ریکارڈ کی تھیں وہ چند دنوں بعد لائبریا میں من وعن دکھائی گئی۔ اس کی اطلاع مکرم مبارک احمد صاحب ساقی نے خاکسار کو دی۔

دعوت کے اگلے دن جناب صدر کی طرف سے بذریعہ خاص ہرکارے کے ایک خط خاکسار کو ملا جسمیں صدر صاحب نے ہماری طرف سے ان کے اعزاز میں منعقدہ تقریب پر اپنے جذبات تشکر کا اظہار کیا تھا اور خاکسار کو دعوت دی تھی کہ اسی سال جولائی میں لائبریا کی آزادی کی سالگرہ کی تقاریب میں بطور مہمان لائبرین گورنمنٹ شرکت کروں۔ چونکہ اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اگست میں انگلستان کے دورہ پر تشریف لا رہے تھے۔ اس لئے خاکسار نے لائبریا جانے سے معذرت کر دی۔ محترم صدر صاحب نے دوسرے خط میں لکھا کہ اگلے سال لائبریا اپنی آزادی کا ایک سو بیسواں جشن منا رہا ہے۔ ہماری طرف سے اگلے سال کے جشن میں شمولیت کی دعوت ہے۔ یہ دعوت خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے قبول کر لی۔

1968ء میں لائبیریا کے سفیر مقیم برطانیہ نے خاکسار کو اطلاع دی کہ انہیں صدر ٹب مین کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ وہ میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کریں۔ خاکسار نے انہیں بتایا کہ میرے ساتھ میری اہلیہ اور لڑکا منیر احمد ہی جائیں

گے۔ چند دن بعد ہمارے لئے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ آ گئے اور جانے کی تاریخیں مقرر ہو گئیں۔ چونکہ ہماری فلائٹ براستہ سیرالیون جاتی تھی اس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ سیرالیون چند دن ٹھہرنے کے بعد لائبیریا جائیں۔ مورخہ 24 جولائی 1968ء کو ہم نے M.E.A کا جہاز منروویا کے لئے لیا اور دوپہر کو منروویا کے ایئرپورٹ پر جا اُترے۔ جہاز کی کھڑکی سے میں نے باہر نظر کی تو سینکڑوں لوگ نظر آئے اور یہ خیال کیا کہ اس جہاز میں کوئی اہم شخصیت ہوگی جس کے استقبال کیلئے یہ لوگ آئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں مکرم مبارک احمد صاحب ساقی امیر و مبلغ انچارج لائبیریا جہاز کے اندر تشریف لائے اور بتایا کہ یہ سب لوگ میرے استقبال کیلئے تشریف لائے ہوئے ہیں نیز یہ بھی بتایا کہ وزیر خارجہ صاحب بطور نمائندہ خاص پریذیڈنٹ ٹب مین، بھی آئے ہوئے ہیں۔ مسلم کانگرس لائبیریا کے نمائندگان بھی موجود ہیں اور یہ کہ جناب صدر صاحب کے حکم سے خاص بسوں میں یہ تمام لوگ آئے ہیں۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دن بھی دکھایا کہ جماعت احمدیہ کا ایک مبلغ جماعت کی برکت سے آج شاہی مہمان ہے۔ خیر جہاز سے اترنے پر جناب وزیر خارجہ صاحب نے بڑھ کر جناب صدر صاحب کی طرف سے خوش آمدید کہا اور پھر خاکسار نے تمام معززین سے جو ایک لمبی قطار میں کھڑے تھے مصافحہ کیا۔ اس ساری کاروائی پر ایک گھنٹہ کے قریب لگ گیا جس کے بعد ہمارا قافلہ ایک کانوائے کی صورت میں منرویا شہر کی جانب رواں ہو گیا۔ ہماری کار کے آگے پولیس کی کار چل رہی تھی جو سامنے سے آنے والے ٹریفک کو روکتی جاتی تھی۔ خیر منروویا پہنچے۔ حکومت نے ہمارے قیام کا انتظام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں کیا ہوا تھا۔

جناب وزیر خارجہ صاحب نے خاکسار کو خاکسار کے قیام کے دوران ہونے والے

پروگرام سے مطلع کیا اور بتایا کہ اگلے دن گیارہ بجے کافی صدر صاحب کے ساتھ ان کے محل میں پئیں۔ ان کے جانے کے بعد مکرم مبارک احمد صاحب ساقی سے ملکی حالات وغیرہ پر بات چیت ہوتی رہی۔ شام کو ہم لوگ احمدیہ مشن ہاؤس دیکھنے چلے گئے۔ جہاں مجلس عاملہ کے اراکین موجود تھے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ہمیں مستقلاً ہمارے دورانِ قیام ایک بڑی ائرکنڈیشنڈ امریکن گاڑی مہیا کی گئی تھی۔ پولیس Escort کا بھی انتظام تھا۔ لائبریا کی جماعت سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ بعض افراد جماعت کے اخلاص اور جماعت سے وابستگی کے جذبہ نے بے حد متاثر کیا اور بار بار یہ خیال آتا رہا کہ کہاں وہ دن جب حضرت مسیح موعودؑ قادیان کے دُور افتادہ اور ہر قسم کی دنیوی آسائشوں سے محروم بستی میں گمنامی کی زندگی بسر کررہے تھے اور خود بقول حضور علیہ السلام کہ

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر!

والی کیفیت تھی اور کجا یہ دن کہ افریقہ جیسے دور دراز براعظم میں آپ کے مخلصین اور آپ پر دن رات درود وسلام بھیجنے والے عشاق کے علاوہ سربراہانِ مملکت بھی آپ کے خدام کی مہمان نوازی پر خوشی کا اظہار کررہے تھے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اگلے دن جناب وزیر خارجہ صاحب کی معیت میں خاکسار جناب صدر صاحب سے ملنے کیلئے منروویا کے ایگزیکٹو ہاؤس گیا۔ یہ عمارت جو صدر صاحب کی آفیشل رہائش گاہ ہے، حال ہی میں 16 کروڑ ڈالر کے خرچ سے تیار ہوئی تھی۔ ٹھیک گیارہ بجے خاکسار کو صدر صاحب کے کمرہ میں پہنچایا گیا۔ صدر صاحب منتظر تھے، بہت تپاک سے ملے۔ تھوڑی دیر میں کافی بھی آ گئی۔ صدر صاحب نے جماعت احمدیہ کے کام پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ محض للہ خدمت کررہے ہیں جبکہ بہت سارے اور مسلمان

گروہ جو میرے ملک میں کام کر رہے ہیں وہ اکثر میرے پاس مال و دولت کے لالچ میں آ کر میری خوشامدیں کرتے ہیں۔ جس سے میرے دل میں ان کی عزت نہیں رہتی۔ رقوم تو میں انہیں مہیا کر دیتا ہوں لیکن یہ سب کچھ طوعاً و کرہاً ہی کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ آپ کی جماعت لائبریا میں بے لوث خدمت انجام دے رہی ہے۔ انہوں نے کبھی میرے آگے جھولی نہیں پھیلائی۔

دوران گفتگو صدر صاحب نے دریافت فرمایا کہ تمہاری اہلیہ بھی تمہارے ساتھ آئی ہوئی ہے وہ ملاقات کیلئے کیوں نہیں آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ پردہ دار خاتون ہیں۔ اس پر فوراً اپنے پرائیویٹ سیکریٹری کو بلا کر حکم دیا کہ اگلے دن مسز رفیق کی ملاقات صدر صاحب کی بیگم صاحبہ سے کرائی جائے اور یہ احتیاط کی جائے کہ دورانِ ملاقات صرف خواتین ہی موجود ہوں۔ چنانچہ اگلے روز میری اہلیہ جناب صدر صاحب کی بیگم صاحبہ سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئیں اور واپسی پر مجھے بتایا کہ صدر صاحب کے حکم کی تعمیل اس طور پر کی گئی تھی کہ جب میری کار پریذیڈنٹ ہاؤس کے پورچ میں داخل ہوئی تو کار کا دروازہ ایک خاتون نے کھولا۔ لفٹ میں بھی خاتون کارکن تھیں۔ بیگم صاحبہ ٹب مین بڑی تپاک سے ملیں اور ایک گھنٹہ تک جماعت کے علاوہ پاکستان میں خواتین کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ملاقات کے اختتام پر مسز ٹب مین نے کچھ تحائف میری بیوی کو دیئے۔

25 جولائی کو صدر صاحب سے ملاقات کے دوران انہوں نے فرمایا کہ 26 جولائی کو تقریب آزادی کے سلسلہ میں ایک عصرانہ کی تقریب ہوگی جس میں مجھے ضرور شامل ہونا چاہئے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میں تو آیا ہی آپ کی دعوت پر ہوں اور جو بھی پروگرام آپ تجویز فرمائیں گے اسی پر کاربند رہوں گا۔ اگلے دن یعنی 26 جولائی کو جو تقریب منعقد

ہوئی،اس میں خاکسار کومحترم صدر نے اپنی بائیں جانب کی کرسی پر بٹھایااوردائیں جانب کی کرسی پر غالبًا نائب صدر صاحب کو بٹھایا گیا۔ ماکولات ومشروبات کے بعد صدر صاحب نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر وہیں سے قوم کو خطاب فرمایا۔ خطاب کے آخر میں انہوں نے بطور خاص خاکسار کا ذکر فرمایااور جماعت کا اچھے الفاظ میں ذکر فرمایااور مجھے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا میں کھڑا ہوگیا تو جناب صدر نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کافی دیر تک کھڑے رہے۔ یہ ایک غیر معمولی اعزاز تھا جو جماعت احمدیہ کے مبلغ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے نصیب فرمایا۔ وگرنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔

اگلے دن جناب صدر سے گیارہ بجے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مسلم کانگرس آف لائبریا کی خواہش ہے کہ تمہارے اعزاز میں ایک عشائیہ دے جس میں وہ میری شرکت بھی چاہتے ہیں۔ چنانچہ 27 جولائی کی شام کومنروویا کے ایک ہوٹل میں یہ عشائیہ منعقد ہوا۔ اسٹیج پر خاکسار کو جناب صدر کے دائیں جانب بٹھایا گیا جبکہ بائیں جانب برطانیہ کے سفیر کو بٹھایا گیا۔ کھانے کے بعد خاکسار نے جناب صدر کی موجودگی میں ''برطانیہ میں اسلام'' کے موضوع پر تقریر کی۔ جناب صدر نے بھی تقریر فرمائی اور اعلان کیا کہ عشائیہ کے اختتام پر وہ خود مجھے لائبرین چیف کا لباس پہنا کر چیف بننے کا اعزاز عطا فرمائیں گے۔ اس موقع پر برطانوی سفیر نے بھی مختصر تقریر کی اور فرمایا کہ انہیں خوشی ہے کہ ان کے ملک یعنی انگلستان کی ایک مسجد کے امام اور جماعت احمدیہ کے نمائندہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ لائبریا کے صدر صاحب نے انہیں بطور اسٹیٹ گیسٹ مدعو کیا ہے۔ تقریب کے اختتام پر جناب صدر نے اپنے ہاتھوں سے خاکسار کو ایک قیمتی خوبصورت کامدار چغہ اور ٹوپی پہنائی اور یوں میں لائبریا کا چیف بن گیا۔ یہ تمام تقریب Live ٹیلی

کاسٹ ہوئی۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اگلے دن لائبیرین ٹی وی پر خاکسار کا انٹرویو نشر کیا گیا جو دس منٹ تک جاری رہا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے تعارف اور کارناموں پر روشنی ڈالنے کی توفیق ملی۔الحمدللہ۔

منروویا کے اخبارات میں خاکسار کے اس دورہ کی روزانہ کاروائی بمع تصاویر شائع ہوتی رہی۔ اسی دوران منروویا میں برطانیہ کے سفیر نے خاکسار کو لنچ کی دعوت دی اور خاکسار کے علاوہ مسلم کانگرس کے چند زعماء کو بھی مدعو کیا۔ یہ موقع بھی جماعت کے تعارف اور جماعت کے کاموں کی تفصیل کیلئے نہایت اعلیٰ ثابت ہوا۔

لائبریا کے دورہ کے اختتام پر جب خاکسار اکرا، غانا کیلئے روانہ ہونے لگا تو ائرپورٹ پر وزیر خارجہ اور ایک اور وزیر و پولیس اور فوج کے نمائندگان، مسلم کانگرس کے گورنر صوموموما اور درجنوں اور احباب موجود تھے۔

سرزمین افریقہ کی احمدیہ جماعتوں میں

لائبریا کے اس سفر کے باعث خاکسار کو جماعت ہائے احمدیہ افریقہ کی بعض جماعتوں کو دیکھنے اور احباب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے سفیر صاحب لائبریا سے درخواست کی کہ ہمارے ٹکٹ اسطرح بنوائیں کہ ہم سیرالیون اور گھانا کی احمدیہ جماعتوں سے مل کر اپنے ایمانوں کو تازہ کرسکیں۔انہوں نے ہمیں فرسٹ کلاس کے ٹکٹ مہیا کر دیئے۔

ہم لندن سے برٹش ایرویز کی فلائیٹ سے سیرالیون کیلئے روانہ ہوئے۔ لائبیریا کے سفیر صاحب از راہ کرم ایئرپورٹ پر ہمیں رخصت کرنے کیلئے موجود تھے اور مسجد لندن سے

ایئر پورٹ تک لے جانے کیلئے کار بھی انہوں نے بھجوادی تھی۔ ہم جہاز میں سوار ہوئے ،لندن کا موسم نہایت خوشگوار تھا۔

جونہی ہم نے لنگی ایئر پورٹ پر جہاز سے سر باہر نکالا تو یوں محسوس ہوا کہ گویا ہم نے اپنا سر Oven میں دے دیا ہے۔ باہر سخت گرم اور مرطوب ہوا چل رہی تھی۔

لنگی کا ائیر پورٹ ایک مختصر سی بلڈنگ میں واقع تھا۔ہم کسٹم وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر نکلے۔ شام چار بجے کا وقت تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ ہمیں کوئی لینے بھی آیا ہے یا نہیں؟ بد قسمتی سے ایک غلط فہمی کی وجہ سے ایئر پورٹ پر کوئی موجود نہ تھا۔ ہمیں بڑی گھبراہٹ ہوئی ۔ افریقہ کی سرزمین پر یہ ہمارا پہلا قدم تھا۔ ہم کسی کو جانتے نہ تھے اور ہمارے پاس فری ٹاؤن میں واقع مشن ہاؤس کا پتہ بھی نہ تھا کیونکہ ہماری ساری خط و کتابت افریقن مشنوں سے P.O Box کے ذریعہ ہوتی تھی ہم باہر ایک بنچ پر بیٹھ گئے ۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ فری ٹاؤن ،ائیر پورٹ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہم اس امید پر بیٹھے رہے کہ کوئی نہ کوئی ہمیں لینے ضرور آئے گا لیکن۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہم اسی پریشانی میں دعاؤں میں لگے ہوئے تھے کہ ایک افریقن ہمارے پاس آیا اور کہا کہ اگر ہم نے فری ٹاؤن جانا ہے تو سامنے فری ٹاؤن جانے والی آخری بس کھڑی ہے۔ ہم بس میں سوار ہو گئے ۔ایک عجیب قسم کی پریشانی کی کیفیت طاری تھی کہ فری ٹاؤن پہنچ بھی گئے تو مشن کا پتہ کیسے حاصل کریں گے؟ بس روانہ ہونے سے پہلے ڈرائیور نے ہماری پریشانی کو بھانپ لیا اور مجھ سے پوچھا کہ مجھے فری ٹاؤن میں کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا کہ میں احمدی ہوں اور احمدیہ مشن ہاؤس میں میں نے قیام کرنا ہے ۔اس کے چہرہ پر ایک

خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا احمدیہ مشن ہاؤس کو کون نہیں جانتا، آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میں آپ کو فری ٹاؤن اتار کر مشن ہاؤس جانے کیلئے ٹیکسی میں بٹھا دوں گا۔

لنگی سے فری ٹاؤن 60-50 میل کا فاصلہ ہے۔ درمیان میں بذریعہ فیری دریا بھی پار کرنا پڑتا ہے۔ ہم شام کو فری ٹاؤن کے ایمبسڈر ہوٹل پہنچے۔ یہ ایئر پورٹ سے آنے والی بسوں کا آخری سٹاپ تھا۔ ہم بس سے نیچے اُترے اور ڈرائیور نے ایک ٹیکسی والے کو بلایا اور کہا کہ ہم نے احمدیہ مشن جانا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا کہ آپکے مبلغ صاحب تو اس وقت مشن ہاؤس میں نہیں ہیں، وہ فلاں احمدی کے مکان پر ہیں جہاں کچھ اور احمدی بھی جمع ہیں۔ کیا میں آپ کو مبلغ صاحب کے پاس لے جاؤں یا مشن ہاؤس پہنچا دوں؟ میں نے کہا، مشن ہاؤس لے چلو۔ تھوڑی دیر میں ہم مشن ہاؤس میں جا پہنچے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

ہمارا مشن ہاؤس شہر کے معروف علاقہ میں واقع ہے۔ قریب ہی جناب پریذیڈنٹ صاحب آف سیرالیون کی رہائش گاہ ہے۔ مبلغ صاحب ابھی نہیں آئے تھے البتہ دو تین احمدی موجود تھے جنہیں میرے آنے کا تو علم تھا لیکن تاریخوں میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے یہ علم نہ تھا کہ میں نے کس دن پہنچنا تھا۔ خیر انہوں نے ہمارا کمرہ، جہاں ہم نے قیام کرنا تھا، ہمارے لئے کھول دیا۔ ہم نے سامان رکھا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اطمینان کی سانس لی۔

ہمارا کمرہ خاصا بڑا تھا جس کے ساتھ ملحقہ غسل خانے کی سہولت بھی موجود تھی اور ایک پنکھا بھی موجود تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ پانی کی قلت کے سبب ہم نلکوں سے پانی کا استعمال بہت احتیاط سے کریں۔

ہماری پہلی رات بہت تکلیف میں گذری۔ گرمی تو تھی ہی، اوپر سے مچھروں نے ہم پر

تابڑتوڑ حملے شروع کر دیئے اور یوں لگتا تھا گویا یہ مچھر نہیں، بمبار طیارے ہیں۔ نیچے زمین پر سینکڑوں چیونٹیاں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ میرے بیٹے نے اس سے قبل مچھر یا چیونٹی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی ان کے کاٹنے کی اذیت محسوس کی تھی۔ وہ بے چارا ساری رات ایک منٹ کیلئے بھی نہ سو سکا۔ خود ہمارے جسم مچھروں کی چاند ماری سے تار تار ہو رہے تھے۔

رات کٹ گئی۔ صبح ہماری تواضع پر تکلف ناشتہ سے کی گئی۔ رات بھر میں اپنے مبلغین پر سلام و دعا بھیجتا رہا جنہوں نے سالہا سال ان ممالک میں حشرات الارض کے ساتھ گزارا کیا اور گرم و مرطوب موسم اور دشمنانِ احمدیت کے حملوں کو مردانہ وار برداشت کیا لیکن زبان پر اُف تک نہ لائے۔ میرا دل ان سب کیلئے جذبات تشکر و دعا سے معمور رہا۔

اگلے دن محترم امیر صاحب ہمیں شہر کی سیر کیلئے لے گئے۔ راستہ میں جگہ جگہ ہماری ملاقات احمدی دوستوں سے کرائی گئی اور میں ان کی محبت، اخلاص اور جذبۂ مہمان نوازی سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ وہ بظاہر غریب تھے لیکن دل کے امیر تھے۔ ان کے دلوں میں خلوص اور احمدیت سے محبت و وفاداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ انگلستان سے آئے ہوئے اپنے ایک احمدی بھائی سے مل کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

ہم احمدیہ سیکنڈری سکول بھی گئے۔ وہاں طلباء و اساتذہ نے بڑی محبت سے ہمارا استقبال کیا۔ اکثر اساتذہ پاکستانی احمدی تھے۔ ہم نے عشاء کی نماز سکول کی مسجد میں ادا کی اور رات گئے مشن ہاؤس واپس آ گئے۔

تین دن فری ٹاؤن میں قیام کرنے کے بعد جناب امیر صاحب نے ازراہ شفقت ہمیں سیرالیون کے دیگر شہروں میں احمدیہ مشن ہاؤسز دیکھنے اور احمدیوں سے ملنے کی دعوت دی۔ ہمارے پاس وقت کافی تھا اس لئے ہم نے بہت خوشی کے ساتھ ان کی دعوت قبول

کر لی۔

ہم فری ٹاؤن سے محترم امیر صاحب کی موٹر کار میں، جسے وہ خود چلا رہے تھے، سیرالیون کے مرکزی شہر بو Bo کیلئے روانہ ہوئے۔ بو، سیرالیون کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہاں جماعت کا ایک سیکنڈری سکول، مشن ہاؤس اور مسجد بھی ہے۔ فری ٹاؤن سے بو کا فاصلہ 140 میل ہے۔ سڑک زیادہ اچھی نہیں ہے۔ (یہ 1968ء کی بات ہے، ممکن ہے اب سڑک اچھی بن گئی ہو، واللہ اعلم) راستہ میں مختلف قصبات میں جماعت کے احباب سڑک کے کنارے ہمارے استقبال کیلئے جمع تھے۔ ہم ان سے ملاقات کر کے آگے روانہ ہو جاتے تھے۔ مجھے ان غریب افریقن احمدیوں کے اخلاص، احمدیت سے محبت اور ان کے جذبۂ مہمان نوازی نے بیحد متاثر کیا۔ نصف راستہ کے لگ بھگ ہم طے کر چکے تھے۔ راستہ میں ایک بڑا قصبہ آیا، جس کا نام غالبًا 91 Mile تھا۔ ہم یہاں تھوڑی دیر کیلئے رُکے۔ موسلا دھار بارش برس رہی تھی اور ہر طرف جل تھل کا سماں تھا۔ ہم نے خیال کیا کہ اب اس شدید طوفان بادوباراں میں کسی احمدی سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اچانک میری نظر سڑک کے کنارے کھڑے چند احمدیوں پر پڑی جو موسلا دھار بارش میں شرابور ہمارے استقبال کیلئے کھڑے تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں کار سے باہر نکلا۔ ایک افریقن احمدی نے میرے سر پر چھتری تان لی اور اس طرح میں نے ہر احمدی سے گلے مل کر اپنے دل کو ایمان افروز تسکین پہنچائی۔ میں آج بھی اس نظارہ کا خیال کرتا ہوں تو میرا دل ان احمدیوں کیلئے جذبات تشکر و دعا سے بھر جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر احمدیت سے عقیدت و محبت اور فدائیت کے نظارے کرنے ہوں تو افریقہ جا کر کئے جائیں۔

خیر رات گئے ہم بو پہنچے اور مشن ہاؤس میں قیام پذیر ہو گئے۔ اگلے دن لوکل مبلغ

صاحب ہمیں بوشہر دکھانے لے گئے ۔ہم نے اس دوران احمدیہ سیکنڈری سکول کا دورہ بھی کیا اور سکول کی اعلیٰ کارکردگی کی رپورٹ سن کر بہت متاثر ہوئے ۔اس سکول کا شمار اس علاقہ کے اعلیٰ ترین سکولوں میں ہوتا ہے ۔شام کو مجھے مبلغ صاحب نے بتایا کہ بو جماعت کے ایک بزرگ اور مخلص ترین احمدی جناب الحاج علی روجرز صاحب مجھ سے ملنے کیلئے تشریف لائیں گے ۔انہوں نے بتایا کہ جناب الحاج روجرز صاحب کی قربانیاں اور مالی امداد جو وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں، قابل ستائش ہیں۔

شام کو جناب الحاج روجرز صاحب تشریف لائے ۔ لمبا قد، مضبوط جسم اور چہرہ پر روحانیت کا نور تھا۔مجسم اخلاص کے مالک الحاج روجرز صاحب مجھ سے بڑی تپاک سے ملے اور مجھے بو آنے پر خوش آمدید کہا۔ باتوں باتوں میں میں نے ان سے پوچھا کہ بو میں احمدیت کیسے قائم ہوئی ؟ جناب الحاج روجرز صاحب کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ میں احمدیت کے بو میں قائم ہونے کا اور جماعت کے پہلے مبلغ کے تشریف لانے کا عینی شاہد ہوں ۔اب آیئے جناب الحاج روجرز صاحب کی زبانی یہ ایمان افروز داستان سن کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں ۔جناب الحاج روجرز صاحب یوں گویا ہوئے :

''غالباً 40-1939ء کی بات ہے، میں بوشہر میں رہتا تھا۔ میرے والدین انتہائی غریب تھے اور مجھے کسی اسکول میں داخل کروانے کے اہل نہیں تھے۔ایک دن میں نے ڈھنڈورا پیٹے جانے کی آواز سنی۔ ایک ڈھنڈورچی بلند آواز سے یہ اعلان کرتا جارہا تھا کہ شہر میں ایک مسلمان مشنری آیا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسیح موعود پیدا ہو چکے ہیں جو اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ عطا کریں گے۔ بو میں کوئی شخص نہ تو اس کی

بات سنے اور نہ ہی اسے اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دے۔

میں نے یہ اعلان بار بار سنا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اگر عیسائی مشنریوں کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے اور وہ بومیں دندناتے پھر رہے ہیں، تو پھر مسلمان مشنری کو کیوں بات کرنے سے روکا جارہا ہے؟

میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میں نے ایک ہندوستانی کو دیکھا جن کے ساتھ ایک افریقن لڑکا انکا صندوق اٹھائے چلا آرہا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہندوستانی مبلغ، جن کا نام حضرت نذیر احمد علی تھا، مختلف سرایوں میں رات رہنے کی جگہ کی تلاش میں جاتے تھے اور ہر جگہ سے انکار ہوتا تھا۔ میں بھی انکے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے ان کا صندوق اپنے سر پر رکھ لیا۔ اُس افریقن لڑکے کو علی صاحب نے چند سکے دے کر رخصت کر دیا۔ اس طرح رہائش کیلئے جگہ تلاش کرتے کرتے شام ہوگئی، ہم تھک چکے تھے۔ نذیر احمد علی صاحب یوں بھی کمزور جسم کے مالک تھے اور فوقتاً فوقتاً آپ کو کھانسی کا دورہ بھی پڑتا تھا۔

شام ڈھلنے لگی تو جناب نذیر احمد صاحب علی نے فرمایا روجرز! یہ شہر والے ہمیں رات گذارنے کیلئے جگہ نہیں دیں گے۔ چلو شہر کے باہر کھلی فضاء میں کسی درخت کے نیچے رات گذار لیں گے۔ میں نے کہا باہر تو جنگلی جانوروں کا راج ہوتا ہے، بالخصوص رات کے وقت۔ نذیر احمد علی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔ چنانچہ ہم شہر کے

باہر ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ نذیر احمد صاحب علی نے اپنا بکس کھولا اور اس میں سے ایک دری نکال کر بچھائی۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے اردگرد سے سوکھی ٹہنیاں اور سوکھے پتے جمع کر کے آگ سلگائی تا جنگلی جانوروں سے محفوظ رہیں۔ نذیر احمد صاحب علی نے اپنے بکس سے بسکٹوں کا ایک ڈبہ نکالا اور ہم دونوں نے چند بسکٹ کھائے۔ میں تو سو گیا، البتہ نذیر احمد صاحب علی نماز میں مصروف ہو گئے۔ آدھی رات کو اچانک میں نے شدید کھانسی کی آواز سنی اور میں جاگ اٹھا تو دیکھا کہ نذیر احمد علی صاحب پر دمہ کا شدید حملہ ہوا ہے۔ کھلی فضا کی مرطوب ہوا نے دمہ کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ ان کو سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی اور وہ انتہائی بے چینی کی حالت میں تھے۔ میں گھبرا گیا اور رونے لگ گیا۔ نذیر احمد صاحب علی نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ بکس میں ایک بوتل ہے وہ مجھے دے دو۔ آپ نے اس میں سے چند گولیاں منہ میں ڈالیں۔ کچھ دیر بعد آپ کو کچھ سکون محسوس ہوا اور آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آپ آرام سے سو گئے۔ میں بھی سو گیا۔ صبح منہ اندھیرے میری آنکھ کھلی تو میں نے حضرت نذیر احمد علی صاحب کو سجدہ ریز دیکھا اور یوں محسوس ہوا، گویا ہانڈی آگ پر چڑھی ہو۔ آپ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ مجھ پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ لیکن میں اس لڑکپن میں دعا، نماز اور روحانیت سے نابلد تھا۔

حضرت نذیر احمد علی صاحب نے نماز ختم کی۔ بکس سے بسکٹوں کا

پیکٹ نکالا، کچھ مجھے دیئے اور کچھ خود دکھائے۔ اب ان کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہوچکی تھی۔ آپ نے سامان سمیٹا، دری وغیرہ صندوق میں بند کی اور پھر مجھے فرمایا کہ علی روجرز! میری ایک بات غور سے سنو۔ مجھے رات میرے خدا نے بتایا ہے کہ وہ اس شہر میں احمدیت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا اور جہاں ہم نے آج رات بسر کی ہے، یہ ساری جگہ ہمیں عطا کردے گا۔ تم اس کے گواہ رہنا۔

یہ کہہ کر جناب الحاج روجرز صاحب زار وقطار رونے لگے۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو پھر فرمانے لگے:

امام صاحب! آج جس جگہ ہمارا سیکنڈری سکول ہے اسی جگہ ہم نے وہ رات گذاری تھی اب یہ سارا علاقہ ہمارا ہے''۔

الحاج روجرز صاحب سے یہ واقعہ سن کر میرا دل بھی گداز ہوگیا اور دل کی گہرائیوں سے حضرت نذیر احمد علی صاحب کیلئے دعائیں نکلیں، جنہوں نے باوجود لاغری اور جسمانی کمزوری کے اور مالی پریشانی کے مردانہ وار حضرت مسیح موعود علیہ السلام السلام کا پیغام سرزمین افریقہ میں پہنچایا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مجھے بھی حضرت مولوی نذیر احمد صاحب علی کی شاگردی کا مختصر عرصہ کیلئے شرف حاصل ہوا ہے۔ میں جب جامعۃ المبشرین میں تھا تو حضرت نذیر احمد صاحب علی ہمیں میدان تبلیغ میں جانے کے سلسلہ میں ہدایات دیا کرتے تھے اور میں نے آپ کی وہ مشہور اور ولولہ انگیز تقریر بھی سنی تھی، جو آپ نے آخری بار افریقہ روانہ ہوتے وقت فرمائی تھی۔ ان دنوں آپ

کی صحت جواب دے رہی تھی اور یوں لگتا تھا گویا اب افریقہ گئے تو واپس نہیں آئیں گے۔

Bo بو میں دو دن قیام کے بعد ہم باماں ہاں کیلئے روانہ ہوئے۔ یہاں بھی جماعت کا قیام حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کے ذریعہ ہوا تھا۔ راستہ دشوار گذار اور سڑک کٹی پھٹی تھی۔ راستہ میں درختوں پر بندروں کی بہتات تھی۔ ہم نے اس قصبہ میں ایک دن گذارا اور جماعت کے احباب سے مل کر اپنے ایمانوں کو تازہ کیا۔

یہاں بھی ایک ایمان افروز بات کا علم ہوا۔ ہم اپنے معلم صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بوڑھا شخص ہماری طرف آیا۔ معلم صاحب نے کہا یہ نذیر احمد صاحب علی کے اس گاؤں میں پہلی دفعہ تشریف لانے کے چشم دید گواہ ہیں۔ میں نے اِن بوڑھے صاحب سے درخواست کی کہ مجھے حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کی اس گاؤں میں پہلی دفعہ تشریف آوری کا حال سنایئے۔ انہوں نے جو حالات بتائے وہ کچھ یوں تھے۔ وہ کہنے لگے:

> '' کافی عرصہ قبل کی بات ہے تب میں نوجوان تھا۔ ہمارے گاؤں میں کبھی کبھی انگریز افسران آیا کرتے تھے لیکن شام سے پہلے پہلے چلے جایا کرتے تھے، کیونکہ یہ علاقہ غیر محفوظ تھا۔
>
> انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن میں نے ایک کمزور جسم والے شخص کو دیکھا جو گاؤں کی طرف چلا آرہا تھا۔ ان کے ساتھ ایک نوکر بھی تھا جس نے ان کا صندوق اٹھایا ہوا تھا۔ دونوں پیدل تھے۔ میں دوڑ کر انکے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ مجھے اس گاؤں کے چیف سے ملواؤ۔ میں انہیں چیف کے پاس لے گیا۔ انہوں نے چیف سے گاؤں میں ٹھہرنے کی

درخواست کی اور اسے بتایا کہ وہ احمدیہ مشنری ہیں اور گاؤں والوں کو خطاب کرنا چاہتے ہیں۔ چیف صاحب نے چند سوالات کئے اور پھر انہیں اجازت دے دی۔ عصر کے وقت حضرت مولوی نذیر احمد صاحب علی نے چیف سے کہا کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ چیف صاحب نے گاؤں والوں کو جمع کیا۔ حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب نے اپنے مترجم کے ذریعہ خطاب فرمایا اور لوگوں کو مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔

''اب شام ہو چلی تھی۔ چیف نے مولوی صاحب کو کہا کہ اب آپ چلے جائیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ وہ اب اس گاؤں کو تب ہی چھوڑیں گے، جب یہاں احمدیت کا پودا لگ جائے گا۔ چیف نے کہا کہ میں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا، مجھے آپ کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ میرا خدا میرا محافظ ہے۔ آپ صرف رہائش کی اجازت دے دیں۔ چیف نے کہا آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں اور ایک جھونپڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ خالی پڑی ہے۔ آپ اس میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب نے اس گاؤں میں چھ ماہ قیام فرمایا اور گاؤں کے بہت سارے لوگوں نے اسلام اور احمدیت کو قبول کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے عورتوں کو مناسب لباس پہننے کی ہدایت کی اور اس کے لئے خاصی جدوجہد کی، کیونکہ اس وقت تک یہاں کی عورتیں جسم کا اکثر

حصہ عریاں رکھتی تھیں‘‘۔

ہم اس ایمان افروز واقعہ کو سن کر آبدیدہ ہو گئے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کیلئے دعائیں کرنے کی توفیق اس سارے سفر کے دوران ملتی رہی۔ جناب الحاج روجرز صاحب کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف احمدیت کی نعمت سے نوازا بلکہ انہیں دنیوی مال ودولت سے بھی مالا مال کیا اور اس مال ودولت کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حوصلہ بھی دیا۔ چنانچہ Bo(بو) شہر میں آپ نے اپنے دو قیمتی مکانات بمع ساز وسامان کے احمدیہ مشن کے نام ہبہ کر دیئے جہاں ’’نذیر احمدیہ پریس‘‘ قائم ہوا۔

الحاج روجرز صاحب کے نواسے جناب ٹامی کاہلوں صاحب ان دنوں برطانیہ کے صدر خدام الاحمدیہ ہیں۔ نہایت مخلص اور فدائی نوجوان ہیں۔ یہ سب انکے بزرگ نانا جان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

سیرالیون میں ہم نے اور شہر بھی دیکھے اور خوب سیاحت بھی کی لیکن اس سفر کا حاصل درحقیقت مندرجہ بالا دو واقعات ہیں۔ لائبیریا کے دورہ کے اختتام پر ہم غانا کیلئے روانہ ہوئے۔ ان دنوں وہاں حضرت مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب مرحوم، امیر جماعت تھے، جن کے ساتھ پیار اور محبت کا تعلق ربوہ میں قائم ہوا تھا اور جو اس عاجز پر شفقت اور محبت کا ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ غانا میں میرے دو اور نہایت پیارے اور مخلص دوست بھی تھے۔ میری مراد جناب عبدالوہاب آدم صاحب اور جناب مرزا لطف الرحمٰن صاحب سے ہے۔ ان دونوں سے میرے تعلقات جامعۃ المبشرین کے زمانہ سے تھے۔

ہمارا جہاز اکرا کے ایر پورٹ پر اُترا۔ ہم جہاز سے باہر آئے تو محترم حضرت کلیم صاحب کو جہاز کے دروازہ پر کھڑے پایا۔ ہمارا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ ہم سیدھے

کسٹم ہال میں پہنچے تا اپنا سامان وصول کر سکیں۔ مختلف میزوں پر مسافروں کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ میرا سامان بھی ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تا کہ سامان کھول کر کسٹم آفیسر کو دکھا سکوں۔ وہاں پر ایک چاق و چوبند کسٹم آفیسر کھڑا تھا۔ اس نے میرا پاسپورٹ دیکھا جس پر مشنری لکھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، کیا تم احمدیہ مشنری ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ مجھے ایک الگ کمرہ میں لے گیا۔ مجھے کچھ پریشانی ہوئی۔ کمرہ میں جا کر اس نے کہا؛ مجھے احمدی مبلغین کی دعاؤں کی قبولیت پر پورا ایمان ہے۔ میں خود عیسائی ہوں، مگر میں نے بہت سارے لوگوں سے احمدیوں کی قبولیت دعا کی واقعات سنے ہوئے ہیں۔ میری کوئی اولاد نہیں۔ شادی کو چند سال ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے صاحب اولاد ہونے کے لئے دعا کا مجھ سے وعدہ کریں۔ مجھے اس کے حال پر ترس آیا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں ضرور اس کے لئے دردِ دل سے دعا کروں گا۔

اس کے بعد ہم کمرہ سے باہر آئے۔ حضرت کلیم صاحب بہت پریشان نظر آئے۔ میں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ اس دوران کسٹم آفیسر صاحب نے حضرت کلیم صاحب سے عاجزانہ طور پر دعا کی درخواست کی اور ہمارا سامان بغیر دیکھے اٹھا کر باہر پہنچا دیا۔ میرا دل افریقہ میں کام کرنے والے بزرگ مبلغین کیلئے بھی دعاؤں سے بھر گیا، جن کی قربانیاں اور دعائیں رنگ لا رہی تھیں۔ دراصل وہی مبلغ کامیابی کا منہ دیکھتا ہے جس کا نہ صرف دعا پر ایمان ہو بلکہ وہ اپنے دل کو گداز کر کے مجسم دعا بن جائے اور جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کا فریضہ اس کے سپرد کیا گیا ہو، وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دل کی گہرائیوں سے ان کیلئے دعائیں کرے۔ دعا کے بغیر کوئی تبلیغ کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دعائیں ہی دلوں کے قفلوں کو کھولتی ہیں

اوردعائیں ہی خشک کھیتوں کوسیراب کرتی ہیں۔

میں نے مغربی افریقہ کے سفر میں جس بات سے بہت فائدہ اٹھایا وہ یہ ہے کہ وہاں کے مبلغین نے قربانیوں اور جان نثاریوں کے جوریکارڈ قائم کئے ہیں، مجھے بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور دین کی خدمت کیلئے تن من دھن سے قربانیاں دیتے رہنا چاہئے۔

ہم نے اکرا، سالٹ پانڈ، کماسی وغیرہ کے سفر کے دوران درجنوں احمدی جماعتوں کے نظارے کئے اور وہاں کے احمدیوں کے جذبۂ تبلیغ اوران کے پاک نمونوں کا ایک انمٹ اثر دلوں پر نقش کیا۔

اکرا میں میں نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو انٹرویو بھی دیئے اور احمدیہ سکولوں اور جامعہ احمدیہ میں بھی خطاب کرنے کی توفیق ملی۔

اس سارے دورہ میں محترم برادرم عبدالوہاب آدم صاحب اور محترم مرزا لطف الرحمٰن صاحب کا ساتھ رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو لمبی صحت وتندرستی والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

ہسپانیہ (اسپین) کی سیاحت

اسپین غالباً دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس نے سات سو سال تک اسلام کی عظمت اور شوکت کے نشانات دیکھے اور اس سنہری دور میں اسلام کی تعلیمات اور قرآن کریم کے علوم و خزائن سے نہ صرف مسلمان بلکہ ایک جہان اس سے مالا مال ہوا۔ مسلمان اسپین میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جب تمام یورپ بشمول اسپین جہالت، پسماندگی اور ظلم واستبداد کی چکی میں پس رہا تھا۔ تمام یورپ میں تعلیم کا فقدان تھا۔ چرچ اور پادری عوام کا خون چوس رہے تھے۔ قتل وغارت گری اور اخلاقی بے راہ روی اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ کسی کی

عزت محفوظ نہ تھی۔

چونکہ تعلیم صرف کلیسا تک ہی محدود تھی اس لئے پادریوں اور راہبوں کا طبقہ امیر ترین تھا۔ یورپ میں اس وقت تمام زرعی جائیداد کا وافر حصہ چرچ نے اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ عوام کی حالت غربت اور کساد بازاری کی وجہ سے ناگفتہ بہ تھی۔

یوں تو مجھے پہلی مرتبہ اسپین کی سیاحت کا موقع 1960ء میں ملا جب میں حضرت میاں مبارک احمد صاحب اور میاں منیر احمد صاحب کے ہمراہ اسپین گیا تھا اور ہم نے وہاں اسلام کی شوکت رفتہ کے مناظر، مساجد اور محل دیکھے تھے لیکن جو بات میرے لئے عظیم اعزاز اور سعادت کا موجب ہوئی وہ دوبارہ میرے سفر اسپین میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی معیت کا شرف تھا اور میں یہاں اسی سفر کا ذکر کروں گا۔

جون 1970ء میں سرزمین ہسپانیہ کی قسمت ایک بار پھر جاگ اٹھی جب اس سرزمین پر حضرت مسیح موعودؑ کے تیسرے خلیفہ نے اپنے قدم مبارک رکھے۔

25 جون 1970ء کو حضورؒ بمع اپنے چند خدام کے جن میں یہ عاجز بھی شامل تھا، اسپین کے تاریخی سفر پر روانہ ہوئے۔ حضورؒ کے قافلہ میں حضرت بیگم صاحبہ کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد تھے:

مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب، مکرم چوہدری محمد علی صاحب، مکرم محمد سلیم ناصر صاحب اور خاکسار بشیر احمد رفیق۔

ہوائی جہاز میں یہ سفر قریباً دو گھنٹے میں طے ہو گیا۔ جوں جوں میڈرڈ قریب آتا گیا حضورؒ کی طبیعت میں اضطراب کی سی کیفیت نظر آنے لگی۔ میڈرڈ کا ایئر پورٹ سامنے نظر آنے لگا تو حضورؒ نے پیچھے مڑ کر فرمایا:

''مجھے تو طارق کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کیا تمہیں بھی یہ آوازیں سنائی دے رہی ہیں؟''

حضورؒ نے یہ فقرات تین چار بار نہایت درد اور بے قراری سے دہرائے۔

میرے دل کی کیفیت بھی اس وقت بے حد جذباتی تھی۔ میں کبھی اپنی اس خوش بختی پر ناز کرتا کہ اسپین کی روحانی فتح کے ہراول دستہ میں مجھ جیسا عاجز اور کمزور انسان بھی شامل ہے اور کبھی اسپین کی خوش بختی پر غور کرتا کہ پہلے مسلمانوں نے یہاں سینکڑوں سالوں تک قرآنی علوم کے بحرِ ناپید کنار کے دریا بہائے اور پھر جب مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور دنیا کے ہو گئے تو نہ صرف ان سے اس ملک کی حکمرانی کا حق چھین لیا گیا بلکہ انہیں انتہائی بے سروسامانی اور کسمپرسی کی حالت میں اس ملک کو خیر باد بھی کہنا پڑا۔

حضورؒ جہاز سے باہر آئے تو مکرم مولوی کرم الٰہی ظفر صاحب (مرحوم) مبلغ سلسلہ سپین مع اہل وعیال حضورؒ کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ یہاں سے حضورؒ بمع قافلہ اپنے قیام گاہ یعنی ہوٹل میں تشریف لے گئے۔ میڈرڈ میں قیام دو روز کیلئے تھا۔

اس دوران خاکسار نے مکرم مولوی کرم الٰہی ظفر صاحب کی مدد سے اندلس کے سفر کیلئے کرایہ کی کاروں کا انتظام کیا۔ 27 جون کو حضورؒ بمع قافلہ قرطبہ Cardoba کی طرف روانہ ہو گئے۔

قرطبہ اسلامی دور حکومت میں اسپین کے شہروں میں گویا ایک لعل بے بہا کی حیثیت رکھتا تھا اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کہلانے کا مستحق تھا۔ اس کے اردگرد مضبوط فصیل تھی۔ سارا شہر پختہ اور فراخ شاہ راہوں سے مزین تھا۔ اس کے شہری، زیور علم سے پوری طرح آراستہ تھے۔ قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی میں ہزاروں طلباء تعلیم پاتے تھے۔ تمام یورپ کے

طالب علم قرطبہ کی کسی درس گاہ میں داخلہ کو بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ علماء، فضلاء اور سائنس دانوں کی کثرت تھی۔ ابن رشد، امام قرطبی اور بے شمار عظیم مفکر، عالم اور سائنسی علوم کے ماہرین قرطبہ میں رہتے تھے۔ اسلامی فن تعمیر سے مزین شاہی محلات کی خوبصورتی سے اس شہر کی رونق دوبالا ہوگئی تھی۔ شہر کی لمبائی دس میل کے قریب تھی۔ مسلمان خلفائے اندلس نے دنیا بھر سے نادر و نایاب درخت اور بیل بوٹے منگوا کر قرطبہ کی زینت کو چار چاند لگائے۔ باغات کو پانی مہیا کرنے کیلئے قرطبہ کے اردگرد کے سلسلہ کوہ کو بڑی محنت اور انجینئرنگ کے کمال سے کاٹ کر نہریں بنائی گئی تھیں جو شہر کو صاف شفاف پانی وافر مقدار میں مہیا کرتی تھیں اور اسی پانی کی بدولت قرطبہ ایک خوبصورت گلستان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

قرطبہ ہی وہ شہر ہے جہاں خاندان بنی امیہ کے اسپین میں پہلے تاجدار عبدالرحمٰن نے اپنے وطن کی یاد میں دمشق سے کھجور کا درخت منگوا کر کاشت کیا تھا۔ یہ کھجور کا پہلا درخت تھا جو سرزمین اسپین میں بویا گیا۔ عبدالرحمٰن اعلیٰ ادبی اور شعری ذوق بھی رکھتا تھا اور ایک بلند پایہ شاعر تھا۔ کھجور کے اس درخت نے اس کے نئے اور پہلے وطن کے درمیان ایک جذباتی تعلق قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی ایک نظم میں کھجور کے اس درخت کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

''اے کھجور کے درخت! تو بھی مغرب میں میری ہی طرح غریب الوطن ہے اور اپنے اصل سے دور ہے۔ تو بھی اس پر آنسو بہا جیسے میں آنسو بہاتا ہوں لیکن جو گونگی ہو، منہ ڈھانکے ہوئے ہو اور جس کی جبلت میں آہ و زاری نہ ہو، وہ بھی کبھی روئی ہے! اگر اسے رونا آتا ہوتا تو وہ ضرور روتی فرات کے پانی اور نخل کی سرزمین کیلئے۔ لیکن وہ بے حس ہے اور میں بھی اپنے اہل خاندان کی نسبت میں بے حس ہو گیا ہوں۔ یہ اس لئے ہے کہ میرا دل بنوعباس کے بُغض سے بھرا

ہواہے''۔

قرطبہ کومساجد کا گھر بھی کہاجاتا تھاان میں سب سے عظیم اور ظاہری فن تعمیر کا شاہکار قرطبہ کی جامع مسجد تھی۔ یہ مسجد اسلامی فن تعمیر کا ایک نادرنمونہ تھی۔اس کا سارافرش قیمتی سنگ مرمر کا تھا،ستونوں پرسونے کا پانی چڑھایا گیا تھا۔وضو کیلئے کشادہ غسلخانوں کا انتظام تھا۔

اس مسجد کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ 1293 ستونوں پر کھڑی ہے۔اسے روشن رکھنے کیلئے چار ہزار فانوس جلائے جاتے تھے۔محراب اورمنبر ہاتھی دانت اور بہترین لکڑی کے ٹکڑوں سے بنائے گئے تھے اوراس کی تکمیل پر 36000 ہاتھی دانت اور قیمتی لکڑی کے ٹکڑے صرف ہوئے تھے۔

قرطبہ میں حضورؒ اور قافلے کا قیام میلیا ہوٹل میں تھا۔حضورؒ شام کو ہوٹل سے باہر سیر کیلئے تشریف لائے تو سارا شہر رنگا رنگ برقی قمقوں سے بقۂ نور بنا ہوا تھا۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس دن کوئی عیسائی تہوار منایا جارہا تھا۔

اگلے دن حضورؒ بمع اہل قافلہ مسجد قرطبہ کی زیارت اور وہاں دعا کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔مسجد کے دروازہ پر ایک پروفیسر صاحب کھڑے تھے۔انہوں نے حضورؒ سے بادب مصافحہ کرنے کے بعد عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں مسجد کی تاریخ ،فن تعمیر اور مسلمانوں کے اُس وقت کے حالات مسجد دکھاتے دکھاتے بیان کروں۔حضورؒ نے ان کی پیشکش کو قبول فرمایا اور وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل پڑے۔تھوڑی دیر کے بعد ہم سب محراب کے پاس پہنچے۔محراب پر آج بھی باوجود مرورِ زمانہ کے قرآنی آیات آب زر سے منقش ہیں۔آیت الکرسی تو آسانی سے پڑھی جاسکتی ہے۔محراب کے اردگرد لوہے کا جنگلہ لگایا گیا

ہے اور کسی کو محراب کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ محراب کی حفاظت پر مامور پہریدار نے حضورؒ کے چہرہ پر نگاہ ڈالتے ہی ازخود یہ پیشکش کی کہ حضورؒ اور قافلہ کے افراد جنگلہ کے اندر آکر محراب کو قریب سے دیکھیں اور جنگلے کا آہنی دروازہ کھول دیا۔ قافلہ کے تمام افراد حضورؒ کی معیت میں محراب کے اندر داخل ہو گئے۔ سب پر رقت طاری تھی، سب کی آنکھیں نم تھیں اور دل شدت جذبات سے پگھلے جا رہے تھے۔ حضورؒ نے عین محراب کے درمیانی حصہ میں کھڑے ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ ہم سب نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور گڑ گڑا کر اسلام کی بعثت ثانیہ کیلئے دعائیں کیں۔ اس تاریخی موقع کی تصاویر بھی اتاری گئیں۔

مسجد کے ایک حصہ کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا ہے لیکن ایسے بھدے طریقہ سے جیسے کسی حسین چہرہ پر بدنما داغ ہو۔ ایک عجیب روحانی نکتہ حضورؒ نے یہ بیان فرمایا کہ:

''آخر کیا وجہ ہے کہ عیسائیوں نے پوری مسجد کو کلیسا میں تبدیل نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتے تو ایسا کرنے میں ان کیلئے کوئی روک نہ تھی''۔

پھر حضورؒ نے فرمایا:

''درحقیقت اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر اتنی بڑی مسجد کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا تو اس میں عبادت کیلئے اتنے لوگ کہاں سے آئیں گے جو اس کلیسا کو بھر سکیں۔ یہ گویا خود چرچ کا برملا اظہار تھا کہ عیسائیوں میں وہ دینی جذبہ موجود نہیں کہ وہ اس بڑی مسجد کو اپنی عبادت کے وقت بھر سکیں''۔

اس مسجد میں بیک وقت تیس ہزار نمازیوں کیلئے گنجائش ہے۔ ساری مسجد مسقّف ہے

اور غالباً دنیا کی سب سے بڑی مسقّف مسجد ہے۔

غرناطہ کیلئے روانگی

اگلے دن حضورؒ صبح سویرے غرناطہ Granada کیلئے روانہ ہوئے لیکن یہ فیصلہ ہوا کہ راستہ میں ''القصر'' کی سیر بھی کی جائے۔ ''القصر'' مسلمان گورنر قرطبہ کا محل ہوا کرتا تھا۔ اس کے اندر خوبصورت باغ اور دلکش فوارے ہیں، باغات اور سایہ دار اور معطر پھولوں کے تختے ہیں۔ اب اس کی حالت شکست وریخت کی شکار ہے۔

بعد دوپہر غرناطہ کو روانگی ہوئی۔ قرطبہ سے غرناطہ تک نہایت عمدہ سڑک ہے لیکن سایہ دار درختوں کی کمی کی وجہ سے دوپہر کو تمازت آفتاب ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ غرناطہ پہاڑوں کے دامن میں ہے۔ سارا راستہ زیتون کے سرسبز و شاداب باغات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ انگور بھی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔

شام کو غرناطہ پہنچے۔ حضورؒ کا قیام 'الحمرا پیلس'' ہوٹل میں تھا۔ یہ ہوٹل اونچی پہاڑی پر واقع ہونے کی وجہ سے غرناطہ کا ایک نہایت دلکش منظر پیش کرتا ہے۔

غرناطہ پہنچ کر خیالات کا ریلہ مجھے پانچ صدی قبل کے دور میں لے گیا جب یہ شہر اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک نادر اور خوبصورت نمونہ ہوا کرتا تھا۔ علماء شعرا اور سائنس دانوں کی کثرت نے اس شہر کو ایک علمی، ادبی، سائنسی اور روحانی مرغزار بنا رکھا تھا۔ خوبصورت عمارات، مساجد اور حمام ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اسپین کے آخری مسلمان تاجدار ابوعبداللہ کو غرناطہ کی شکست کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔

غرناطہ کا دل الحمراء کا محل ہے۔ اس محل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ہر دیوار

پرنہایت خوبصورت انداز میں لکھے گئے خط میں **لا غالب الا اللہ** کندہ ہے۔آپ جدھر بھی نگاہ اٹھائیں گے،آپ کو یہ لکھا ہوا نظر آئے گا۔کہا جاتا ہے کہ جب الحمراء کی تعمیر تکمیل پذیر ہوئی تو امیر عبدالرحمٰن اس کو دیکھنے اور اس میں رہائش اختیار کرنے کیلئے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نکلے۔ جب وہ اس محل کے دروازہ پر پہنچے اور ان کی نظر محل کے اندر باغات،محلات،آرائش اور خوبصورتی پر پڑی تو چند منٹ سکوت اختیار کرنے کے بعد بغیر اندر داخل ہوئے واپس مڑ گئے ۔ وزراء، امرا اور آرکیٹکٹ بہت گھبرائے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بادشاہ کے الحمراء کے اندر داخل نہ ہونے کا سبب دریافت کیا۔بادشاہ نے فرمایا کہ جب میں محل کے دروازہ پر پہنچا اور میں نے محل کی وسعت،خوبصورتی،اعلیٰ طرزِ تعمیر اور دلکش باغات کی ایک جھلک دروازہ میں سے دیکھی تو میرے دل میں ایک لمحہ کیلئے اپنی بڑائی،عظمت وشوکت کا خیال آیا۔ پھر میرے دل نے کہا کہ سب سے بڑا تو صرف خدا تعالیٰ ہے۔میں ڈر گیا کہ کہیں میں نے شرک کا ارتکاب تو نہیں کیا!میں فوراً واپس چل پڑا اور استغفار کرتا رہا۔اب میں صرف اس صورت میں محل جاؤں گا کہ اس میں جہاں بھی میری نظر پڑے وہاں مجھے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہوا نظر آئے تا کہ غرور اور تکبر میرے ذہن کے کسی گوشہ میں داخل نہ ہو۔ چنانچہ تمام محل کے در و دیوار پر خوبصورت طرزِ تحریر میں **لا غالب الا اللہ** نقش کر دیا گیا۔

اگلے دن حضورؒ الحمراء کی سیر کو تشریف لے گئے۔محل کی دیواروں پر منقش آیاتِ قرآنی اور **لا غالب الا اللہ** حضورؒ کی خاص دلچسپی کا مرکز بنیں۔غرناطہ میں حضورؒ کا قیام دو دن کیلئے تھا۔ایک صبح حضورؒ نے فرمایا کہ میں نے رات کو بہت رقت کے ساتھ اسپین میں اسلام کے دوبارہ عروج کیلئے دعائیں کیں تو صبح کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ زبان پر جاری ہوئے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَحَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًاo

(سورۃ الطلاق: آیت ۴)

اس سے اس بات کا اشارہ ہوا کہ اسپین میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ وقت انشاءاللہ ضرور آئے گا اور اسپین ایک بار پھر اسلام کے آغوش میں آجائے گا اور یہاں کی فضائیں اذانوں سے گونج اُٹھیں گی۔

طلیطلہ اور میڈرڈ کیلئے روانگی

غرناطہ میں دو دن قیام کے بعد حضورؒ براستہ طلیطلہ میڈرڈ کیلئے روانہ ہوئے۔ طلیطلہ طارق بن زیاد کے حملہ کے وقت اسپین کا صدر مقام ہوا کرتا تھا۔ جبل طارق کی فتح کے بعد بھی ایک عرصہ تک یہی دارالحکومت رہا۔ بعد میں مسلمانوں نے قرطبہ اور پھر غرناطہ کو دارالحکومت بنایا۔ طلیطلہ ایک بے آب و گیا چٹیل پہاڑی پر واقع ہے۔ شہر کے اردگرد نشیب میں ایک دریا بہتا ہے۔ یہ دریا شہر کی حفاظت کیلئے قدرتی خندق کا کام بھی دیتا ہے۔ طلیطلہ میں آج بھی باوجود مرور زمانہ کے چار مساجد باقی ہیں، ان میں سے ایک چھوٹی سی مسجد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں مسلمان خلفاء نے نمازیں پڑھی تھیں۔ حضورؒ بھی بمع قافلہ کے اس مسجد کو دیکھنے اور اس میں دعا کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ طلیطلہ چھوٹا سا شہر ہے لیکن سیاح یہاں کثرت سے مساجد کو دیکھنے کیلئے آتے ہیں۔ شام کو حضورؒ واپس میڈرڈ تشریف لائے اور یہ بابرکت سفر اختتام پذیر ہوا۔

پاکستان میں اینٹی احمدیہ موومنٹ اور انگلستان مشن کی کارگزاری

1974ء میں پاکستان میں جناب ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار تھے۔ چند سال قبل الیکشنوں میں جماعت احمدیہ نے پیپلز پارٹی کی مدد کی تھی کیونکہ ان کے منشور میں یہ درج تھا کہ ان کے نزدیک مذہب ہر انسان کا ذاتی مسئلہ ہے، حکومت کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے۔ جبکہ دوسری تمام پارٹیوں نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کی تھی اور جماعت کی بقاء تک کے بھی مخالف تھے۔ جماعت احمدیہ پولیٹیکل پارٹی نہیں ہے بلکہ کلیتًا ایک الٰہی جماعت ہے۔ اس نے کبھی بھی بحیثیت جماعت سیاست میں حصہ نہیں لیا سوائے اس کے کہ کبھی مسلمانوں کے مفاد کا کوئی مسئلہ پیش ہو تو جماعت احمدیہ کھل کر مسلمانوں کے مفاد کیلئے میدان میں آتی رہی ہے اور مسلمانوں کے عمومی مفادات کی محافظ رہی ہے۔

1974ء میں پاکستان کے مذہبی گروہوں نے اور کٹر علماء نے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے پیش نظر جماعت احمدیہ کے خلاف ایک منظّم سازش تیار کی۔ اس سازش کا آغاز یوں ہوا کہ 22 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کا ایک گروہ براستہ ربوہ، چناب ایکسپریس کے ذریعہ راولپنڈی روانہ ہوا۔ جب گاڑی ربوہ اسٹیشن پر پہنچی تو ان طلباء میں سے کچھ گاڑی سے باہر نکل آئے اور جماعت احمدیہ کے خلاف غلیظ اور گندے انداز میں نعرہ بازی کی اور بعض احمدی خواتین کی بے حرمتی کرنے کی بھی کوشش کی اور یہ کہہ کر واپس گاڑی میں سوار ہو گئے کہ ہم فلاں تاریخ کو واپسی پر ربوہ اسٹیشن پر پھر احمدیوں کو سبق سکھائیں گے۔

چنانچہ واپسی پر یہ طلباء دوبارہ ربوہ اسٹیشن پر پہنچے اور نہایت غلیظ انداز میں ہلڑ بازی شروع کر دی اور جماعت کے خلاف فساد پھیلانے والی شکل میں نعرہ بازی شروع کر دی۔

نتیجۃً اسٹیشن پر موجود احمدیوں اور ان میں تصادم کی صورت پیدا ہوگئی۔جس کے نتیجہ میں دونوں گروپوں کو معمولی چوٹیں آئیں۔ چونکہ سازش پہلے سے تیار تھی اس لئے جب ان طلباء کی ٹرین فیصل آباد پہنچی تو وہاں اسٹیشن پر پہلے سے شامیانے نصب تھے جس میں متعصب علماء جماعت کے خلاف تقاریر کر رہے تھے کہ احمدیوں نے مسلمان طلباء کو مارا ہے اور زخمی کیا ہے جس کا بدلہ لینا ہم پر فرض ہے۔(اس واقعہ کے تفصیلی حالات تو جماعت کی تاریخ کا حصہ ہیں۔میرا مقصد تاریخ میں جانا نہیں بلکہ اس سلسلہ میں انگلستان میں جو کام ہوا ہے اس کا مختصر ذکر کرنا ہے۔)

اس واقعہ کے دن شام کو حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور خاکسار کھانا کھا رہے تھے کہ ایک دوست کا فون آیا کہ ان کو نیروبی سے کسی دوست نے فون پر بتایا ہے کہ ربوہ اسٹیشن پر فساد ہوا ہے۔ابھی میں نے یہ فون سنا ہی تھا کہ دوسرا فون کراچی سے آیا۔ وہاں سے عبدالرحیم بیگ صاحب نے بتایا کہ تمام احمدی جماعتوں کو اطلاع دی جائے کہ ربوہ اسٹیشن پر پیش آنے والے اصل واقعات کیا ہیں جو انہیں مرکز ربوہ سے بتائے گئے تھے اور ساتھ ہی انہوں نے حضور خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا ارشاد بھی دیا کہ ان اصل واقعات کو دنیا بھر کے احمدی مشنوں تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اصل واقعات بتائے۔اس دوران چوہدری صاحب بھی تشریف فرما تھے۔میں نے واقعات لکھ کر انہیں بھی دکھائے اور تمام جماعتوں کو فون پر بھی بتا دئے۔میری خوش قسمتی تھی کہ ان دنوں جناب عبدالوھاب بن آدم صاحب بطور نائب امام میرے ساتھ کام کر رہے تھے۔انہوں نے نہایت مستعدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ان کے ساتھ مکرم منیر الدین شمس صاحب بھی تھے۔ان دونوں صاحبان نے اس تمام مہم کے دوران، جو جماعت احمدیہ انگلستان نے لندن سے چلائی،

نہایت اعلیٰ رنگ میں میرا ساتھ دیا۔بعض اوقات رات گئے مجھے جماعت کے بارے میں اہم پیغامات ملتے ، میں اس وقت وھاب صاحب کو اٹھاتا اور ان پیغامات کو آگے پہنچانے میں ان کی مدد طلب کرتا۔وہاب صاحب کے بشاشت سے کام کرنے اور مخلصانہ تعاون کیلئے میں شکریہ کے الفاظ نہیں پا رہا۔اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء دے۔آمین۔

چند دن تک ہم نے انتظار کیا لیکن پاکستان میں فسادات بڑھتے چلے گئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے ایک دن مجھ سے کہا کہ حضرت صاحبؒ سے اس بات کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ اگر ہمیں انگلستان سے مناسب کاروائی کرنے کی اجازت مل جائے تو ہم اس سلسلہ میں کچھ کاروائی کریں۔حضورؒ کا فرمان آیا کہ تم جو بھی مناسب سمجھو کرو اور چونکہ ربوہ میں رابطے کے ذرائع بھی کافی حد تک منقطع ہیں اس لئے ایسا انتظام کرو کہ لندن سے ہمارا رابطہ پختہ رہے۔اگلے دن خاکسار نے مجلس عاملہ کی میٹنگ بلا کر حضورؒ کی ہدایات سے سب کو آگاہ کیا۔مجلس عاملہ نے اس سلسلہ میں ضروری فیصلے کئے۔چنانچہ خاکسار نے مکرم عبداللطیف خان صاحب ،صدر جماعت ہنسلو کو یہ کام سپرد کیا جنہوں نے نہایت اعلیٰ رنگ میں یہ شعبہ اپنے نائبین اور مجلس عاملہ کی مدد سے سنبھال لیا۔فجز اھم اللہ تعالیٰ اور ہمارا رابطہ ربوہ سے ہمہ وقت جاری رہا۔اس سلسلہ میں جن دوستوں نے خصوصی خدمت کی توفیق پائی ان میں شامل تھے:مکرم لطیف خان صاحب،مکرم حمید اللہ صاحب، مکرم چوہدری رشید احمد صاحب مرحوم اور مکرم مرزا عبدالرشید صاحب۔اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمائے۔آمین۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے فیصلہ کیا کہ احمدیوں پر پاکستان میں ہونے والے مظالم کے صحیح واقعات، برطانوی پریس کے نوٹس میں لانے کیلئے پریس کانفرنس کے ذریعہ جاری

کئے جائیں اور خاکسار کو اس پریس کانفرنس کے انعقاد کا ارشاد فرمایا۔ خاکسار نے مجلس عاملہ انگلستان کے مختلف افراد کو اس سلسلہ میں مختلف ڈیوٹیاں سپرد کر دیں اور 6 جون 1974ء کو پریس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں تیاری شروع کر دی۔ برطانیہ کے تمام بڑے بڑے اخبارات کو دعوت نامے جاری کئے گئے اور برطانیہ میں اخبارات کے ہیڈ کوارٹر فلیٹ سٹریٹ میں ایک چرچ ہال کرایہ پر لے کر وہاں پریس کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس پریس کانفرنس کو حضرت چوہدری صاحبؓ نے اور خاکسار نے خطاب کیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے تفصیل سے احمدیوں پر پاکستان میں کئے جانے والے مظالم کے حالات بیان کئے۔ پریس کے سوالات کے جوابات دئے اور پریس کے ذریعہ برطانیہ کی حکومت سے اپیل کی کہ پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے مظالم پر حکومت، پاکستان سے احتجاج کرے۔

یہ پریس کانفرنس بے حد کامیاب رہی اور اگلے دن اکثر بڑے اخبارات میں اس کی تفصیل شائع ہوگئی۔ پریس کانفرنس میں پاکستانی سفارت خانے کے نمائندگان بھی موجود تھے اور پاکستانی اخبارات کے نمائندے بھی آئے ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کی خبر ریڈیو اور ٹی وی پر بھی نشر ہوئی اور اس کا بہت اثر ہوا۔

پریس کانفرنس کے دو دن بعد پاکستانی سفارت خانے کے ایک کونسلر نے مجھے ایمبیسی آ کر ملنے کی دعوت دی۔ خاکسار حاضر ہوا تو انہوں نے اس پریس کانفرنس کے انعقاد پر برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس سے پاکستان کی جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ خاکسار نے ادب سے عرض کیا کہ عجیب بات ہے کہ ہمیں آپ مار پیٹ سہنے کے بعد فریاد تک کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ انگلستان میں بسنے والے ہزاروں احمدیوں کے رشتہ دار پاکستان میں ہیں۔ انہیں ان پر کئے جانے والے مظالم کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ہمیں فون کرتے

ہیں اوراپنی تشویش پراظہار کرنے کے علاوہ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم احتجاج کریں۔کیا ہم احتجاج بھی نہ کریں! یہ کہاں کا انصاف ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ آپ برطانوی اخبارات میں چلائی جانے والی campaign بند کر دیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ پاکستان میں مظالم بند کروا دیں۔ ہم نہ صرف اپنی campaign بند کروادیں گے بلکہ حکومت پاکستان کی مدح سرائی میں بھی بخل سے کام نہیں لیں گے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ وہاں ہورہا ہے وہ پاکستان کی نیک نامی کے بجائے بدنامی کا باعث ہورہا ہے۔

میں نے واپس آکر حضرت چوہدری صاحبؓ کواس ملاقات کی تمام روداد سنائی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں اس کونسلر کے والد صاحب کو جانتا ہوں جونہایت شریف انسان تھے اور خود یہ کونسلر اپنی ذات میں شریف انسان ہیں لیکن حکومت کے ملازم بھی ہیں،اس لئے وہ اپنا فرض پورا کررہے ہیں۔وگرنہ بذات خود وہ ہرگز جماعت احمدیہ کے مخالف نہیں ہیں۔اس دوران میاں ممتاز دولتانہ صاحب سفیر پاکستان کا رویہ بھی جماعت احمدیہ سے دوستانہ تھا۔

انگلستان میں بسنے والے ہزاروں احمدیوں نے اپنے M.Ps کو خطوط لکھے اور یہ سلسلہ لمبے عرصہ تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں برٹش ممبران پارلیمنٹ کا ایک بڑا طبقہ جماعت پر کئے جانے والے مظالم کی خبروں سے متاثر ہوااور انہوں نے ہم سے روابط شروع کردئے۔ان میں جناب Tom Cox M.P سرفہرست تھے۔یہ قریباً ہر ہفتہ میں ایک بار خاکسار سے مل کر حالات دریافت کیا کرتے تھے اور جوان سے ممکن ہوتا تھا ہماری مدد کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا دے۔ان M.Ps نے بھی حکومت

پاکستان پر دباؤ ڈالے رکھا اور خطوط کے ذریعہ حکومت پاکستان سے احمدیوں پر مظالم بند کروانے کی درخواست کرتے رہتے۔ بالآخر ان میں چھ M.Ps نے ہاؤس آف کامنز میں ایک Early Day Motion کے ذریعہ احمدیوں پر پاکستان میں کئے جانے والے مظالم کی تلافی کیلئے حکومت برطانیہ کو کاروائی کرنے کی درخواست کی جس کا بعد میں خاطر خواہ اثر ہوا۔ فالحمدللہ۔

پریس میں ہماری چلائی جانے والی campaign ہر لحاظ سے بے حد کامیاب رہی جس کی تفصیل تاریخ احمدیت کا حصہ ہے۔ بعد میں خاکسار نے 330 صفحات پر مشتمل ایک کتاب From The World Press مرتب کر کے اس میں اکثر ان اخبارات کے تراشے شائع کئے جنہوں نے اس بارہ میں لکھا تھا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اب نایاب ہے۔

1974ء میں جن احباب نے خصوصی خدمت کی توفیق پائی اور جن کیلئے میرا دل دعاؤں سے لبریز ہے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: مکرم چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی، مکرم نذیر احمد صاحب ڈار، مکرم عبدالوہاب آدم صاحب جو آج کل جماعت احمدیہ گھانا کے امیر ہیں، مکرم عبداللطیف خان صاحب جو ان دنوں ہنسلو جماعت کے صدر تھے، مکرم حمید اللہ صاحب، مکرم چوہدری رشید صاحب، مکرم مرزا عبدالرشید صاحب آف ہنسلو جماعت، مکرم بشیر احمد شیدا صاحب آف گرین فورڈ جماعت، مکرم چوہدری رشید احمد صاحب (جو ان دنوں پریس سیکشن کے انچارج تھے)، مکرم غلام محمد چغتائی صاحب مرحوم، مکرم جناب منیر الدین شمس صاحب (جو آج کل ایڈیشنل وکیل التصنیف ہیں)، مکرم خواجہ رشید الدین قمر صاحب اور سب سے بڑھ کر حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ جن

کی رہنمائی، دعاؤں اور حوصلہ افزائی سے ہم سب کو کام کرنے کی توفیق ملی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے جماعت احمدیہ برطانیہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے وہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ آج بھی جو ٹیم مستعدی سے خدمات دین سرانجام دے رہی ہے وہ انہی کی تربیت یافتہ ہے جن میں عزیز رفیق احمد حیات صاحب امیر جماعت احمدیہ U.K سرفہرست ہیں۔ 1965ء میں خاکسار نے نئی نسل کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک seminar شروع کیا تھا۔ یہ پندرہ روزہ تربیتی کلاسز تھیں جن سے خاکسار نے اور حضرت چوہدری صاحبؓ نے خطاب کیا۔ اور بھی بزرگان جماعت وقتاً فوقتاً اسے خطاب کرتے تھے۔ اس سیمنار میں جن نوجوانوں نے شرکت کی تھی وہ ان دنوں خدا کے فضل سے اعلیٰ خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان میں مکرم رفیق احمد حیات صاحب بھی تھے، اور بھی بہت سارے نوجوان تھے۔ سب کے سب دین کے خادم ہیں۔ فالحمدللہ۔

یہ سب کچھ حضرت چوہدری صاحبؓ کی غیر معمولی توجہ، دعاؤں اور محنت کا نتیجہ ہے۔ خود میری تربیت کے سلسلہ میں جو کردار حضرت چوہدری صاحبؓ نے ادا کیا ہے اس کیلئے میرا دل ہر وقت ان کیلئے دعاؤں سے معمور رہتا ہے۔ میری اپنے مولیٰ سے دعا ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو اگلے جہان میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قرب نصیب فرمائے جن دونوں کے یہ اس جہان میں عاشق صادق تھے۔ آمین۔

1974ء کا طوفان گزر گیا۔ بے شمار احمدیوں کی املاک لوٹی گئیں۔ درجنوں شہید ہوئے۔ ہزاروں کی ملازمتیں ضائع ہوئیں۔ آج 35 سال بعد جب میں نظر دوڑاتا ہوں تو ایک عجیب منظر نظر آتا ہے۔ شہداء کو تو شہادت کی نعمت میسر آ گئی۔ اس سے بڑھ کر وہ اللہ سے

مانگ بھی کیا سکتے تھے! جن احمدیوں کی املاک لوٹیں گئیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے ہزاروں گنا بڑھ کر معاوضہ عطا کیا۔ آج دنیا بھر میں ان مظالم کے نتیجہ میں ملک چھوڑ کر ہجرت کرنے والے لاکھوں احمدی افراد آباد ہیں اور اپنے چھوڑے جانے والے ملک سے لاکھوں گنا بڑھ کر مال و متاع انہیں حاصل ہے۔ ان کے بچوں نے مغرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے جس کا پاکستان میں رہ کر یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے اور ان کی ہجرت کے نتیجہ میں انگلستان، جرمنی، آسٹریلیا، امریکہ، اور کینیڈا اور یورپ کے متعدد ممالک میں بفضلہٖ تعالیٰ مضبوط جماعتیں قائم ہو گئیں۔ فالحمدللہ۔

پولینڈ میں تبلیغ اور دورہ پولینڈ

خاکسار کا جاری کردہ انگریزی ماہوار رسالہ "The Muslim Herald" خدا کے فضل سے دنیا کے کئی ممالک میں بھجوایا جاتا تھا اور احمدیت اور اسلام کی تبلیغ کا ایک اہم ذریعہ بن چکا تھا۔ بعض ممالک کی لائبریریاں بھی اس کی خریداری کرتی تھیں۔ مجھے بکثرت قارئین کے خطوط ملتے جن میں غیر مسلم قارئین کے خطوط بھی شامل ہوتے تھے۔۔ ایک دن مجھے وارسا (پولینڈ) سے ایک خط ملا جو وہاں کے امام مسجد اور مسلمانوں کے سربراہ نے لکھا تھا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ ان کا نام امام زوک ہے۔ وہ پولش باشندے ہیں اور وارسا میں جو چند مسلمان ہیں ان کے امام اور سربراہ ہیں۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ انہیں کسی ذریعہ سے رسالہ مسلم ہیرلڈ ملا ہے۔ اس کے مضامین سے وہ بہت متاثر ہوئے ہیں اور درخواست کی کہ انہیں مزید لٹریچر بھجوایا جائے اور مسلم ہیرلڈ ان کے نام لگوایا جائے۔ خط میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ خود انگریزی زبان زیادہ نہیں جانتے البتہ ان کے ایک

قریبی دوست جوان کے ساتھ والے فلیٹ میں رہتے ہیں ، انگریزی زبان خوب جانتے ہیں۔ وہ مجھے رسالہ کے مضامین کا آسان پولش زبان میں ترجمہ کردیتے ہیں، نیز یہ کہ وہ خود بھی اسلام میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔ خاکسار نے ان کے نام رسالہ جاری کردیا اور کچھ لٹریچر بھی بھجوا دیا۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں ایک انگریز مسٹر مارک سے میری روٹری کلب کے ذریعہ ملاقات ہوئی جو پولش زبان کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ میرے خطوط کو پولش زبان میں ترجمہ کردیا کریں گے۔ چنانچہ انکے ذریعہ میری خط وکتابت امام زوک صاحب سے پولش زبان میں جاری ہوگئی۔ امام زوک صاحب کے خطوط کا ترجمہ انگریزی زبان میں مسٹر مارک کردیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کافی دیر جاری رہا۔ امام زوک صاحب آہستہ آہستہ احمدیت سے متعارف ہوتے چلے گئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد امام زوک صاحب نے مجھے پولینڈ کے دورے کی دعوت دی اور لکھا کہ میرے وہاں جانے پر میری ملاقات بعض مسلمانوں اور عیسائی سکالرز سے بھی کرادیں گے۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں امام زوک صاحب کی درخواست بھجوا دی۔ حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ خاکسار نے مورخہ 20 مئی 1976ء کو وارسا جانے کا پروگرام بنایا۔ وارسا ائر پورٹ پر امام زوک صاحب نے استقبال کیا۔ خاکسار کا قیام گرینڈ ہوٹل میں تھا۔ ان کے ہمسایہ انگریزی دان دوست نے ترجمان کے فرائض سرانجام دیئے۔ یہ محفل رات گئے تک جاری رہی ۔ امام زوک صاحب نے سوالات کی فہرست پہلے سے تیار کررکھی تھی چنانچہ خدا کے فضل سے ان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے گئے ، جوان کے اطمینان اور تسلی کا موجب ہوئے ۔ شام کو امام صاحب اور ان کے ترجمان کی معیت میں خاکسار نے وارسا کی سیاحت کی ۔ انہوں نے وارسا کا وہ حصہ دکھایا

جو دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور عمارات کا نام و نشان تک مٹا دیا تھا لیکن جنگ کے اختتام پر وارسا کے لوگوں نے چندہ جمع کر کے پرانے نقشوں کی مدد سے بعینہ شہر کو دوبارہ تعمیر کیا اور اب ایک بھی عمارت ایسی نہیں جس پر جنگ کے کوئی آثار باقی ہوں۔ میں اس سے بیحد متاثر ہوا کہ اگر کوئی قوم عزم کر لے تو دنیا کی کوئی قوت اسے مٹا نہیں سکتی۔

دو چار روز کی گفتگو کے بعد امام زوک صاحب نے احمدیت قبول کر لی اور بیعت فارم پر کر دیا۔ الحمدللہ۔ پولینڈ میں اسوقت چھ امام تھے۔ امام زوک ان میں سے ایک تھے اور چونکہ یہ وارسا کی مسجد کے امام تھے اور پڑھے لکھے تھے اس لئے ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔ امام زوک صاحب عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں جب یہ پادری بننے کیلئے ایک مدرسہ میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ پولش زبان میں قرآن کریم کا ایک نسخہ ہاتھ آیا۔ اسے پڑھ کر یہ مسلمان ہو گئے اور پادری بنتے بنتے امام مسجد بن گئے اور بالآخر خدا تعالیٰ نے ان کی رہنمائی احمدیت کی طرف کر دی۔ فالحمدللہ۔

امام زوک صاحب کو 1978ء میں ربوہ جانے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی ملاقات سے مشرف ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے پولینڈ میں جماعت احمدیہ باقاعدہ رجسٹر ہو چکی ہے اور وہاں مرکزی مبلغ بھی موجود ہے۔

بین الاقوامی کسرِ صلیب کانفرنس، لندن

مئی 1977 کی بات ہے کہ خاکسار نے برطانیہ کے اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ 1978ء کے آغاز میں برطانیہ کی بعض عیسائی تنظیمیں ''مقدس کفن'' کے موضوع پر ایک کانفرنس کا انعقاد کریں گی جسمیں اس بات کا تعین کیا جائے گا کہ آیا یہ ''مقدس کفن'' جسے The Shroud بھی کہا جاتا ہے، حقیقی ہے یا جعلی۔

یہ ''مقدس کفن'' سالہا سال سے اٹلی کے شہر ٹورین Turin کے مرکزی کلیساء میں محفوظ ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب پہلی مرتبہ اس کی تصاویر اتاریں گئیں تو حیرت انگیز طور پر ان تصاویر میں ایک شبیہ نظر آئی جس کے ہاتھوں اور پیروں پر زخموں کے نشانات تھے اور پسلیوں سے خون رسنے کے دھبے بھی نمایاں نظر آرہے تھے جو اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ جس شخص کو اس کپڑے میں لپیٹا گیا تھا، اس کی حرکتِ قلب برقرار تھی اور اسی لئے کپڑے میں لپیٹے جانے کے بعد بھی زخموں سے خون رِس رہا تھا۔ عیسائی عقیدہ اور تحقیق کے مطابق یہ وہ کپڑا تھا جسے بطور کفن استعمال کیا گیا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب سے اتارنے کے بعد پہنایا گیا تھا۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہی وہ ''مقدس کفن'' ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کو لپیٹا گیا تھا تو پھر پورے یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلیب سے اتارے جانے اور قبر میں رکھے جانے کے بعد بھی ان کے دل کی حرکت جاری تھی اور وہ زندہ تھے۔

خاکسار نے جب یہ اخباری رپورٹیں پڑھیں تو یہ رپورٹیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ

کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھجوا دیں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں بھی 1978ء کے وسط میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کرنا چاہئے جس میں ہم یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیب کی لعنتی موت سے نجات عطا فرمائی تھی اور رومن حکومت یہودیوں کے ساتھ مل کر اُن کو صلیب کی لعنتی موت سے ہمکنار کرنے میں ناکام ہوگئی تھی۔ خاکسار نے اس درخواست میں حضورؒ سے یہ بھی استدعا کی کہ حضورؒ خود اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں اور اسے خطاب فرمائیں۔

حضورؒ نے خاکسار کی اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے خاکسار کو ایک ہفتہ کیلئے ربوہ حاضر ہونے کی ہدایت فرمائی تا تمام امور پر غور ہو سکے۔

خاکسار نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں حضورؒ کی منظوری اور کانفرنس میں بہ نفسِ نفیس شرکت کرنے کی خوشخبری سنائی۔ مجلس عاملہ نے تفصیلی طور پر سب امور کا جائزہ لیا۔ خاکسار ان کے مشوروں کے ساتھ عازم ربوہ ہوگیا اور مجلس عاملہ کے مشوروں اور تجاویز کو حضورؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؒ نے اگلے دن مکرم وکیل التبشیر صاحب کو بھی مشاورت کیلئے طلب فرمایا اور کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ حضورؒ نے کانفرنس کے انعقاد کی منظوری عطا فرماتے ہوئے اس سلسلہ میں کئے جانے والے اخراجات کے بجٹ کی منظوری بھی عطا فرمائی۔

واپسی پر خاکسار نے مجلس عاملہ کو ربوہ میں کئے جانے والے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ اجلاس میں کانفرنس کے انتظامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کا انعقاد 4,3,2 جون 1978ء کو کیا جائے۔

اس کانفرنس کی تشہیر کے سلسلہ میں اخبارات ٹی وی اور ریڈیو کو سلسلہ احمدیہ کے تعارف

اور کاموں پر مبنی نیوز لیٹر بھی کثرت سے بھجوائے جانے کا اہتمام کیا گیا۔ لندن کے اخبار ٹائمز The Times میں ہم نے ایک اشتہار چند مرتبہ شائع کرایا جس میں کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور سلسلہ احمدیہ کے تعارف کے ساتھ ساتھ قارئین کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دی۔ برمنگھم ٹیلی ویژن پر بھی خاکسار کو کانفرنس کے بارہ میں بات چیت کیلئے بلایا گیا۔ درجنوں اخبارات و رسائل نے ہمارے انٹرویوز شائع کئے۔ ریڈیو پر بھی متعدد مرتبہ کانفرنس کا تذکرہ ہوا اور ہمارے انٹرویوز ہوئے۔

☆ لندن سے شائع ہونے والے اخبار ''جنگ'' نے اپنی اشاعت مورخہ 7 دسمبر 1977ء میں محلّہ خانیار میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کی تصویر دے کر یہ خبر شائع کی:

حضرت عیسیٰؑ سرینگر میں دفن ہیں

برطانیہ کی احمدیہ جماعت کا دعویٰ

لندن (نمائندہ جنگ) برطانیہ کی احمدیہ جماعت اگلے سال 2 تا 4 جون لندن کے کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ جس میں اس مسئلہ پر ماہرین، مفکرین اور مؤرخین احمدی جماعت کے اس عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ حضرت عیسیٰ مسیح کو صلیب پر تو ضرور چڑھایا گیا تھا مگر ان کا انتقال صلیب پر نہیں ہوا بلکہ وہ لمبی عمر پانے کے بعد سرینگر (کشمیر، انڈیا) میں وفات پا گئے جہاں آج بھی ان کا مقبرہ ہے۔ یہ حیرت انگیز انکشاف لندن میں احمدی مسجد کے امام مسٹر بشیر احمد رفیق نے ایک پریس کانفرنس میں جمعہ کو کیا، جو والڈوورف ہوٹل میں منعقد ہوئی تھی۔

اس پریس کانفرنس میں حضرت عیسیٰ کے اس مبینہ مقبرہ کی تصویر بھی تقسیم کی گئی جس کی کھوج قادیانی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد نے سرینگر (کشمیر) میں لگائی تھی اور جس کا تفصیلی ذکر مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' میں کیا ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ اس بین الاقوامی کانفرنس کے ساتھ ہی احمدی جماعت کی تبلیغ کا کام بھی عالمگیر پیمانہ پر شروع ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ساری دنیا میں اس فرقہ کے ماننے والوں کی مجموعی تعداد ایک کروڑ ہے جس میں سے کوئی دس ہزار برطانیہ میں ہیں''۔

☆ برطانیہ کے ایک کثیر الاشاعت اخبار Catholic Herald نے اپنی اشاعت مورخہ 9 دسمبر 1977ء میں لکھا:

Muslim Sect with doubts about Christ.

Britain is a field ripe for conversion to Islam, according to Imam Rafiq, the leader of the Ahmadiyya Muslim sect in this country.

A nation wide crusade to be launched next year culminating in an International Conference in London which will take as its theme, "The Deliverance of Jesus from the Cross,"

Speaking at the launch of the crusade, Mr. Rafiq explained that the Ahmadiyya felt it was time to bring Europe and America back to a living communion with God. He felt Christianity had failed to do this.

The Ahmadiyyas claim that their beliefs are

synonymous with Islam, but many would disagree with that view. Of the 2,000,000 Muslims in Britain only 11,000 are Ahmadiyyas . In Pakistan the sect has been declared "non Muslim".

The belief which will be promulgated throughout Britain next year by sermons from doorstep missionaries and the distribution of Ahmadiyya literature, differ from main- line Islam as well as Christianity.

They believe that our Lord and Muhammad were just human prophets who have now been outshone by the 18th century Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, whom they revere as the promised Messiah. Since main line Muslims admit the humanity of Muhammad, the Ahmadiyya concentrate on disproving the divinity of Christ.

They have taken great interest in the Turin Shroud, which they hope will prove conclusively that Jesus was alive when he was taken down from the Cross. They allege that after Jesus had been cared for by his apostles, he went to India in search of the Lost Tribes of Israel.

Their most tangible evidence is an ancient tomb in Kashmir which they say has been "Confirmed" by archaeological excavation although they refuse to allow the tomb to be opened on the grounds that such action would be contrary to Muslim law.

They identify the tomb as the resting place of *Yus Asaph* which they claim is the Arabic form of "Jesus the Gatherer" although the Koranic form of our Lord, name

is *Aisa*.

The Ahmadiyyas are as optimistic as they are evangelical. Missionaries have been sent to places as unlikely as Rome and Israel. They believe they will succeed in effecting their founder's prophecy of international acceptance of Ahmadiyya Islam.

Each convert undertakes to give 16 percent of his income to a central fund to finance schools, printing presses and scholarships."

انگلستان اور یورپ کے بیشمار اخبارات نے ہماری اس کانفرنس کی خبریں شائع کیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخباری انٹرویوز کے ذریعہ بھی کثرت سے اس کانفرنس کی تشہیر ہوئی۔ برمنگھم ٹی وی اور جلنگھم T.V کے نمائندگان نے خاکسار کے انٹرویوز دکھائے۔ لندن کے ریڈیو L.B.C اور B.B.C نے خاکسار کے انٹرویو نشر کئے اور اسطرح خدا تعالیٰ کے فضل سے کانفرنس کے انعقاد سے قبل ہی جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت سے نجات پانے کے عقیدہ کی خوب تشہیر ہوئی۔

انگلستان کے مشہور ریڈیو 4 پر بھی خاکسار کا ایک مفصل انٹرویو، جو سوالات و جوابات پر مشتمل تھا، نشر ہوا اور اسطرح کروڑوں لوگوں تک پیغام حق پہنچ گیا۔ الحمدللہ۔

دسمبر 1977ء میں لندن سے شائع ہونے والے مشہور اخبار ''ڈیلی ٹیلی گراف'' نے، جس کی روزانہ اشاعت 10 لاکھ سے اوپر ہے، اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کانفرنس والے دن شائع ہونے والے سنڈے میگزین میں ایک خصوصی مضمون شائع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خاکسار کیلئے بہت بڑی خبر تھی۔ چنانچہ دسمبر 1977ء میں جب خاکسار نے جلسہ سالانہ ربوہ کی تیاری کی تو کسر صلیب کانفرنس کی تشہیر کیلئے بعض اخبارات کے نمائندگان کو بھی ہمراہ

لانے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں درخواست کی تا کہ اُن کی تحقیق کو کانفرنس کے دوران پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد بڑے بڑے اخبارات کو دعوت دی گئی۔ بالآخر انگلستان کے مشہور اور کثیر الاشاعت اخبار Sunday Telegraph نے اپنا ایک نمائندہ اور ایک فوٹو گرافر میرے ساتھ اس سفر پر بھجوانے کیلئے آمادگی ظاہر کر دی لیکن یہ شرط لگائی کہ یہ دونوں نمائندے اخبار کی طرف سے ان کے خرچ پر جائیں گے اور ہم سے اس سلسلہ میں سوائے مہمان نوازی کے اور کچھ قبول نہ کریں گے۔

حضورؒ نے اس کی منظوری دے دی۔ چنانچہ Mr. Phillip نامی اخبار نویس اور ایک اعلیٰ فوٹو گرافر نے میرے ساتھ رابطہ کیا۔ ہم مقررہ تاریخ پر ربوہ پہنچے۔

ربوہ میں حضورؒ نے از راہِ شفقت مسٹر فلپ کو ایک تفصیلی انٹرویو دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے بچ جانے اور سفر کشمیر اور وہاں وفات اور تدفین کے بارہ میں تفصیلی معلومات پیش کیں اور فرمایا کہ آپ لوگ ایک آزاد ملک کے ایک آزاد اخبار کے نمائندہ ہیں۔ بشیر احمد رفیق تمہاری مہمان نوازی اور مدد کیلئے تمہارے ساتھ ہوں گے۔ آپ لوگ آزادی کے ساتھ جو بھی تحقیقات کرنا چاہیں، کریں۔

ان نمائندگان نے جلسہ سالانہ میں شرکت کی۔ بزرگان اور علماء سلسلہ سے ملاقاتیں کیں۔ بے شمار تصاویر تیار کیں اور جلسہ سالانہ کے اعلیٰ انتظامات سے بیحد متاثر ہوئے۔

جلسہ کے اختتام پر ہم تینوں براستہ لاہور قادیان کیلئے روانہ ہوئے۔ قادیان میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ چنانچہ قادیان کے ایک وفد نے بارڈر پر ہمارا استقبال کیا۔ قادیان میں ہمارا قیام تین چار روز رہا۔ اس دوران مسٹر فلپ کو تمام تاریخی مقامات دکھائے گئے۔ انکے سوالات کے جوابات دیئے

گئے۔

قادیان سے ہم امرتسر گئے اور وہاں سے Air India کی فلائیٹ پر سرینگر کیلئے روانہ ہوئے۔ سرینگر ایئر پورٹ پر جناب غلام نبی صاحب، جو وہاں جماعت کی طرف سے بطور مبلغ تھے، نے ہمارا استقبال کیا۔ انکے ساتھ پریس کے بعض نمائندگان بھی تھے جنہیں میں نے مختصراً انٹرویو کے دوران اپنے دورہ کے مقاصد سے آگاہ کیا اور وعدہ کیا کہ دورہ کے اختتام پر ہم ایک پریس کانفرنس کریں گے۔

ہمارے سرینگر میں قیام کا انتظام Oberoi ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ یہ پارٹیشن سے پہلے مہاراجہ کا محل ہوا کرتا تھا۔ جھیل ڈل کے کنارے یہ ایک وسیع وعریض بلڈنگ ہے۔ ہوٹل سے جھیل ڈل کا نظارہ نہایت دلکش اور خوبصورت ہے۔ اگلے دن ہم جناب غلام نبی صاحب کی معیت میں محلّہ خانیار میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مزارِ مبارک کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ مزار وہاں انیس سو سال سے مرجع خلائق ہے۔ عام طور پر اسے یوز آصف نبی کی قبر کہا جاتا ہے۔ قبر یہودیوں کے مزارات کے طرز پر بنائی گئی ہے۔ اس میں ایک زمین دوز کمرہ ہے جسمیں ایک چھوٹی سی کھڑکی رکھی گئی ہے۔ اصل قبر نیچے زمین دوز کمرہ میں ہے۔ قبر کا رُخ مسلمانوں کی قبروں سے بالکل مختلف شرقاً غرباً ہے، جو یہودیوں کا طریقہ ہے۔ اس کے قبر مسیح ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ اس قبر کے ساتھ ایک پتھر پر زمانۂ قدیم سے موم بتی روشن کی جاتی ہے اور اس پر موم پگھلتا چلا گیا ہے۔ چند سال قبل جب اس قبر کے بارہ میں تحقیق کی جارہی تھی تو موم کی تہوں کو کھرچ کھرچ کر ہٹایا گیا۔ جب پتھر صاف ہو گیا تو دیکھا گیا کہ اس پر حضرت مسیح ؑ کے قدموں کے نشانات کندہ ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ نشان کندہ کرانے والوں نے پیروں پر زخموں کے نشانات بھی کندہ کرادئے تھے جو اس

بات کا حتمی ثبوت ہے کہ زمانہ قدیم سے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اس قبر میں جو شخصیت محوخواب ہے، اسے صلیب دی گئی تھی ورنہ اس کے پیروں پر زخموں کے نشان کیوں دیئے جاتے؟

ہم جب مقبرہ پر پہنچے تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس مقبرہ کا مجاور ہے۔ اس نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ مقبرہ کے ماحول اور ہمارے وہاں جانے کے متعلق مسٹر فلپ نے

Sunday Telegraph magazine dated 4th july 1978

میں لکھا:

"It was an experience to make even a casual Church of England back slider feel deeply uneasy . A taxi had taken me from the most extravagant hotel in Kashmir to a crossroads in one of the poorest areas in Srinagar, the capital. Cows, goates and children struggled through the mud and worse. On one corner was a small booth which served as a butchar's shop. On another was a two storey house which turned out to be a factory serving the trinket trade.

Opposite them, in the corner of a disused cemetary occupied by fierce stray dogs, was a small white building with a corrugated iron roof. "There you are," said my guide. "The Tomb of The Jesus Christ"

ہم مقبرہ کے اندر داخل ہوئے۔ عمارت کے اندر ایک چوبی جنگلہ بنا ہوا ہے جس کے اندر دو قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت مسیح علیہ السلام کی اور دوسری قبر ایک مسلمان بزرگ سید نصیر الدین صاحب کی ہے جو پندرھویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں۔ آپ حضرت یوز

آصف نبی کی تعلیمات سے بیحد متاثر تھے اس لئے آپ نے وفات کے وقت اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ انہیں حضرت یوز آصف نبی یعنی حضرت مسیح کے مقبرہ میں ان کے نزدیک دفن کیا جائے۔

ہماری درخواست پر اور کچھ نذرانہ پیش کرنے پر مجاور صاحب نے ہمیں اس جنگلہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ کمرہ میں اندھیرا تھا۔ چنانچہ مجاور صاحب نے موم بتیاں جلا کر قبر کا ماحول روشن کر دیا۔ میں نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر تضرع سے دعا کی کہ مولیٰ کریم یہ تیرے اس بزرگ نبی کی قبر ہے جو وحدانیت کو دنیا میں پھیلانے کیلئے مبعوث ہوا تھا اور جس نے بنی اسرائیل سے شرک کو مٹانے کیلئے ساری زندگی جدوجہد کی تھی۔ آج اس کے نام پر اس کے متبعین ایک عظیم شرک میں مبتلا ہیں اور تیرے اس پاک بندے کو خدائی کے تخت پر بٹھاتے ہیں جس سے اس کی روح کو کس قدر تکلیف پہنچ رہی ہوگی۔ تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرما کہ یہ روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے کہ وہ صلیب سے زندہ اتر آئے اور اس مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ تا کہ شرک ملیا میٹ ہو جائے اور دُنیا میں، بالخصوص ان کے متبعین میں وحدانیت کی طرف رجوع ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تیرا وعدہ، کہ ان کے ذریعہ کسر صلیب ہوگی، شان کے ساتھ پورا ہو۔ آمین۔

دعا سے فارغ ہوا تو مسٹر فلپ نے درخواست کی کہ انہیں تصاویر کھینچنے کی اجازت دی جائے جو میں نے مجاور صاحب کو پیش کی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ ہم نے قبر مسیحؑ کی اور ان پتھروں کی جن پر ان کے زخمی قدم مبارک کے نقوش ہیں، تصاویر اتاریں۔ (یہ تصاویر اب خلافت لائبریری میں ہیں)

قبر پر جو کتبہ ہے وہ محکمہ آثار قدیمہ کشمیر کا لگایا ہوا ہے۔ اس پر درج ہے کہ یہ یوز آصف

نبی کی قبر ہے جو صدیوں قبل دور دراز ملکوں سے ہوتے ہوئے یہاں آئے اور ساری عمر عبادت وتبلیغ میں بسر کی۔ اس بات کے ثبوت میں، کہ یوز آصف اور مسیح ناصری ایک ہی وجود کے دو نام ہیں، بے شمار شہادتیں موجود ہیں ۔ میں صرف ایک شہادت یہاں پیش کرتا ہوں۔

Sir Francis Younghusband جو لمبے عرصہ تک کشمیر میں برطانوی ریزیڈنٹ کے طور پر قیام پزیر تھے، لکھتے ہیں:

"There resided in Kashmir some 1900 year ago a saint of the name of Yaz Asaf, who preached in parables and used many of the same parables as Christ uses, as for instance, the parable of the sower. His tomb is in Srinagar..... and the theory is that Yuz Asaf and Jesus are one and the same person. When the people are in appearance of such a decided Jewish Cast, it is curious that such a theory should exit."

(Sir Francis Younghusband, page 112)

حضرت مسیح علیہ السلام کی کشمیر آمد اور ان کی قبر کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرکتہ الاراء کتاب "Jesus In India" پڑھنے کے قابل ہے۔

مقبرہ سے باہر نکلے تو مسٹر فلپ نے مجھے کہا کہ سامنے ایک بوڑھا کشمیری چلا آرہا ہے۔ میں اس سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہوں، تم صرف ترجمانی کرو، اپنے پاس سے کوئی بات شامل نہ کرنا۔ میں نے کہا کہ میں ان کشمیری بزرگ کو بلاتا ہوں اور جو گفتگو ہوئی اس کی گواہی مجاور صاحب دے سکتے ہیں جو تھوڑی بہت انگریزی جانتے تھے۔ چنانچہ اس کشمیری بزرگ کو بلایا گیا اور جو مکالمہ ہوا وہ کچھ اس طرح تھا:

مسٹر فلپ: آپ کی عمر کیا ہوگی اور آپ کب سے سرینگر میں آباد ہیں؟

بزرگ کشمیری: میری عمر 80 سال سے اوپر ہے اور میں سرینگر میں ہی پیدا ہوا۔ اور ساری عمر یہیں گذار دی ہے۔

مسٹر فلپ: اس مقبرہ کے بارہ میں آپ کیا جانتے ہیں؟

بزرگ کشمیری: یہ یوز آصف نبی کا مقبرہ ہے جو سنا ہے 1900 سال قبل کشمیر میں کسی دور دراز ملک سے آئے تھے اور یہاں اپنا وقت زیادہ تر عبادات اور اس وقت کے کشمیری لوگوں کو نصیحت کرنے میں گذارتے تھے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کی وفات سو سال سے اوپر کی عمر میں ہوئی۔

مسٹر فلپ: اس قبر کے بارہ میں آپ کو جو بھی معلومات ہیں بتائیں۔

بزرگ کشمیری: قبر نیچے Basement میں ہے۔ باہر گلی کی طرف اس میں ایک کھڑکی ہوا کرتی تھی جو اب بند کر دی گئی ہے۔ اس کھڑکی سے ہمیشہ نہایت اعلیٰ قسم کی خوشبو نکلا کرتی تھی۔ لوگ کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تو سارا دن ان کے ہاتھوں سے خوشبو آتی تھی۔ یہ بھی ہمیشہ سے مشہور چلا آتا ہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر دعائیں کی جائیں تو قبول ہوتی ہیں۔

قبر مسیح کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم واپس ہوٹل چلے آئے۔ شام کو میں نے فدا حسنین صاحب کو فون کیا۔ آپ یونیورسٹی آف کشمیر میں پروفیسر ہیں، آرکیالوجی میں اعلیٰ

تعلیم یافتہ ہیں اور قبر مسیح پر بہت کچھ تحقیق کر چکے ہیں اور اس موضوع پر چند کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کا تعلق جماعت احمدیہ سے نہیں ہے۔ فدا حسنین صاحب نے فون پر بتایا کہ انہیں اخبارات کے ذریعہ ہماری آمد کا علم ہو چکا ہے اور وہ خود ہم سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ چنانچہ اسی شام کو ایک ریسٹورینٹ میں ان سے ملاقات کا وقت طے ہو گیا۔

شام کو ہم تینوں یعنی مسٹر فلپ، فوٹو گرافر صاحب اور خاکسار ریسٹورنٹ پہنچے تو فدا صاحب کو اپنا منتظر پایا۔ نہایت خوش اخلاق انسان ہیں۔ چہرہ پر سدا بہار مسکراہٹ رہتی ہے۔ انہوں نے تفصیل سے قبر مسیحؑ کے بارہ میں ہمیں بتایا اور فرمایا کہ انہوں نے اپنی تحریرات میں حتمی طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ قبر حضرت مسیح علیہ السلام کی ہے۔ فدا صاحب نے اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہایت اعلیٰ انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ اصل تحقیق تو اُن کی ہے، باقی سب انکے خوشہ چین ہیں۔ یہ ملاقات بہت معلوماتی اور روح پرور اور دلچسپ رہی۔ مسٹر فلپ بھی ان سے بہت متاثر ہوئے۔

فدا حسنین صاحب سے بعد میں لندن میں بھی میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک مرتبہ وہ تین دن ہمارے پاس لندن میں مقیم رہے۔ اس دوران خاکسار نے انکی ملاقات حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بھی کرائی۔ انہوں نے حضورؒ کی خدمت میں اپنی تازہ کتاب The Fifth Gospel پیش کی۔ آپ نے اس کتاب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام Dedicate کر کے صفحہ اول پر حضور علیہ السلام کی تصویر کے ساتھ حضور علیہ السلام کی قبر مسیح کے بارہ میں تحقیقات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

اگلے تین چار دن مسٹر فلپ اور فوٹو گرافر صاحب تو اپنی تحقیق کے سلسلہ میں مختلف لوگوں سے ملتے رہے اور میں جماعت کی دعوت پر سرینگر سے باہر کی دو تین احمدی جماعتوں

کے دورہ پر روانہ ہوا اور جماعتوں کو خطاب کیا۔ یہ بیحد روح پرور دورہ تھا۔ احباب جماعت کا خلوص، احمدیت کیلئے جوش و جذبہ اور خلافت احمدیہ سے دلی وابستگی دیکھ کر بارہا میری آنکھیں اشکبار ہوتی رہیں۔ بظاہر یہ لوگ غریب تھے اور سردی میں مناسب لباس نہ پہننے کی وجہ سے ٹھٹھرتے جاتے تھے لیکن ان کے قلوب ایمان کی گرمی سے مالا مال تھے۔

غرض سرینگر اور اس کے گردونواح میں ایک ہفتہ قیام کے بعد ہم براستہ قادیان واپس پاکستان آ گئے۔ سرینگر میں ہم نے قابل دید مقامات بھی دیکھے۔ ڈل جھیل میں کشتیوں کے نظارے بھی دیکھے اور دل یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ یہ نظارے دنیا کے دلکش ترین نظارے ہیں۔

اگلے سال جون میں کانفرنس کا انعقاد ہوا تو مسٹر فلپ نے 6 جون 1978ء کے سنڈے ایڈیشن میں ایک تفصیلی مضمون تصاویر کے ساتھ شائع کیا۔ یہ ایک ملین کی تعداد میں شائع ہوا اور پھر دنیا کے مختلف اخبارات نے بھی اس کے چیدہ چیدہ حصے شائع کئے۔ مسٹر فلپ نے اس مضمون میں خاکسار کے بارہ میں لکھا:

"There has been an Ahmadi mosque in Britain, the imperial homeland, since 1924. It is situated in Gressenhall Roal, south west London, and has small branches throughout Britain, with a strength of about 10,000. The Imam, Mr. B.A. Rafiq is a charming and cultivated man whose landowning family used to fight the British in the North west frontier area".

بین الاقوامی کسر صلیب کانفرس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی شمو لیت

مئی 1978ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کانفرنس میں شمولیت کیلئے تشریف لائے۔ نیز دنیا بھر سے کثرت سے احمدی احباب کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

انتظامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے احباب جماعت برطانیہ، مجلس عاملہ انگلستان اور کانفرنس کمیٹی نے دن رات ایک کر کے کام کیا اور ٹیم ورک کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ہیتھرو ایئر پورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ایک پرہجوم پریس کانفرنس کو خطاب کیا اور سوالات کے جوابات دیئے۔ یہ گویا کانفرنس کا ایک رنگ میں آغاز تھا۔

کانفرنس میں عیسائی مقررین بھی شامل تھے۔ کشمیر کے مشہور آرکیالوجسٹ اور محقق فدا حسین صاحب نے بھی کانفرنس میں اپنا مقالہ پڑھنا تھا لیکن انہیں بروقت ویزہ نہ مل سکا اس لئے ان کا مقالہ پڑھوایا گیا۔

4 جون 1978ء کو کانفرنس کا آخری دن اور اتوار تھا۔ صبح سنڈے ٹیلی گراف کے میگزین میں 6 صفحات اور متعدد تصاویر پر مشتمل قبر مسیح اور ہماری کانفرنس پر مضمون شائع ہوا۔ مضمون میں جلسہ سالانہ ربوہ کے مناظر کے علاوہ حضرت خلیفہ ثالثؒ اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کی تصاویر تھیں۔ نیز مسیح علیہ السلام کے مقبرہ کی بھی متعدد تصاویر تھیں۔ یہ میگزین 10 لاکھ سے زائد کی تعداد میں شائع ہوا۔

امام مسجد لندن کا قبولیت دعا کا چیلنج

رسالہ ''انصاراللہ''، ربوہ اپنے شمارہ احسان ۱۳۴۷ہجری شمسی میں رقم طراز ہے:

امام مسجد لندن کی طرف سے برطانیہ کے دو لاٹ پادریوں کو قبولیت دُعا کے متعلق مقابلہ کی دعوت

مغربی ممالک آج ایک زبردست اخلاقی، روحانی اور مذہبی بحران سے دو چار ہیں۔ وہ بحران یہ ہے کہ وہاں کے عوام مروجہ عیسائیت کے خلافِ عقل عقائد سے بیزار ہونے کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ دہریت کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں۔ چنانچہ آج کل وہاں مختلف حلقوں کی طرف سے اس قسم کے نعرے عام سننے میں آرہے ہیں کہ ''مسیح کی صلیبی موت اس امر کی آئینہ دار ہے کہ خدا مر چکا ہے'' اور یہ کہ ''ہمیں اپنی لغت میں سے خدا کا لفظ ہی سرے سے نکال دینا چاہئے''۔ اِس صورت حال پر وہاں کے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک چرچ سخت پریشان اور مضطرب ہیں۔ انہیں یہ پریشانی اور اضطراب صرف لوگوں کے اخلاقی وروحانی دیوالیہ پن پر ہی لاحق نہیں ہے بلکہ خود چرچ کی اپنی بےبسی اور بیچارگی پر بھی ہے کہ دہریت کی اس بڑھتی ہوئی آواز کو روکنے کی سکت چرچ میں قطعاً مفقود ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دہریت کے اس بڑھتے ہوئے زور کو محض عقلی دلائل سے روکنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ چمکتے ہوئے آسمانی نشانوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے خالق کل اور قادرِ مطلق

ہونے کا درخشندہ ثبوت منصۂ مشہود پر نہ آئے۔ چرچ نشان نمائی کی صلاحیت سے یکسر عاری ہے اور خود چرچ کا روحانی دیوالیہ پن ہی اس افسوسناک صورتِ حال کا اصل ذمہ دار ہے۔

اِن آسمانی نشانوں میں سے ایک قبولیتِ دعا کا نشان بھی ہے کیونکہ یہ نشان اس امر کا بین ثبوت ہوتا ہے کہ خدا ہے، اور یہ کہ ہر شخص اس کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوکر اوراس کے احکام بجالا کر اس سے براہ راست تعلق قائم کرسکتا ہے۔ اس تعلق کا اظہار اس رنگ میں ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں قبول فرما کر خارق عادت طور پر امرِ مطلوب کو پورا کر دکھاتا ہے۔ عیسائی چرچ کا مسیح کی اصل تعلیم کے برخلاف عقائد اپنانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے تعلق منقطع ہو چکا ہے اسی لئے وہ لوگوں کا بھی خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرانے سے عاجز ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ عیسائیت سے بیزار ہو ہوکر دہریت کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے آج سے ستر سال قبل اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں کو دعوت دی تھی کہ وہ آپؑ کے مقابلہ میں کسی ایک امر کے بارہ میں دُعا کریں تا دنیا پر آشکار ہو کہ خدا کس کی دُعا سنتا ہے اور یہ کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں سے وہ کس کے ساتھ ہے؟ لیکن کسی کو آپؑ کی یہ دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ دعوت اُس وقت سے قائم چلی آرہی ہے اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے خلفاء اسے دنیا کے سامنے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں جماعت احمدیہ کے موجودہ امام

حضرت خلیفہ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اسے پورے شدومد کے ساتھ دہرایا ہے۔

چنانچہ آپ کی زیر ہدایت گزشتہ ماہ امام مسجد لندن مکرم بی اے رفیق صاحب نے انگلستان کے دولاٹ پادریوں یعنی آرچ بشپ آف کنٹر بری اور رومن کیتھولک آرچ بشپ آف ویسٹ منسٹر کو ایک خط لکھ کر انہیں قبولیت دعا کا نشان دکھانے کے تعلق میں مقابلہ کی دعوت دی۔ اس خط کے جواب میں ہر دولاٹ پادری صاحبان کی طرف سے جو خطوط موصول ہوئے وہ خود اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ مروجہ عیسائیت، ایک زندہ مذہب نہیں ہے کیونکہ وہ زندگی کے آثار سے عاری ہے۔ دونوں لاٹ پادریوں نے اپنے خطوط میں اس دعوت کو قبول کرنے کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ ان کے اس واضح گریز سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ اس امر کا عملی ثبوت بہم پہنچانے سے قاصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ اُنہیں اعتماد نہیں ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کی صداقت آشکار کرنے کی غرض سے وہ اُس کی جناب میں جو دُعا کریں گے انہیں وہ ضرور شرفِ قبولیت سے نواز کر ایک عظیم الشان صداقت ظاہر کرے گا۔ برخلاف اِس کے امام صاحب مسجد لندن کی دعوت اس امر کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتی ہے کہ مسیح محمدیؑ علیہ السلام کے پیرو اس بات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ عیسائیت کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر اسلام کی صداقت کا ایسا مہتمم بالشان نشان ظاہر فرمائے گا کہ جو حق و باطل میں امتیاز کر کے دکھا دے گا۔

ہم مکرم امام صاحب مسجد لندن کے خط اور دونوں لاٹ پادریوں کے خطوط کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں کیونکہ یہ خطوط خود اپنی ذات میں حق و باطل کے امتیاز کا ایک ذریعہ ہیں:

امام مسجد لندن کے خط کا مکمل متن

واجب الاحترام لاٹ پادری صاحب!

جناب والا کی خدمت میں اس خط کے لکھنے کی غرض آپ تک یہ خوشخبری پہنچانا ہے کہ وہ موعود، جس کا عیسائی اور مسلمان عرصہ ہائے دراز سے انتظار کرتے چلے آرہے ہیں، ظاہر ہوگیا ہے۔ اُس نے اِس دنیا کو آسمانی نور سے منور کر کے برکاتِ سماوی سے معمور کر دکھایا ہے۔

مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کے بموجب آج قوم، قوم کے خلاف چڑھائی کررہی ہے۔ دنیا میں قحط، جنگوں، زلزلوں، وباؤں اور ناانصافیوں کا دور دورہ ہے۔ حسب پیشگوئی سورج پر تاریکی آچکی ہے اور چاند پر بھی وہ وقت گزرا ہے کہ اُس نے روشنی دینی ترک کردی ہے۔ ستارے آسمان سے گرے، آسمانوں کی قوتیں ہلائی گئیں اور اس طرح ابن آدم کا نشان آسمان میں ظاہر ہوا۔ جیسے بجلی کوند کر پورب سے پچھّم تک دکھائی دیتی ہے، بعینہٖ اسی طرح ابنِ آدم کا ظہور عمل میں آیا۔ مسیح برصغیر میں ظاہر ہوا جو فی الواقعہ مشرق میں ہی واقع ہے اور جو زمانۂ قدیم سے علوم وفنون کا مرکز ہے اور بہت جلد اس کے پیغام کی اشاعت زمین کے انتہائی دور دراز کونوں

تک ہوئی یہاں تک کہ اب اُس کے پیرو ایشیا، افریقہ یورپ، امریکہ وغیرہ دُنیا کے تمام براعظموں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت مرزاغلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۳۵ء تا ۱۹۰۸ء) مسیح علیہ السلام کے مثیل کی حیثیت سے اسی طرح برصغیر میں مبعوث ہوئے جس طرح کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ،حضرت الیاس علیہ السلام کے مثیل کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ ہر بات جو مسیحؑ کی آمدِ ثانی کے متعلق صحفِ سابقہ میں لکھی ہوئی تھی، پوری ہو چکی ہے ۔حتیٰ کہ فلسطین میں یہودیوں کا پھر سے اجتماع بھی منصۂ شہود پر آ چکا ہے۔

میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کے ایک ادنیٰ ترین پیرو اور غلام کی حیثیت سے جناب والا کی خدمت میں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور منجانب اللہ بعثت کو پرکھنے کا ایک معیار پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ جناب والا پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں گے اور اِس معیار کو آزمانا قبول فرمالیں گے۔مسیح علیہ السلام نے کہا ہے:

> ''کوئی اچھا درخت نہیں جو برا پھل لائے اور نہ کوئی برا درخت ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے''۔

انہوں نے مزید فرمایا ہے:

> ''اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور

کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی''۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے:

''اور تم جو کچھ دُعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تم کو ملے گا''

جناب والا! یہ بالکل سچ ہے کہ زندہ ایمان سے زندگی کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں۔ ہم، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیرو ہیں، اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا مذہب یعنی اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ ہم اس بات پر بھی پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ اگر جناب والا کلیسیائے انگلستان کے روحانی پیشوا کی حیثیت سے اسلام اور عیسائیت کی صداقت کو پرکھنے کیلئے تیار ہوں تو خدا یقیناً ایسا ہی کرلے گا کہ اچھا درخت اچھے پھل لائے۔ وہ اپنے پیارے بیٹے کو مچھلی کی بجائے سانپ نہیں دے گا اور روٹی کی بجائے پتھر نہیں عطا کرے گا۔ وہ اس کیلئے قبولیت کے دروازہ کو کھولے گا اور اُس کی دعاؤں کو ضرور سنے گا۔

ہم نے بارہا عیسائی بزرگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس امتحان میں پورا اُترنے کیلئے مقابلہ میں آئیں لیکن ابھی تک کسی نے آگے آنے کی جرأت نہیں کی۔ لہٰذا میں آپ کی خدمت میں اور آپ کی وساطت سے دنیا کے ہر سربرآوردہ عیسائی بزرگ کی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ ہم سب اپنے اپنے مذہب کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے کسی مشکل امر کے بارہ میں دُعا کریں۔ مثال کے طور پر ہم ایک خاص تعداد میں ایسے بیمار لیں جن کے زندہ رہنے کی ڈاکٹروں کے نزدیک کوئی اُمید نہ ہو اور پھر قرعہ کے

ذریعہ انہیں آپس میں تقسیم کرلیں۔عیسائی کلیسا اپنے حصہ کے مریضوں کی شفایابی کیلئے دُعا کرے اور ہم اپنے حصہ کے مریضوں کی شفایابی کیلئے دعا کریں اور پھر دُنیا خدا کے فضل اور رحم کا یہ نشان دیکھے کہ وہ اپنے اُن بندوں کی دُعاؤں کو جو صداقت پر ہیں کس طرح سنتا ہے؟ مسیح علیہ السلام کے مقرر کردہ معیار کے مطابق صاحب ایمان بندوں کی دُعائیں خدا کی جناب میں قبول ہوں گی اور ان کے حصہ میں آنے والے مریضوں کی اکثریت شفایاب ہو جائے گی جبکہ دوسری پارٹی کے حصہ میں آنے والے مریضوں کی اکثریت حسب معمول اُسی انجام سے ہمکنار ہوگی، جس کا اظہار طبی ماہرین پہلے کر چکے ہوں گے۔

آخر میں جنابِ والا کی خدمت میں میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ اِس پیشکش پر پوری سنجیدگی سے غور فرمائیں۔میں نے آسمانی بادشاہت کی یہ بشارت پورے خلوص اور محبت کے ساتھ جناب تک پہنچائی ہے کیونکہ خدا کی نگاہ میں ہم سب برابر ہیں''۔

آرچ بشپ آف کنٹربری کا جوابی مکتوب

محترم امام صاحب مسجد کے اس مکتوب کا آرچ بشپ آف کنٹربری کی طرف سے جو جواب موصول ہوا اُس کا متن درج ذیل ہے:

"لیمبتھ پیلس، ایس ای ا

۲۲ر اپریل ۱۹۶۸ء

جناب عالی!

آرچ بشپ آف کنٹربری نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ آرچ بشپ کے نام آپ کا خط محررہ ۱۵ر اپریل ۱۹۶۸ء انہیں موصول ہو گیا ہے۔ خط کے مندرجات ان کیلئے خاصی دلچسپی کا موجب ہوئے ہیں۔

آپ کا مخلص

دستخط............

دی ریورنڈ جان انڈریوز

چیپلن ٹو دی آرچ بشپ

رومن کیتھولک آرچ بشپ آف ویسٹ منسٹر کا جوابی مکتوب

رومن کیتھولک آرچ بشپ صاحب نے تو امام صاحب مسجد فضل
،لندن کے خط کے جواب میں صرف ان چند سطور پر ہی اکتفار کیا:

آرچ بشپ ہاؤس، ویسٹ منسٹر لندن
ایس ڈبلیو۱
۲۳/اپریل ۱۹۶۸ء

کارڈ نیل ہینان نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ آپ کا ۱۱/اپریل کا خط موصول ہو گیا ہے۔

آپ کا مخلص
دستخط............
(مان سگنور ڈیوڈ نورس)
پرائیویٹ سیکرٹری

دونوں آرچ بشپ صاحبان کے جوابی خطوط سے عیاں ہے کہ اُنہوں نے امام صاحب مسجد فضل ،لندن کی دعوتِ مقابلہ سے گریز اختیار کرتے ہوئے صرف رسمی جواب ارسال کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ ان کا صرف رسمی خطوط جواباً ارسال کر کے خاموشی اختیار کرنا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ہر دو پادری صاحبان اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کی صداقت کا عملی

ثبوت پیش کرنے کیلئے تیارنہیں ہیں۔حالانکہ امام صاحب نے صداقت پرکھنے کا جو معیار پیش کیا ہے، وہ خود مسیح علیہ السلام کا پیش کردہ معیار ہے۔ انہوں نے اپنے حقیقی پیروؤں کو یقین دلایا تھا کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو تمہارے لئے کوئی بات ناممکن نہ ہوگی اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تم کو ملے گا۔ایسی عظیم الشان یقین دہانی کے باوجود ہر دو آرچ بشپ صاحبان کا قبولیت دُعا کے مقابلہ سے گریز اختیار کرنا دو امور سے خالی نہیں ہے۔اوّل یہ کہ وہ مسیح علیہ السلام کے اس قول کی صداقت پر یقین نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السلام کا یہ قول صداقت پر مبنی ہے،اور کوئی وجہ نہیں کہ خدا کے بزرگ نبی کا قول صداقت پر مبنی نہ ہو،تو پھر دنیا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگی کہ موجودہ عیسائیوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

بہر حال جو بھی صورت ہو دونوں لاٹ پادریوں کے مقابلہ میں نہ آنے کے باوجود اسلام کی صداقت ازخود روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے۔مسیح ناصری علیہ السلام نے صاحب ایمان لوگوں کی جو علامات بیان کی ہے وہ اُن کی پیروی کا دم بھرنے والوں میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، مسیح محمدیؑ علیہ السلام کے پیروؤں میں بفضل اللہ تعالیٰ وہ بدرجہ اتم موجود ہے جبھی تو وہ نشان نمائی کیلئے نامور پادریوں اور عیسائی بزرگوں کو، جنہیں کسی نہ کسی عیسائی تنظیم میں نمائندہ حیثیت حاصل ہے، مقابلہ کی دعوت دیتے چلے آرہے ہیں۔امام صاحب مسجد لندن نے اس دعوت اور اس کے

بارہ میں آرچ بشپ صاحبان کے طرزِ عمل کے متعلق ۶ مئی ۶۸ء کو جو تفصیلی خط انگلستان کے اخباروں کو ارسال کیا ہے اور جس کی ایک نقل ہمیں بھی موصول ہوئی ہے، اُس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے:

''آرچ بشپ صاحبان کے نام میرے خطوط میں جو دعوت مقابلہ دی گئی ہے وہ آئندہ بھی ہمیشہ نہ صرف ان کیلئے بلکہ اسلام کے علاوہ تمام دیگر مذاہب کے اُن پیروؤں کے لئے کھلی رہے گی جنہیں اپنی اپنی متعلقہ جماعتوں یا تنظیموں میں نمائندہ حیثیت حاصل ہو''۔

اے کاش کوئی تو اس دعوت کو قبول کر کے اپنے آپ کو مردِ میدان ثابت کرنے کی کوشش کرے تا اسلام کی صداقت کا ایک اور تابندہ درخشندہ نشان ظاہر ہووے جسے مشاہدہ کر کے دُنیا اسلام کی طرف دیوانہ وار کھینچی چلی آئے۔

دیارِ حبیبؐ میں

مجھے اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ سلیمہ کے ساتھ دیارِ حبیب جانے، عمرہ کرنے اور مدینہ میں روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس سفر کے کچھ حالات بیان کرنے سے قبل میں بطور خاص اپنے داماد ڈاکٹر عبدالوحید خان صاحب اور اپنی بیٹی عزیزہ امۃ النصیر نینو کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی تحریک، مدد اور دعاؤں سے ہی یہ سفر دونوں مرتبہ ممکن ہو سکے ہیں۔ دونوں دفعہ عمرہ کرنے کے تمام تر انتظامات نہ صرف انہوں نے کئے بلکہ ایک مرتبہ عمرہ پر ہم سب اکٹھے بھی گئے جن میں میرے نواسے ہمایوں خان، مدیحہ

اور عالیہ بھی شامل تھے۔ ہمایوں خان بالخصوص میرے لئے ایک نعمت سے کم نہ تھے۔ سارا وقت میرے ارد گرد رہ کر میری معمولی سے معمولی ضرورت کا خیال بھی بڑی بشاشت سے رکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنے فضلوں اور برکتوں کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

ہم دونوں مرتبہ دسمبر میں اس سفر پر گئے۔ لندن سے جہاز پر سوار ہوئے تو دل کی عجیب کیفیت تھی۔ زندگی بھر جس زبردست خواہش کو دل میں پالتا رہا وہ اب خدا نے پوری کرنے کے سامان پیدا کر دیئے تھے۔ صبح سویرے جدہ کے بین الاقوامی ائرپورٹ پر اترے سرزمین حجاز کی مقدس اور مطہر زمین پر قدم رکھا تو دل کی کیفیت غیر ہوگئی۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، پروان چڑھے اور نبوت کی خلعت آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے پہنائی۔ آپ ﷺ نے نبوت کے 23 سالوں میں دنیا بھر میں ایک عظیم تغیر، زلزلہ اور انقلاب برپا کر دیئے۔

اس انقلاب نے نہ صرف نجد و حجاز بلکہ ساری دنیا کی ہی کایا پلٹ دی۔ آپ کی تعلیمات نے تاریک و تار دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا اور انسانیت کی عظمت کو دنیا میں قائم کر دیا۔

یہی وہ سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر بنا اور جسے خود خدا تعالیٰ نے بیت العتیق یعنی بہت پرانا گھر قرار دیا ہے اور جس کی زیارت کو متمول مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے، جسے ہم حج کے نام سے جانتے ہیں۔

ائرپورٹ پر ہمیں لینے کیلئے محترم ملک بشیر الدین صاحب تشریف لائے تھے۔ ہمارے پیارے عزیز طاہر سفیر صاحب بھی موجود تھے۔ محترم ملک بشیر الدین صاحب پچھلے بیس بائیس سال سے جدہ میں مقیم ہیں۔ (اب وہ سعودیہ کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں مستقلاً

جاچکے ہیں)۔باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔مہمان نوازی میں ان کا کوئی جواب نہیں، جوبھی ان سے ایک دفعہ مل لے وہ ان کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے وہ ایک وسیع حلقہ احباب رکھتے ہیں۔عزیز طاہر سفیر بچپن سے ہی لندن میں میرے سامنے پلے بڑھے ہیں اور ہم نے ایک لمبا عرصہ لندن میں اکٹھے گذارا ہے۔ان کے والد صاحب جناب سفیر الدین صاحب سے بھی میرے بہت قریبی تعلقات تھے۔ یہ سارا خاندان اخلاص اورمحبت کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔

جدہ ایئر پورٹ سے ہم ان دوستوں کی معیت میں روانہ ہوئے ۔شام کا وقت تھا۔سارا جدہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ہم عزیز طاہر سفیر کے ہاں جا کر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کی بیگم نے پرتکلف کھانا تیار کیا ہوا تھا۔اچھی بیوی بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔محترم ملک بشیر الدین صاحب اورعزیز طاہر سفیر کواللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے وافر حصہ عطا کر رکھا ہے۔

جدہ ایک خوبصورت، ماڈرن اور پرفضا شہر ہے۔فلک بوس عمارات،کشادہ سڑکیں اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں سے لمبی Marine Drive جدہ کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں۔شہر میں متعدد جگہ بڑے خوبصورت شاپنگ مالز بھی ہیں۔

اگلے دن محترم ملک بشیر الدین صاحب اورمحترم طاہر سفیر صاحب نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ ہم عمرہ کیلئے عصر کے بعد جدہ سے روانہ ہوں تا عمرہ نسبتاً ٹھنڈے وقت میں کرلیا جائے۔عصر کی نماز پڑھ کر ہم نے غسل کئے اوراحرام باندھ لئے۔ملک صاحب اور ان کے ساتھی بشمول طاہر سفیر صاحب اور ان کی فیملیوں کے ایک قافلہ کی صورت میں کاروں میں جانب مکہ روانہ ہوگئے۔ میں اور میری بیوی ملک صاحب کی کار میں سوار

ہوئے۔ڈاکٹر عبدالوحید خان۔تنیو اور باقی افراد دوسری کاروں میں سوار ہو گئے۔روانگی سے قبل اجتماعی دُعا ہوئی اور قافلہ سوئے حرم روانہ ہوا۔ملک صاحب راستہ کے مقامات پر رواں تبصرہ کر رہے تھے۔ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ کی فضل سے لگ بھگ دو درجن مرتبہ عمرہ اور متعدد مرتبہ حج کرنے کی توفیق ملی ہے اس لئے معلومات کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔مکہ معظّمہ جدہ سے 45 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ایک زمانہ تھا کہ یہ فاصلہ اونٹوں پر اور پیدل طے کیا جاتا تھا اور مسافروں کو مکہ پہنچنے تک کم از کم دو دن درکار ہوتے تھے لیکن اب کشادہ ائر کنڈیشنڈ خوبصورت موٹر کاروں کی بدولت یہ فاصلہ 45 منٹ میں طے ہو جاتا ہے۔

قافلہ روانہ ہوا تو ہم نے اونچی آوازوں سے تلبیہ یعنی **الھم لبیک** بآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔چونکہ ہماری کاریں سعودی نمبر پلیٹس والی تھیں اس لئے ہمیں کسی جگہ چیکنگ وغیرہ کیلئے نہ روکا گیا اور ہم مکہ معظّمہ میں داخل ہو گئے۔جلد ہی ہمارا قافلہ حرم شریف سے چند قدم کے فاصلہ پر واقع Kaki Hotel کے سامنے رُک گیا۔ ہمارے قیام کا اسی ہوٹل میں انتظام تھا۔اس ہوٹل میں چھ منزلہ لفٹ کی بھی سہولت موجود ہے۔ائر کنڈیشنڈ ہے اور ہر لحاظ سے آرام دہ ہے۔سامان ہوٹل میں رکھا، دوبارہ غسل کئے اور احرام باندھ کر جانب حرم روانہ ہوئے۔شام ہو چلی تھی اور حرم روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔رات میں دن کا سا سماں بندھا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ہم روشنیوں کے ایک وسیع سمندر کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ دل شوق سے دھڑک رہے تھے اور زبان پر درود و سلام کا ورد تھا۔حدیث میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی جو دعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔میں بھی دل میں دعاؤں کا ایک ذخیرہ لئے حاضر ہو رہا تھا، سمجھ میں نہ آتا تھا کیا مانگوں اور کیا نہ مانگوں۔میں تو ہر دم محتاج، بے بس اور تہی دامن ہوں جسے قدم قدم پر مولیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔سوچوں میں

غلطاں جب خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی تو بدن پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی۔ دل اُبل پڑا اور آنکھیں پانی برسانے لگیں۔ ایک عجیب سرور کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس وقت مجھے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح اوّل کا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ جب ان کی خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی تو انہوں نے اپنے مولیٰ کریم سے دعا کی کہ یا اللہ! میں تو ہر دم تیری مدد کا محتاج ہوں اور میرا دل دعاؤں کا ایک خزانہ لئے ہوئے ہے۔ اس لئے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ میں جب بھی تجھ سے کوئی دعا کروں، تو اسے قبول فرما کہ میں فقیر ہوں اور تو غنی ہے۔

چنانچہ میں نے یہی دعا کی اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ دعا قبول ہوگی۔ حرم شریف کے پانچ دروازے ہیں، جس دروازہ سے چاہیں داخل ہوسکتے ہیں۔ ہمارا ہوٹل باب عبدالعزیز کی سمت میں تھا اس لئے ہم اسی دروازہ سے اندر داخل ہوئے۔ دعائیں پڑھتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے ہم خانہ کعبہ کے قریب جا پہنچے۔ قدموں کے نیچے نہایت آرام دہ، خوبصورت اور ٹھنڈا سنگ مرمر کا فرش تھا جو گرمی کی شدت میں بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد کنکریوں کا فرش ہوتا تھا جو گرمی میں انگارے بن جاتے تھے اور اکثر طواف کرنے والوں کے پاؤں زخمی ہو جایا کرتے تھے۔

خانہ کعبہ کے گرد طواف کا منظر بہت رقّت آمیز تھا۔ ہر آنکھ پُرنم تھی۔ درود وسلام کی آوازیں مسحور کن موسیقی کی طرح کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ ہم مطاف میں داخل ہو گئے اور حجر اسود والے کونے پر پہنچے۔ حجر اسود کے بالمقابل ایک سبز رنگ کی لکیر ڈالی گئی ہے جہاں سے طواف کا آغاز ہوتا ہے۔ دن ہو یا رات ہو، چوبیس گھنٹے چار پانچ سو افراد کا ہجوم مستقلاً طواف میں رہتا ہے۔ شام اور رات کو یہ ہجوم بڑھ جاتا ہے۔

ہم بھی حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ہاتھ کے اشارہ سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا ممکن نہ تھا۔اختتام طواف پر برادرم ملک بشیر الدین صاحب نے کہا کہ آئیں میں آپ کو حجر اسود کا بوسہ کراتا ہوں۔ ملک صاحب ایک مضبوط جسم کے انسان ہیں۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر حجر اسود کے پاس لے گئے اور میرا سر حجر اسود کے خول کے اندر کر دیا اور خود دونوں ہاتھوں سے میرے سر کے اوپر حلقہ بنائے رکھا۔ میں نے جی بھر کر بوسہ لیا اور خدا کا شکر ادا کیا اور اس بات پر دل خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا کہ آج دنیا میں اور کوئی چیز ایسی موجود نہیں جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک نے چھوا ہو لیکن یہ بات یقینی ہے کہ حجر اسود کو آپ نے بار ہا چوما تھا اور اس پر اپنے لب رکھنا گویا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو چومنے کے مترادف تھا۔اس خیال نے میرے دل میں ایک خاص سرور پیدا کیا۔

طواف میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔اس دوران عربی اور اپنی زبان میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ملک بشیر الدین صاحب یہاں بھی ہمارے لئے ایک نعمت ثابت ہوئے انہیں عربی زبان میں ہر چکر کی دعا زبانی یاد تھی اس لئے وہ اونچی آواز میں دعا پڑھتے جاتے تھے اور ہم ان کے ساتھ دہراتے چلے جاتے تھے۔طواف کے وقت قبولیت دعا کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ہم نے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کیلئے، اپنے والدین، دوست احباب اور امت مسلمہ کیلئے خاص دعائیں کیں۔دوران طواف بعض رقّت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ایک افریقن خاتون جو چلنے پھرنے سے معذور تھیں زمین پر رینگ رینگ کر طواف کر رہی تھی۔ یہ منظر بہت غمناک تھا۔

سات چکر لگانے سے طواف مکمل ہوجاتا ہے۔جس کے بعد مقام ابراہیم کے نزدیک

دورکعت نفل پڑھنا، سنتِ نبوی میں شامل ہے۔ ہم نے بھی دورکعت نفل پڑھے اور پھر سنت نبویؐ کے مطابق پیٹ بھر کر زمزم کا پانی پیا۔

زمزم کے پانی سے خوب سیر ہو جانے کے بعد تازہ دم ہو کر سعی کیلئے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کی طرف چل پڑے۔ حجرِ اسود کے بالمقابل کچھ فاصلہ پر باب الصفا ہے جہاں سے داخل ہو کر صفا اور مردہ پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگانے ضروری ہیں۔ پہلا چکر صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت حاجیوں کے پاؤں زخمی ہو جایا کرتے تھے کیونکہ راستہ کنکریوں سے گرم ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب ایک تو اس پر چھت ڈال کر راستہ کو ائر کنڈیشنڈ کر دیا گیا ہے، دوسرے فرش ٹھنڈے سنگ مرمر سے بنا دیا گیا ہے۔

سعی کے دوران بھی خوب دعائیں کرنے کے مواقع ملے۔ ہم نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ جو بھی خدا سے مانگنا تھا، مانگ لیا۔ ڈاکٹر عبدالوحید خان صاحب اور میرے دوسرے ساتھیوں کی بھی حالت شدید رقّت سے غیر تھی۔ ہمایوں، مدیحہ اور عالیہ کیلئے یہ ایک نہایت ایمان افروز اور دلچسپ تجربہ تھا۔

سعی کے اختتام پر ہم نے سنت نبویؐ کے مطابق بال کاٹے اور یوں عمرہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اختتام پذیر ہوا۔ اگلے چند دن جب تک ہم مکہ میں مقیم رہے۔ ہمیں مزید عمروں کی بھی توفیق ملی۔

اس عمرہ کے دوران اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہم پر یہ ہوا کہ دمام سے برادرم شاہد احمد بنگالی صاحب بھی عمرہ کیلئے آئے ہوئے تھے۔ شاہد صاحب دمام میں ہی ایک فیکٹری

کے منیجر ہیں۔(اب سعودی عرب چھوڑ کر جا چکے ہیں)مخلص احمدی ہیں، کئی بار عمرہ اور حج کر چکے ہیں۔عربی زبان بھی خوب بولتے ہیں۔ان کا وجود ہمارے لئے فرشتۂ رحمت سے کم نہ تھا۔وہ بھی ہمارے ہی ہوٹل میں مقیم تھے اور چونکہ کئی بار حج وعمرہ کی سعادت پا چکے تھے اس لئے ہمارے لئے نہ صرف بہترین گائیڈ ثابت ہوئے بلکہ ہماری خدمت اور مہمانوازی میں بھی انہوں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ان کی بیگم صاحبہ ہماری بیگمات کے ساتھ خوب گھل مل گئیں اور یوں ہم نے انکی قیادت میں مکہ معظّمہ کے تمام تاریخی مقامات کی نہ صرف سیر کی بلکہ ان کی کمنٹری سے بھی محظوظ ہوتے رہے۔

غار حرا مکہ سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔سلیمہ اور میرے لئے اس عمر میں غار حرا کی چڑھائی چڑھنا ممکن نہ تھا۔کاش ہم نے جوانی میں عمرہ کیا ہوتا تو اس مقدس مقام پر بھی ضرور جاتے۔لیکن ڈاکٹر عبدالوحید صاحب اور انکے بچوں نے شاہد صاحب کے ساتھ نماز فجر کے بعد غار حرا جانے کا پروگرام بنایا۔شاہد صاحب پہلے بھی کئی بار غار میں عبادت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

پانی کی بوتلیں یہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔غار حرا وہ مقدس مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آخری شریعت کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نزول ہوا۔

ڈاکٹر عبدالوحید صاحب،نینو اور بچے جب غار حرا سے واپس آئے تو اُن کے چہرے خوشی اور مسرت سے چمک رہے تھے اور یوں لگتا تھا کہ گویا انہیں ایک انمول خزانہ ہاتھ آیا ہے۔

مکہ معظّمہ میں جو مشہور زیارات ہیں ان میں مولد النبی ﷺ شامل ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔اب اس جگہ ایک مدرسہ قائم ہے۔مکہ سے چند

میل باہر غارثور ہے جہاں حضورﷺ نے ہجرت کے دوران تین راتیں کاٹی تھیں۔اس تک پہنچنے کا راستہ انتہائی دشوار گذار ہے۔پچھلے سال چند حاجی اوپر چڑھتے ہوئے گر کر شہید ہو گئے تھےاس لئے اب گورنمنٹ نے اوپر چڑھنے کی ممانعت کر دی ہے۔ہم نے اس کے دامن میں کھڑے ہو کر دعائیں کیں۔میدان عرفات بھی گئے۔

مکہ میں چند دن قیام کے بعد ہم ٹیکسیوں میں مدینۃ النبیؐ روانہ ہو گئے۔ہم علی الصبح مکہ سے روانہ ہو کر ظہر کی نماز کے وقت مدینہ منورہ جا پہنچے۔سارا راستہ یوں لگتا تھا گویا ہم پتھروں کے کھیتوں سے گذر رہے ہیں۔سڑک نہایت کشادہ اور ٹیکسیاں آرام دہ وایر کنڈیشنڈ ہیں۔

مدینہ پہنچے تو برادرم عبدالرزاق صاحب کو اپنا منتظر پایا۔انہوں نے مسجد نبوی کے بالکل قریب ہمارے لئے ایک ہوٹل میں کمرے بک کروائے ہوئے تھے۔ہم سیدھے وہاں پہنچے۔عبدالرزاق صاحب پچھلے اٹھارہ سال سے مدینہ میں ہیں جہاں ان کا وسیع کاروبار ہے۔اخلاص اور محبت کے پیکر ہیں۔جاتے ہی کہنے لگے کہ آپ کی صرف رہائش ہوٹل میں ہوگی،کھانا میں لایا کروں گا۔میرے انتہائی اصرار کے باوجود بھی وہ اس بات پر رضامند نہ ہوئے کہ ہم کھانا ہوٹل سے کھایا کریں۔فجزاﷲاحسن الجزاء۔(یہ اب سعودی عرب میں نہیں ہیں)

عبدالرزاق صاحب نے فرمایا آپ غسل کر لیں اور تھوڑی دیر آرام کریں،میں ایک دو گھنٹہ میں آجاؤں گا اور آپ سب کو مسجد نبوی لے جاؤں گا۔ہم جلد ہی تیار ہو کر بیقراری کے ساتھ عبدالرزاق صاحب کا انتظار کرنے لگے۔دل روضۂ مبارک پر حاضری کیلئے بے قرار تھا۔عمر بھر کی تمناؤں،دعاؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کا وقت اب قریب تر تھا۔

مدینہ منوّرہ مکہ معظّمہ کی نسبت کہیں زیادہ شاداب اور زرخیز ہے۔موسم بھی مکہ کی نسبت

زیادہ خوشگوار ہے اور رات کو چادر یا کمبل کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

عبدالرزاق صاحب تشریف لائے اور ہمارا قافلہ مسجد نبوی پہنچا۔ نماز عصر ہو چکی تھی۔ چونکہ ہماری تعداد کافی تھی اس لئے میں نے نماز عصر پڑھائی جس میں اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ فالحمدللہ۔ مسجد نبوی کی حال ہی میں توسیع ہوئی ہے۔ اس کی ظاہری شان وشوکت دیدہ زیب ہے۔

مسجد نبوی کو دیکھنے کے بعد ہم سب احباب ومستورات روضۂ اطہر پر حاضری دینے کیلئے چل پڑے۔ اس وقت کی کیفیت کا اظہار الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ قریب پہنچے تو لوگوں کا اژدہام تھا۔ روضۂ مبارک کے سامنے پہنچ کر ہم نے لمبی دعائیں کیں۔ وقت کا احساس جاتا رہا اور غالبًا ہم قریباً ایک گھنٹہ کھڑے ہو کر اپنے آقا ومولیٰ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہے۔

مدینہ منورہ قیام کے دوران پانچوں نمازیں اور تہجد مسجد نبوی میں پڑھنے کی توفیق ملتی رہی۔ فالحمدللہ۔ روضۂ اطہر پر متعدد بار حاضری دی، دعائیں کیں اور درود وسلام پیش کئے۔

اگلے چند دن ہم نے دیگر زیارات میں گذارے جن میں میدان احد، مسجد قبا، مسجد قبلتین اور خندق کے مقام کی مساجد شامل ہیں۔

میں نے اپنے تمام عمروں کے سفر پر ایک الگ کتاب لکھی ہے۔ اس میں زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات درج کئے ہیں اس لئے یہاں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔

یہاں ایک ایمان افروز واقعہ بھی درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو میرے بچوں کیلئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہونا چاہئے۔ نیز اس سے انہیں یہ سبق ملنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف دعاؤں کو سنتا ہے بلکہ انہیں قبول بھی کرتا ہے اور اسطرح اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچاتا ہے

کہ وہ اپنے بندوں سے تعلق قائم کرکے اپنی ہستی کا زندہ ثبوت مہیا کرتا ہے۔

عمرہ پر روانہ ہونے سے قبل مجھے ایک تکلیف دہ بیماری کا سامنا تھا۔ 1978ء کے آخر میں مجھے شدید depression اور acute anxiety کا دورہ پڑا پھر آہستہ آہستہ ان attacks کی frequency بڑھنی شروع ہوئی۔ جب گھبراہٹ اور شدید depression کا حملہ ہوتا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کسی پل چین حاصل نہ ہوتا تھا۔ گھبراہٹ میں ادھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا کرتا تھا۔ لیکن یہ خوفناک گھبراہٹ مجھے بار بار لاچار کر دیتی تھی۔ جب یہ بیماری بہت بڑھ گئی تو میں نے ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو انہوں نے Anti Deprecent ادویات دیں لیکن ان سے سوائے اس کے کچھ غنودگی طاری ہو جاتی تھی اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ ہومیوپیتھی اور یونانی ادویات بھی استعمال کیں لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' والی کیفیت ہوگئی تھی۔ اس بیماری نے مجھے اسقدر خوفزدہ کر دیا کہ میں اکیلے باہر جانے یا سفر پر جانے سے گھبراتا تھا۔ بند کمروں سے شدید گھٹن محسوس کرتا تھا۔ حملہ شام کو ہوتا اور تمام رات جاگ کر یا باہر سڑک پر نکل کر ٹہلنے گذرتی تھی۔ میری بیوی بھی میری اس بیماری کی وجہ سے سارا وقت میری نگہداشت میں گذارتی تھی۔

جس سال میں عمرہ پر جا رہا تھا میں نے دل میں یہ عہد کیا کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑھتے ہی اور بعد میں طواف وسعی کے دوران میری دعاؤں کا مرکز اس بیماری سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ جب ہم مکہ معظّمہ پہنچے تو میں نے اپنی بیوی سے بھی درخواست کی کہ میرے لئے خاص دعا کرنا کہ میں اب اس بیماری سے بہت تنگ آ چکا ہوں اور لاچار ہوں۔ میں نے خود بھی بڑے تضرع اور رقت کے ساتھ طواف وسعی کے دوران اور پھر مسجد نبویؐ میں اور

روضۂ اطہر پر حاضری کے دوران اس مرض سے نجات کیلئے خصوصی دعائیں کیں۔

عمرہ سے فراغت کے بعد ہم پاکستان چلے گئے اور وہاں سے چند روز کے بعد قادیان بھی حاضری دی۔ وہاں بیت الدعا میں ایک رات پھر مجھے بڑے درد کے ساتھ دُعاؤں کی توفیق ملی۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کروں کہ میرے پاس اس کے لئے الفاظ نہیں ہیں کہ اگلے دن میں نے قادیان میں خواب دیکھا کہ ایک شخص نے مجھے کہا؛ تمہاری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔ اب تمہیں کبھی گھبراہٹ کا حملہ نہ ہوگا۔ میں نے سلیمہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دن کے بعد سے مجھے کبھی گھبراہٹ یا depression کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

سلیمہ اس بات کی گواہ ہے کہ میرے دل کے بائی پاس اپریشن سے پہلی رات کو ہسپتال میں مجھے نرس نے ایک گولی کھانے کیلئے دی۔ میں نے اس سے پوچھا یہ گولی کس لئے ہے؟ اس نے بتایا کہ اپریشن کی رات سب کو بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ گولی گھبراہٹ دور کرتی ہے، اس سے تمہیں نیند بھی آجائے گی۔ میں نے اسے کہا مجھے ہرگز کوئی گھبراہٹ نہیں ہے اور میں نے وہ گولی نہیں کھائی اور آرام کی نیند سو گیا۔ اپریشن سے کچھ دیر قبل جب مجھے سٹریچر پر لٹایا ہوا تھا اور میں نرس سے باتیں کر رہا تھا تو اس نرس نے مجھ سے کہا کہ لوگ تو ایسے وقت میں بہت گھبراہٹ کا شکار ہیں لیکن تمہیں تو کوئی گھبراہٹ نہیں ہے! اس وقت برادرم کرنل نذیر احمد صاحب بھی میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑ کر سہلایا اور تسلی دی۔ مجھے تو اب یاد نہیں کیونکہ مجھ پر بیہوشی کا کچھ دور شروع ہو چکا تھا، لیکن بعد میں برادرم نذیر احمد نے مجھے بتایا کہ

تم نے اس وقت حضرت مصلح موعودؓ کا یہ شعر پڑھا تھا:

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

میں اپنے بچوں کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی بھی دعاؤں سے غفلت نہ برتنا۔دعا میں بڑی قوت ہے۔دعا دلوں کی سکینت اور اطمینان کا باعث ہے۔اس کے ذریعہ بڑی سے بڑی مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔رات ہو یا دن ہو،دعا کرنے میں بڑی برکت ہے۔ضروری نہیں کہ اونچی آواز میں یا زبان ہلا کر ہی دعا کی جائے بلکہ دل کو اسطرح بنانا چاہئے کہ وہ ہر وقت ہی دعا میں لگا رہے۔جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔

دست درکار و دل بایار

یعنی انسان اپنے کام کاج میں لگا رہے لیکن دل کو اپنے یار یعنی اپنے اللہ کی یاد سے معمور رکھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ جب پہلا Astronaut خلاء میں گیا تو میں سارا دن اس کی بسلامت واپسی کیلئے دعاؤں میں لگا رہا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر چہ زبان سے تو ہر وقت دعائیں نہیں کر رہا تھا لیکن دل ہمہ وقت اس کی بخیریت واپسی کیلئے دعاؤں سے معمور تھا۔

اللہ کرے کہ ہمارے دل ودماغ ہمیشہ دعاؤں سے مالا مال رہیں۔آمین۔

چولہ حضرت بابا نانک صاحب کی زیارت

1991ء میں قادیان میں جماعت احمدیہ کے ایک سوویں جلسہ سالانہ کا انعقاد ہوا۔ اس مبارک تقریب میں شرکت کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بھی بطور خاص تشریف لے

گئے تھے۔حضورؒ نے اپنے ساتھ جانے کیلئے جس قافلہ کو ترتیب دیا اس میں اس عاجز کو بھی شامل فرمایا اور یوں خاکسار کو اس تاریخی مقدس سفر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔تاریخ مقررہ پر ہم لوگ حضورؒ کی معیت میں دہلی کیلئے روانہ ہوئے۔وہاں چند روز قیام کے بعد بذریعہ ٹرین امرتسر اور بٹالہ سے ہوتے ہوئے ہم قادیان پہنچے۔ پارٹیشن کے بعد یہ کسی خلیفۃ المسیح کا پہلا سفر قادیان تھا۔اس لئے ہر کسی کیلئے،یعنی حضورؒ اور آپ کے قافلہ اور قادیان کے رہنے والوں کیلئے یہ ایک نہایت جذباتی سفر تھا۔میں پارٹیشن کے بعد متعدد مرتبہ قادیان کی زیارت کر چکا تھا لیکن اس سفر کی بات ہی کچھ اور تھی۔پاکستان سے بھی ہزاروں احمدیوں کو اس جلسہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔دنیا بھر سے بھی کئی ہزار احمدی اس تاریخی جلسہ میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے تھے۔اس سفر کے مفصل حالات پر برادرم ہادی علی چوہدری ایک کتاب لکھ چکے ہیں اور میرا کام یہاں تاریخ بیان کرنا نہیں۔اس لئے تفاصیل کو چھوڑتے ہوئے چولہ حضرت بابا نانک صاحب کی زیارت کے موضوع پر آتا ہوں۔

قادیان کے جلسہ کے بعد ایک دن میں نے مکرم فضل الٰہی خان صاحب مرحوم جو نظارت امور عامہ قادیان کے کارکن اور درویش تھے،سے ذکر کیا کہ کیا میرے لئے یہ ممکن ہے کہ اگر حضورؒ اجازت عطا فرماویں تو ڈیرہ بابا نانک جا کر حضرت بابا نانک کے متبرک چولہ صاحب کی زیارت کر سکوں۔انہوں نے فرمایا کہ اس کا انتظام تو ہو سکتا ہے لیکن اصل چولہ صاحب دیکھنا ممکن نہیں۔اصل چولہ ایک شیشہ کے Casket میں بند ہے جس پر قیمتی رومال پڑے ہیں۔جو سکھ امراء بطور خاص چولہ صاحب کے Casket پر رومال ڈالنے کیلئے لاتے ہیں صرف انہیں ہی اس Casket کی زیارت کرائی جاتی ہے۔چولہ صاحب

چونکہ پانچ سوسالہ پرانا ہےاس لئے بھی اسے کھولا نہیں جاتا کہ کہیں یہ خراب نہ ہو جائے۔

میں نے اُن سے عرض کیا کہ یہ وہ تاریخی اور مقدس چولہ صاحب ہے جسے دیکھنے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ نے بمع اپنے دس صحابہ کے 30 ستمبر 1895ء کو ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے تھےاس لئے اگراس کو Casket کے باہر ہی سے بھی دیکھ لیا جائے تو بہت ثواب کا موجب ہوگا۔

اگلے دن خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں درخواست دے دی کہ خاکسارکواور مکرم فضل الٰہی خان صاحب کو چولہ صاحب کی زیارت کیلئے ڈیرہ بابا نانک جانے کی اجازت عطا کی جائے۔حضورؒ نے خاکسار کی درخواست کو نہ صرف منظور فرمایا بلکہ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ناظر اعلیٰ قادیان کو ہدایت فرمائی کہ اس سلسلہ میں مناسب انتظام کر دیا جائے۔اگلے دن مکرم ہادی علی صاحب چوہدری نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔چنانچہ ہم موٹر کار میں علی الصبح ڈیرہ بابا نانک کیلئے روانہ ہو گئے۔مکرم فضل الٰہی خان صاحب نے بٹالہ سے حضرت گورونانک دیو جی کی نسل سے تعلق رکھنے والے ایک سکھ ایڈووکیٹ صاحب کو بھی ساتھ لے لیا اور اسطرح ہمارا قافلہ گیارہ بجے صبح کے لگ بھگ ڈیرہ بابا نانک جا پہنچا۔قبل اس کے کہ میں آگے کے حالات بیان کروں،مناسب ہوگا کہ چولہ صاحب کے بارہ میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

سکھوں کی مقدس کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت بابا نانک صاحب کو ایک چولہ آسمان سے ملا تھا جس پر آسمانی عبارت درج تھی اور باباصاحب اسے اکثر پہنا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ مقدس چولہ محفوظ کر لیا گیا جو آج تک ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔اس کی زیارت کیلئے صدہا سال سے سکھ زائرین دُور دُور سے ڈیرہ

بابا نانک جاتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سکھوں پر جب بھی کوئی مشکل وقت آتا ہے تو اس مقدس چولہ صاحب کو سر پر رکھ کر دعائیں کرتے ہیں، جو قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہیں۔

یہ چولہ صاحب آج بھی سکھوں کیلئے بالخصوص اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے لئے بالعموم مذہبی عقیدت کا حامل ہے۔ ہر سال اس پر میلہ لگتا ہے اور لاکھوں سکھ اسکی زیارت کیلئے اور اس سے برکت کے حصول کیلئے جاتے ہیں۔ چولہ صاحب کو ایک محفوظ کمرہ میں رکھا گیا ہے۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے احباب کے ساتھ اس کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے تو حضور علیہ السلام کی درخواست پر یہ چولہ انہیں کھول کر دکھایا گیا جو ایک غیر معمولی بات تھی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اپنی کتاب ست بچن میں اسکا حوالہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

> ''درحقیقت یہ نہایت ہی مبارک کپڑا ہے جس میں بجائے زری کے کام کے آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی ہیں''

پھر فرماتے ہیں:

> ''ہم نے جب دیکھنا چاہا تو اوّل انہوں نے لپٹا ہوا کپڑا دکھایا مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار تھا جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور پشت پر ایک اور باریک کپڑا اچڑھا ہوا تھا اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو ارجن صاحب نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بنوا کر اس پر لگایا تھا اور بیان کرنے والا ایک بوڑھا بیدی بابا صاحب (نانک) کی اولاد میں سے تھا جو چولا صاحب کو دکھلا رہا تھا اور اس نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اس

پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔
تب ہم نے بہت اصرار سے کہا کہ وہ ''قدرتی حروف'' ہم دیکھنا چاہتے ہیں جو خاص پر میشر کے ہاتھ کے ہیں اور اسی لئے ہم دُور سے آئے ہیں تو پھر اُس نے تھوڑا سا اٹھایا۔ جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہایت خوشخط قلم سے لکھا ہوا تھا اور پھر اس بڈھے نے چاہا کہ کپڑے کو بند کرے اور پھر اس سے بھی زیادہ اصرار کیا گیا اور ہر ایک اصرار کرنیوالا ایک معزز شخص تھا اور ہم اس وقت غالبًا بیس کے قریب آدمی ہوں گے اور بعض اسی شہر کے معززین تھے، جو ہمیں ملنے آئے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ پھر اٹھایا تو ایک گوشہ نکلا جس پر موٹے قلم سے بہت جلی اور نہایت خوشخط لکھا تھا؛ **لا الـه الاالله محمد رسول الله.**
پھر اس بڈھے نے بند کرنا چاہا مگر فی الفور شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی نے مبلغ تین روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے جن میں سے دو روپے اُن کے اور ایک روپیہ مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا اور شیخ صاحب اس سے پہلے بھی چار روپے دے چکے تھے۔ تب اس بڈھے نے ذرا پردہ اٹھایا ایک دفعہ ہماری نظر ایک کنارہ پر جا پڑی جہاں لکھا تھا؛ **ان الـدين عندالله الاسلام.** یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے کو کچھ قبض خاطر ہوگئی تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے یہ دو روپے اخویم حکیم مولوی نور الدین کی طرف سے تھے اور پھر اسکے خوش کرنے کیلئے شیخ صاحب نے چار روپے اور اپنی طرف سے دے دیئے اور ایک اور روپیہ ہمارے ایک مخلص کی طرف سے دیا۔ تب چودہ روپے پاکر وہ بڈھا خوش ہوگیا اور ہم بے

تکلف دیکھنے لگے یہاں تک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے اٹھا دیئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا؛ **اشھد ان لا الــه الا الـلــه واشھد ان محـمداً عبدہ ورسولہ.** پھر شیخ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ صاحب کے اندر کچھ گرد وغبار سا پڑا ہے۔ انہوں نے تب بڈھے کو کہا کہ چولہ صاحب کو اس گرد سے صاف کرنا چاہئے لاؤ ہم یہ صاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اٹھا دیں اور ثابت ہو گیا کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے اور کسی جگہ سورۃ اخلاص اور کسی جگہ قرآن کی یہ تعریف تھی کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اس کو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگائیں۔''

(ست بچن صفحہ 32)

ہمارا قافلہ جب ڈیرہ بابا نانک پہنچا تو اس مقدس کمرہ کے باہر جس میں چولہ صاحب کو رکھا گیا ہے، ہماری ملاقات سردار انوپ سنگھ صاحب بیدی سے ہوگئی۔ سردار صاحب حضرت گورو بابا نانک صاحب کی اولاد میں سے ہیں اور ان دنوں چولہ صاحب ان کی تحویل میں ہے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ ہم نے آنے کی غرض بیان کی تو انہوں نے بخوشی ہمیں چولہ صاحب کا Casket دکھانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ پہلے تو بیدی صاحب کو کیمرہ اندر لے جانے پر انقباض ہوا لیکن پھر مان گئے۔ ہم نے جوتیاں اُتاریں اور کمرہ کے اندر داخل ہو گئے۔ کمرہ میں ایک طرف ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر قیمتی چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ اس چبوترہ پر ایک شیشے کا Casket قیمتی رومالوں میں ڈھکا پڑا تھا۔ بیدی صاحب اور ان کے چند سکھ ساتھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ ہم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور بہت تضرع کے ساتھ حضرت گورو بابا نانک صاحب کیلئے اور اس قوم کے اسلام کی آغوش میں آنے کیلئے

بڑی رقت کے ساتھ لمبی دعا کی، جس میں سجدہ سے اٹھنے کے بعد سکھ حضرات بھی شامل ہو گئے۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد اور بیدی صاحب کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کرنے کے بعد میں نے ان سے درخواست کی کہ ہم انگلستان سے اتنی دور چل کر آئے ہیں کہ اس مقدس چولہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور اس سے برکت حاصل کر سکیں۔ صرف Casket کو دیکھنے سے تو ہماری مراد پوری نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہماری پیاس بجھ سکتی ہے اس لئے مہربانی فرماویں اور چولہ صاحب کو باہر نکال کر اس کی زیارت کرا دیں۔ بیدی صاحب نے پہلے تو معذرت کا اظہار کیا اور کہا کہ چولہ صاحب کو اس Casket سے باہر نکالنا ناممکن ہے لیکن ہمارے اصرار پر ان کا دل پگھل گیا۔ درحقیقت تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو نرم کر دیا اور انہوں نے کمرے کے دروازے بند کر کے بڑے ادب اور احترام اور دعاؤں کے ساتھ Casket کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے کھولا۔ تب ہمیں چولہ صاحب نظر آیا۔ بیدی صاحب نے مزید ہم پر یہ احسان کیا کہ چولہ صاحب کو پورا کھول دیا۔ ہمارے لئے یہ لمحہ بہت جذباتی تھا کہ یہ وہ مقدس کپڑا تھا جو حضرت گورونانک رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس جسم کے ساتھ سالوں سال لگا رہا تھا اور اس پر قرآنی آیات اس بات کا حتمی ثبوت تھے کہ آپ ایک متقی بزرگ تھے اور عاشق قرآن تھے۔ خیر ہم نے قریب سے جب چولہ صاحب کو دیکھا تو اس پر کلمہ اور دیگر آیات قرآنی اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص درج تھے۔ مکرم ہادی علی صاحب نے ان آیات کو نوٹ کیا اور برادرم سعید احمد جسوال صاحب نے اس چولہ اور اس پر درج قرآنی آیات کو کیمرہ کی آنکھوں سے محفوظ کر لیا۔ فالحمد للہ۔

زیارت سے فارغ ہو کر باہر آئے تو میں نے بیدی صاحب سے پوچھا کہ یہ چولہ بابا صاحب کے پاس کیسے آیا۔ انہوں نے فرمایا روایات میں آتا ہے کہ یہ چولہ آسمان سے اترا

تھا اور بابا صاحب کو دیا گیا تھا اور بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ نے یہ چولہ بنوا کر بابا صاحب کو پیش کیا تھا اور بابا صاحب ہر وقت اسے پہنے رکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ چولہ ان کے جانشینوں کی ملکیت رہا اور ہر گورو جب گورو بنتا تھا تو چولہ صاحب کو اپنے سر پر رکھ کر اس سے برکت حاصل کرتا تھا اور اسطرح پانچ صد سال سے زائد عرصہ سے یہ مقدس چولہ صاحب سکھوں کے پاس بابا صاحب کی امانت کے طور پر محفوظ چلا آتا ہے۔ بیدی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ہر سال لاکھوں سکھ اس کی زیارت کیلئے آتے ہیں جو صرف Casket کی ہی زیارت کرتے ہیں، چولہ صاحب کو ہرگز کھولا نہیں جاتا۔

ہم نے خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ ہمیں اصل چولہ صاحب کو کھلی حالت میں دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فالحمدللہ۔

سردار انوپ سنگھ صاحب بیدی سے میرے تعلقات اس وقت مزید مضبوط ہو گئے جب وہ اگلے سال لندن کے دورہ پر تشریف لائے۔ خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بیدی صاحب کی درخواست برائے ملاقات پیش کی تو حضورؒ نے فرمایا کہ ملاقات کیلئے بھی لے آؤ اور جماعت کی طرف سے ان کے اعزاز میں دعوت کا بھی اہتمام کرو۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر بیدی صاحب اوران کے چند ساتھی حضورؒ کی ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ خاکسار کو بھی اس موقع پر ملاقات کے دوران حاضر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ملاقات سے باہر آ کر بیدی صاحب نے بے اختیار ہو کر فرمایا کہ مرزا کے چہرہ پر ایک عجیب نور، اطمینان اور سکون ہے جو میں نے پہلے کبھی کسی انسان کے چہرہ پر نہیں دیکھا۔

شام کو ان کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر محمود ہال میں دعوت کا انتظام تھا۔ خاکسار نے

اس موقع پر اپنی تقریر میں بیدی صاحب کو خوش آمدید کہا، جس کے جواب میں محترم بیدی صاحب نے بھی تقریر کی اور حضور اقدسؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار بڑے محبت بھرے جذبات کے ساتھ کیا۔ اس موقع پر بہت سارے سکھ احباب بھی موجود تھے۔ بیدی صاحب سے برادرانہ تعلقات کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

سکھ بھائیوں سے تعلقات کے سلسلہ میں مزید ذکر کرتا چلوں۔ 1976ء میں خاکسار کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ قادیان حاضر ہونے کا موقع ملا۔ اس سفر کا مفصل حال اخبار ''بدر'' قادیان میں شائع شدہ ہے۔ جب ہم قادیان سے واپس جانے لگے تو میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے عرض کیا کہ چونکہ میں دربار صاحب امرتسر کی زیارت کرنا چاہتا ہوں اس لئے میں آپ کے ساتھ لاہور واپس نہیں جاسکوں گا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ ہم اکٹھے آئے ہیں اور اکٹھے ہی جائیں گے۔ میں نے بھی ایک زمانہ سے دربار صاحب نہیں دیکھا اس لئے ہم اکٹھے چلیں گے۔ قادیان قیام کے دوران حکومت ہند کے دو مرکزی اور ایک صوبائی وزیر حضرت چوہدری صاحبؓ کی مہمان نوازی کے سلسلہ میں قادیان میں مقیم تھے اور ان میں سے دو سکھ تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اِن سے میری خواہش کا ذکر کیا۔ انہوں نے بڑی خوشی کے ساتھ ہمارے دربار صاحب کی زیارت کے انتظامات کرنے کا وعدہ کیا۔

اگلے دن ہم قادیان سے صبح سویرے روانہ ہو کر پہلے امرتسر کے حکومتی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرائے گئے، جہاں امرتسر کے معززین اور حکام حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات کیلئے جمع تھے۔ 11 بجے قبل دوپہر ہم دربار صاحب کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازہ پر استقبال کیلئے منتظمین موجود تھے جنہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور پھولوں کے ہار

پہنائے۔ایک سکھ منتظم دوست نے گائیڈ کے فرائض سرانجام دیئے۔ہم اس کی معیت میں جوتے اتار کر دربار صاحب کے احاطہ میں داخل ہوگئے۔اندر جا کر گائیڈ نے دربار صاحب کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔

دربار صاحب کا لنگر خانہ اور مہمان خانہ دیکھے۔ ہمارے لئے خاص طور پر اکال تخت کھلوایا گیا جہاں سکھوں نے اپنے دورِ حکومت میں جو نوادرات اکٹھے کئے تھے،ان کی جھلک دیکھی۔گائیڈ صاحب ساتھ ساتھ Running Commentary دیتے جاتے تھے۔

دربار صاحب کی زیارت سے فارغ ہوکر ہم براستہ واہگہ بارڈر پاکستان میں داخل ہو گئے۔

اس سے قبل جب چند بار امرتسر جانا ہوا تو وہاں کا مشہور جلیانوالہ باغ بھی دیکھا، جہاں جنرل ڈائر نے تحریک آزادی کے دوران گولی چلا کر سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔آج بھی ان گولیوں کے نشان دیواروں پر موجود ہیں۔ بھارتی حکومت نے وہاں ایک میوزیم بھی قائم کیا ہے جس میں جلیانوالہ باغ میں ہونے والی بربریت کی تاریخ درج ہے۔جلیانوالہ باغ میں اندھا دھند فائرنگ کر کے انگریزی حکومت نے درحقیقت اپنے خلاف ایک زبردست تحریک کو ہوا دے دی تھی جس نے ہندوستان میں آزادی کا آغاز کر دیا تھا۔

برطانیہ میں سکھ بھائیوں سے ہمارے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔جب حضرت گورو بابا نانک جی کی پانچ سوویں سالگرہ کی تقریبات انگلستان میں منعقد ہو رہی تھیں تو لندن میں ایلنگ ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ کا نعقاد کیا گیا تھا۔اس جلسہ میں ایڈورڈ ہیتھ کو دعوت دی گئی تھی۔اس موقع پر متعدد سکھ لیڈران نے حضرت گورو بابا نانک جی کی مقدس

زندگی پر تقاریر کیں۔مسلمانوں کی طرف سے خاکسار کو دعوت دی گئی تھی کہ حضرت گورو بابا نانک جی کی مقدس زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔خاکسار نے جماعت احمدیہ کی طرف سے سکھ حضرات کو گورو بابا نانک جی کی سالگرہ پر مبارک باد پیش کی اور حضرت گورو بابا نانک جی کی سوانح کے حسین پہلوؤں کو اجاگر کیا جسے سکھ سامعین نے خوب سراہا۔تقریر کے اختتام پر جناب ہائی کمشنر صاحب ہندوستان نے بطور خاص خاکسار کو کامیاب تقریر کرنے پر مبارک باد دی۔جلسہ میں حاضرین کی تعداد 500 سے زائد تھی اس جلسہ کی رپورٹس مقامی اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔

خاکسار نے جب لندن میں سالانہ سیرۃ النبی ﷺ کے جلسوں کا انعقاد کیا تو اس میں سکھ دانشور مقررین ہر سال شامل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے رہے، جس کی رپورٹیں اخبار احمدیہ اور مسلم ہیرالڈ میں شائع ہو چکی ہیں۔

سکھ قوم میں بعض خاص خوبیاں موجود ہیں۔ان میں مہمان نوازی بہت ہے۔ گورودوارہ میں جانے والے زائرین کی خوب خاطر تواضع کرتے ہیں۔دوستی ایک بار کر لیں تو اسے وفاداری سے نبھاتے ہیں۔عمومی طور پر پیشوایان مذاہب کی عزت کرتے ہیں۔

⁂……باب پنجم……⁂

انگلستان میں میرے معاون مبلغین کرام

ابتداء میں جب خاکسار لندن پہنچا تو انگلستان میں صرف مکرم مولود احمد خان صاحب بطور امام مسجد متعین تھے۔خاکسار نے ان کے ساتھ بطور نائب امام 1960ء کے آخر تک کام کیا۔22 اکتوبر 1960ء کو محترم چوہدری رحمت اللہ خان صاحب بطور امام مسجد لندن تشریف لائے۔مکرم مولود احمد خان صاحب انہیں مشن کا چارج دے کر واپس چلے گئے۔خاکسار انکے ساتھ بطور نائب امام 1964ء تک کام کرتا رہا۔1964ء کے اوائل میں مکرم رحمت خان صاحب دل کے عارضہ سے بیمار ہو گئے۔لندن میں مناسب علاج و معالجہ کے بعد انہیں واپس بلا لیا گیا۔22 مارچ 1962ء کو مکرم عبدالحمید صاحب کو انگلستان کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔آپ نے 2 مئی 1963ء تک انگلستان مشن میں خدمات سرانجام دیں۔

محترم چوہدری رحمت خان صاحب 13 اپریل 1964ء کو واپس تشریف لے گئے اور خاکسار نے ان سے مشن کا چارج بطور امام مسجد فضل لندن اور مشنری انچارج برطانیہ سنبھال لیا۔اپریل 1966ء میں مکرم نذیر احمد صاحب حیدر آبادی کو بطور مبلغ لندن بھجوایا گیا۔آپ 13 مئی 1967 تک خاکسار کے ساتھ کام کرتے رہے۔اس دوران آپ بطور مرکزی سیکرٹری مال بھی کام کرتے رہے۔ان کے چلے جانے کے بعد 7 جولائی 1967ء کو

مکرم لئیق احمد صاحب طاہر کوبطور نائب امام لندن بھجوادیا گیا۔آپ 14دسمبر 1970ءتک خاکسار کے ساتھ کام کرتے رہے۔مکرم لئیق احمد صاحب کواس دوران جس خدمت کی توفیق ملی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں متعدد کالجوں اورکلبوں میں اسلام پر تقاریر کرنے کی توفیق ملی۔اخباراحمدیہ کے ایڈیٹر کےطور پربھی کچھ عرصہ کام کیا۔مرکز نے انہیں انگلستان کی مجلس خدام الاحمدیہ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔ان دنوں خاکسار انگلستان کی مجالس خدام الاحمدیہ کا نائب صدر تھا۔مکرم لئیق احمد صاحب طاہر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اطواراوراچھے اخلاق سے بھی متصف ہیں۔احباب جماعت کے ساتھ ان کا گہرااورمضبوط تعلق رہاہے۔خاکساران کےتعاون اوراطاعت گزاری پران کامشکوروممنون رہاہے۔

مکرم عطاء المجیب صاحب راشدایم .اے نے 2ستمبر 1970ء سے 25ستمبر 1973ء خاکسار کے ساتھ کام کیا۔آپ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کےفرزند ہیں، جومیرےاستاداورمحسن تھے۔آپ نےبھی تقاریر کےذریعہ اسلام اوراحمدیت کی تبلیغ کا فریضہ بڑی خوش اسلوبی سےسرانجام دیا۔مشن کے جملہ کاموں میں آپ کا خاکسار کےساتھ مثالی تعاون رہا۔آپ عالم دین اورخوش خلق انسان ہیں۔طبیعت میں انکساری نمایاں ہے۔خاکسار کےساتھ محبت وتعاون کا سلوک کیا۔اللہ تعالیٰ انہیں اسکی بہترین جزاءدے۔آج کل یہ مشنری انچارج برطانیہ وامام مسجدفضل لندن ہیں۔

مکرم میجرعبدالحمید صاحب مرحوم ریٹائر ہونے کے بعد بطور واقف زندگی انگلستان مشن میں 22مارچ 1962ءکوبھجوائے گئے۔ان دنوں مکرم چوہدری رحمت خان صاحب امام تھےاور خاکسار نائب امام تھا۔مکرم میجر صاحب کوسیکرٹری UK مشن ہاؤس مقرر کیا گیا۔آپ کوتبلیغ کا جنون تھااور دفتری کاموں کاوسیع تجربہ حاصل تھاجس کی وجہ سےانہوں

نے مشن کی دفتری کاروائی کو باحسن طریق پر سرانجام دیا۔ آپ 13 اپریل 1964ء کو بطور مبلغ امریکہ، واشنگٹن تشریف لے گئے۔

مکرم عبد الوہاب آدم صاحب 16 اکتوبر 1972ء کو انگلستان تشریف لائے اور خاکسار کے ساتھ بطور نائب امام کام شروع کیا۔ مکرم وہاب آدم صاحب انتھک کارکن ثابت ہوئے۔ اطاعت اور جذبہ کے جوش کے ساتھ آپ نے اس عاجز کیلئے مثالی تعاون کا نمونہ پیش کیا، بالخصوص 1974ء میں جب پاکستان میں جماعت احمدیہ پر خوفناک مظالم اور ابتلاء کو دور آیا۔ مکرم وھاب صاحب نے خاکسار کے ساتھ مل کر نہ دن دیکھا اور نہ رات اور جماعت ہائے پاکستان کی خبروں کو دنیا بھر کے مشنوں تک پہنچایا اور برطانیہ میں پریس وغیرہ میں جماعت احمدیہ کی آواز کو اجاگر کرنے میں بہت محنت سے کام کیا۔ آپ کو انگریزی، اردو اور عربی تینوں زبانوں میں بامحاورہ تحریر و تقریر کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ ''مسلم ہیرالڈ'' میں بھی آپ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آپ 5 دسمبر 1975ء کو انگلستان سے بطور امیر غانا روانہ ہو گئے۔

مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ اکتوبر 1966ء میں برٹش گیانا سے انگلستان بھجوائے گئے اور گلاسکو مشن کا چارج سنبھالا۔ اس سے پہلے اسکاٹ لینڈ آپ کے چارج میں رہا تھا۔ مکرم آرچرڈ صاحب پہلے انگریز مبلغ اسلام تھے۔ خاکسار کے ساتھ مثالی تعاون اور اطاعت کے ساتھ کام کیا۔ ''مسلم ہیرلڈ'' کیلئے مضامین بھی لکھتے رہتے اور احمدیہ گزٹ اسکاٹ لینڈ کے نام سے ایک دوورقہ بھی نکالتے رہے۔ مرحوم نہایت متقی اور ولی اللہ انسان تھے۔ زندگی بے حد سادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم منیر الدین صاحب شمس 2 جولائی 1973ء کو انگلستان تشریف لائے اور ایک لمبے عرصہ تک خاکسار کے ساتھ بطور نائب امام خدمت سلسلہ انجام دیتے رہے۔ آپ کو جماعت احمدیہ برطانیہ کی تعلیم وتربیت اور تنظیم کی خصوصی توفیق ملتی رہی۔ ان دنوں لندن میں ایڈیشنل وکیل التصنیف کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد فضل لندن کے فرزند ہیں۔

مکرم امین اللہ خان سالک صاحب 5 جولائی 1974ء سے 18 مئی 1977ء تک برطانیہ مشن میں کام کرتے رہے۔ آپ کا زیادہ تر وقت یارک شائر میں گزرا۔ ان دنوں امریکہ میں مستقلاً مقیم ہیں۔

مکرم نسیم احمد باجوہ صاحب 15 اکتوبر 1975ء کو انگلستان تشریف لائے اور برطانیہ کی مختلف جماعتوں میں کام کرتے رہے اور اب بھی کررہے ہیں۔ خاکسار کے ساتھ بہت اعلیٰ اطاعت اور تعاون کے ساتھ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

مکرم انیس الرحمٰن بنگالی صاحب 4 جون 1977ء کو انگلستان تشریف لائے اور تین چار سال ہیڈرسفیلڈ مشن کے انچارج رہے۔ بہت خوش طبع اور نیک انسان تھے۔ اب وفات پاچکے ہیں۔

مکرم مبارک احمد ساقی صاحب 22 جولائی 1978ء کو بطور مربی انگلستان مقرر ہوئے۔ اس سے قبل آپ ایک لمبے عرصہ تک لائبیریا کے امیر ومشنری انچارج رہے تھے۔ مکرم مبارک احمد صاحب ساقی نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ طبیعت باغ و بہار تھی۔ خاکسار کے ساتھ مثالی تعاون اور اخلاق کا نمونہ پیش کیا۔ تحریر وتقریر دونوں میں اچھا

کام کرتے رہے۔اب وفات پا چکے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین۔

میں اس بات پر جتنا بھی خدا تعالیٰ کا شکرادا کروں کم ہے کہ اس نے خاکسار کو اتنے بہترین ساتھی عطافرمائے جن کی مدد سے ہم سب نے ایک ٹیم کی طرح جماعت برطانیہ کی خدمت کے فرائض سرانجام دیئے۔ہم بھائیوں کی طرح رہےاور کبھی آپس میں اختلافات کا شکار نہ ہوئے۔فالحمدللہ۔اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزاعطافرمائے۔آمین۔

یادِ رفتگاں

محترم عزیز دین صاحب

ذوق نے کیا خوب کہا ہے:

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

عزیز دین میرے بھائی تھے، میرے دوست تھے، میرے مشفق و ہمدم تھے۔ میرے دکھ سکھ میں شریک تھے، میرے ہمراز تھے، میرے بزرگ اور میرے واعظ تھے۔ ان کا ملنا یقیناً ملاقات مسیحا وخضر سے کم نہ تھا۔ ان کی صحبت صالحین کی صحبت سے کم نہ تھی۔

عزیزی طلعت صاحبہ بنت مکرم برادرم عزیز دین صاحب کی تقریب رخصتانہ تھی۔ مسجد فضل سے ملحقہ محمود ہال اور مسجد کے صحن میں استادہ وسیع وعریض خیمہ احباب سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عزیزہ طلعت کی نسبت عزیز منصور احمد ساقی ابن مبارک احمد صاحب ساقی سے طے پائی تھی اور اس رشتہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ کے دو نہایت مخلص اور احمدیت کے فدائی وشیدائی خاندانوں کو اکٹھا کر دیا۔ میں خیمہ میں کرسی پر بیٹھا حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی آمد کا منتظر تھا۔ بے ساختہ اپنے بھائی، پیارے دوست، مشفق اور مہربان عبدالعزیز دین کی یاد نے طبیعت کو گداز کر دیا۔ آج وہ ہوتے تو اپنی پیاری بیٹی کو خود رخصت کرتے۔ اس بیٹی کو جس کی پیدائش پر میرے بھائی خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ مجھے فون پر اطلاع دی تو ان کی آواز شدت مسرت سے لرز رہی تھی۔ میں نے جا کر عزیزہ طلعت کو دیکھا۔ بھائی کو مبارک باد دی۔ عزیز صاحب کہنے لگے

اب تو مجھے اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیوں سے نوازا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان دو بچوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں جنت میں جگہ دے گا۔ اپنے تمام بچوں کی پیدائش پر محترم عبدالعزیز دین صاحب نے بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا مگر عزیزہ طلعت کی پیدائش برادرم عزیز صاحب کیلئے غیر معمولی مسرت وشادمانی کا باعث ہوئی تھی۔

پیارے عزیز دین بھائی کی کس کس بات کا تذکرہ کروں۔ وہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ دراز قد، خوبرو، مردانہ حسن کا مجسمہ اور جوان رعنا ہونے کے باوجود تقویٰ اور دین داری میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

کا کامل نمونہ تھے۔ بدنظری، خیالات کی پراگندگی اور بدمعاملگی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایک دفعہ مجھے بتایا کہ جنگ عظیم دوم کے ایام تھے۔ میں اپنی بھرپور جوانی میں تھا اور فرنیچر کی ایک دوکان کا مالک تھا۔ ایک خاتون دوکان پر آئیں، کچھ فرنیچر خریدا اور اسے گھر پہنچانے کیلئے اپنا پتہ دے گئیں اور فرنیچر کی قیمت کی ادائیگی بھی گھر پر ہی کرنے کا وعدہ کیا۔ میں اگلے دن مطلوبہ فرنیچر لے کر ان کے پتہ پر گیا تو ایک خوش شکل نوجوان لڑکی گھر سے برآمد ہوئی اور کہا کہ میری والدہ گھر پر نہیں ہیں لیکن فرنیچر کی رقم دے گئی ہیں۔ آپ فرنیچر تہہ خانے میں رکھوا دیں۔ میں نے فرنیچر تہہ خانہ میں رکھ دیا اور قیمت کی ادائیگی کا منتظر ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد یہ لڑکی عریاں حالت میں برآمد ہوئی اور مجھے دعوت نظارہ دینے لگی۔ میں نے جونہی اسے اس حال میں دیکھا میں سرپٹ اوپر کو بھاگا۔ فرنیچر کی قیمت کی بھی پرواہ نہ کی اور اوپر جا کر سڑک پر دم لیا ور وہاں سے سیدھا اپنی دوکان پر پہنچا۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے محض اپنے فضل سے ایک خوفناک ابتلاء سے بچا لیا اور دن

پھر بخشش طلب کرتا رہا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب عزیز صاحب شباب کے جوبن پر تھے۔ایسے بھی لوگ ہیں جو ایسے مواقع پر کہا کرتے ہیں:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

لیکن عزیز صاحب نے قعر دریا میں ہوتے ہوئے بھی دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔حالانکہ یہ وہ دور تھا جب نوجوان مغرب میں آتے ہیں عیاشی اور رنگ رلیوں میں اپنے مستقبل کو بھی داؤ پر لگا دیتے تھے۔عزیز صاحب کو دعوت الی اللہ کا شوق ہی نہیں ،جنون تھا۔دعوت الی اللہ ان کا اوڑھنا بچھونا اور ان کی زندگی کا مقصود تھا۔1961ء میں خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر برائیٹن میں ہفتہ وار تقاریر کا اہتمام کیا اور ایک ہال کرایہ پر لے لیا۔پروگرام میں مستقلاً عزیزدین صاحب کی صدارت اور میری تقریر شامل ہوتی تھی۔ایک بار ایسا ہوا کہ باوجود ہماری پبلسٹی کے مقررہ وقت پر ہال میں کوئی بھی نہ آیا۔جب وقت کچھ زیادہ گزر گیا تو عزیز صاحب فرمانے لگے کہ ہال کے باہر جو بنچ ہے اس پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔آپ اخبار پڑھیں میں راہ چلتے راہگیروں کو گھیر گھار کر ہال میں لے جانے کی کوشش کروں گا اور جب معقول حاضری ہو جائے تو جلسہ کر لیں گے۔چنانچہ میں تو بنچ پر بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔عزیز صاحب ہر گزرنے والے کو دعوت دیتے اور کچھ دور اس کے ساتھ چل کر اسے میٹنگ میں شامل ہونے کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتے۔دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر عزیز صاحب کو کوئی کامیابی نہ ملی۔بالآخر ایک گونگا ، بہرا شخص ملا۔عزیز صاحب اسے لے کر بنچ پر میرے قریب ہی بیٹھ گئے اور مجھے کہنے لگے کہ چلو اور کچھ

نہیں تو اسے ہی دعوت الی اللہ کرتے ہیں۔ مجھ سے اخبار لے کر خالی جگہوں پر عزیز صاحب چند کلمات لکھتے تو گونگا بہرا ان کا جواب لکھ دیتا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ اچانک عزیز صاحب نے ایک خاتون کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ مجھے فرمانے لگے کہ آپ اس کو مصروف رکھیں میں ان خاتون کا لاتا ہوں۔ گونگا بہرہ شخص یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ عزیز صاحب نے اس عورت سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کی بات سننے پر آمادہ نہ ہوئی اور عزیز صاحب تھک ہار کر واپس بنچ پر تشریف فرما ہوئے۔ گونگا بہرا ہوشیار اور سمجھدار تھا۔ جب عزیز صاحب کچھ دیر ستا لئے تو اس نے اخبار کے ایک حصہ پر عزیز صاحب کو لکھ کر دیا کہ:

"You could'nt catch her?"

یعنی آپ اس عورت کو نہیں بلا سکے۔ خیر کچھ مزید خط و کتابت والی گفتگو کے بعد یہ شخص اٹھا اور اخبار پر لکھا:

"I would like to donate 5 pounds to the beautiful work you are doing."

یعنی آپ لوگ جو اچھا کام کر رہے ہیں میں اس کے اعتراف میں 5 پونڈ پیش کرتا ہوں۔ عزیز صاحب نے کہا کہ چلو ہمارا خرچ تو نکل آیا۔ ہال کا کرایہ پانچ پونڈ ہی تھا۔

ایک مرتبہ مجھے عزیز صاحب اولڈ بیلی کی عدالت دکھانے لے گئے۔ ان دنوں وہ کورٹ میں ترجمان کے طور پر کام کیا کرتے تھے۔ اس دن کیس کی سماعت ایک مشہور بدھسٹ جج کر رہے تھے۔ یہ جج اپنی تندئ مزاج کیلئے بہت مشہور تھا۔ کیس کے دوران کافی کیلئے وقفہ ہوا تو اچانک عزیز صاحب دوڑ کر جج کے پاس، جو ریٹائرنگ روم کی طرف جا رہا تھا، پہنچے اور ان کو سلام کیا اور کہا کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں ایک کتاب آپ کی خدمت

میں پیش کروں ۔ جج کو جرأت پر کچھ تعجب ہوا جو ان کے چہرہ سے عیاں تھا لیکن کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی''اس نے عزیز صاحب سے قبول کر لی۔کتاب کے اندرونی صفحہ پرعزیز صاحب نے اپنا نام اور پتہ بھی درج کر دیا تھا۔جب جج صاحب اندر چلے گئے تو کورٹ کے اہل کاروں نے عزیز صاحب کوڈرایا دھمکایا کہ کورٹ کے اندر جج کو کتاب یا کوئی اور چیز نہیں دی جاسکتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ جج صاحب بعد میں ان کے خلاف کوئی ایکشن لیں۔عزیز صاحب نے ان کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔چند دن بعد عزیز صاحب خوشی خوشی تشریف لائے اور مجھے اُسی جج کا ایک خط دکھایا جس میں انہوں نے کتاب کے تحفہ کا شکریہ ادا کیا تھا اور کتاب کی بے حد تعریف کی تھی۔بعد میں جج صاحب نے عزیز صاحب کو ان کی دیہی رہائش گاہ پر ایک شام چائے کی دعوت بھی دی۔

عزیز صاحب کی یہ عادت تھی کہ اپنے کوٹ کی جیبوں میں سلسلہ کے پمفلٹ اور چھوٹی کتب ہر وقت محفوظ رکھتے تھے اور جونہی دعوت الی اللہ کا موقعہ ملتا تھا یہ احباب کو پیش کرتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ مجھے کہنے لگے کہ میرا بیٹا منیر الدین مجھے مذاقاً کہا کرتا ہے کہ آپ اتنے لمبے عرصہ تک انگلستان میں رہے۔اتنے اعلیٰ سے اعلیٰ مواقع آپ کو میسر آئے لیکن آپ نے ساری زندگی درویشانہ گزار دی اور جمع کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔فرمانے لگے کہ میں اسے کہا کرتا ہوں کہ میں نے دعاؤں کی صورت میں تم سب کیلئے ایک خزانہ جمع کر رکھا ہے۔جس سے تم زندگی بھر فائدہ اٹھاتے رہو گے اور خدا تعالیٰ نے چاہا تو تم پر کبھی بے سروسامانی کے دن نہیں آئیں گے۔

ایک دفعہ زندگی کے بیمہ کی بات چل رہی تھی۔عزیز صاحب نے فرمایا مجھے زندگی کو

انشیور کرنے کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوئی کیونکہ میں اس یقین محکم پر قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اولاد کو کبھی ضائع نہیں کرے گا اور انہیں اتنا دے گا کہ بڑی سے بڑی انشورنس کمپنی اس کا سوچ بھی نہیں سکے گی۔

عزیز صاحب کی خاص صفت ان کی مساجد سے محبت اور ائمہ مساجد سے دلی لگاؤ اور ان کی اطاعت تھی۔ فرمایا کرتے کہ میرا تجربہ ہے کہ جو لوگ اپنے بچوں کو باقاعدہ مساجد میں نہیں لاتے، انہیں مساجد سے وابستگی کی تلقین نہیں کرتے وہ اکثر و بیشتر بڑے ہو کر جماعت سے تعلق یا تو توڑ لیتے ہیں یا ان کا تعلق کمزور رہ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم دونوں نے اس بات کا جائزہ لیا تو ہمیں حیرت ہوئی کہ قریباً 70% بچے ایسے ہیں جن کے والدین مساجد میں آنے سے کمزوری دکھاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کے بچے بھی مساجد سے کسی قدر دور ہو گئے۔ سردی ہو یا گرمی، موسم خوشگوار ہو یا ابر آلود اور یخ بستہ، عزیز صاحب مساجد سے تعلق میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ آئمہ مساجد سے خاص محبت اور لگاؤ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو بھی مربی ہو اس کی اطاعت کرنے اور اس سے محبت کرنے میں برکت ہوتی ہے۔

عزیز صاحب کا ایک خاص وصف خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت اور عشق کا تعلق تھا۔ خاندان کے ہر فرد سے احترام اور ان سے عقیدتمندانہ سلوک ان کی زندگی میں بہت نمایاں تھا۔ خاندان کے اکثر بزرگ جب لندن تشریف لاتے تو ان میں سے اکثر عزیز صاحب کے ہاں ہی مقیم ہوتے اور عزیز صاحب ان کی خدمت اور مہمان نوازی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ جب 1961ء میں انگلستان تشریف لائیں تو عزیز صاحب نے بڑے اصرار سے بلکہ کسی حد تک منت وسماجت

کر کے ان کو اپنے گھر پر ٹھہرانے کی درخواست کی۔حضرت بیگم صاحبہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی صاحبہ بھی تھیں۔عزیز صاحب انہیں اپنے گھر لے گئے اور غالباً 3 ماہ تک انہیں اپنے گھر رکھا اور ہمیشہ اس بات پر فخر کرتے رہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دختر نیک اختر نے ان کے گھر کو برکت بخشی ہے۔

قائداعظم کی مسجد فضل لندن میں آمد

محترم عزیز صاحب کو یہ خاص اعزاز حاصل تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح جب لندن تشریف لائے تھے تو عزیز صاحب کے سپرد ان کی مہمان نوازی کا کام ہوا تھا۔آیئے ان کی زبانی یہ واقعہ سنیں:

قائداعظم ہندوستانی مسلمانوں کے رویہ اور بے عملی سے بیزار ہو کر مستقلاً لندن چلے آئے اور Hampstead میں ایک مکان خرید لیا۔پریوی کونسل میں پریکٹس شروع کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ وہ اب ہندوستان کی سیاست سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد امام جماعت مسجد فضل، لندن کو لکھا کہ وہ قائداعظم، جو ان دنوں صرف مسٹر جناح کے نام سے مشہور تھے ،کو ہندوستان واپس آ کر مسلمانوں کی قیادت دوبارہ سنبھالنے پر آمادہ کریں۔کیونکہ مسلمانوں میں صاحب کردار لیڈران کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا اور یہ بھی درد صاحب کو فرمایا کہ ان کو بتائیں کہ اگر وہ واپسی پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو جماعت احمدیہ ان کی پوری پوری مدد کرے گی۔

اس خط اور حکم کے ملنے پر مولانا درد صاحب نے قائداعظم یا مسٹر جناح سے رابطہ

کیا اور انہیں، مسجد فضل لندن آ کر ان کے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی اور یہ بھی بتایا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک اہم پیغام انہیں پہنچانا ہے۔ قائداعظم نے یہ دعوت قبول کر لی۔ جس دن پہلی مرتبہ جناح صاحب نے مسجد فضل آنا تھا اس دن درد صاحب نے صبح مجھے فون پر اطلاع دی کہ جناح صاحب کا استقبال کروں اور ان کیلئے چائے وغیرہ بنانے کا اہتمام کروں۔ چنانچہ میں بر وقت مسجد فضل میں حاضر ہو گیا۔ وقت مقررہ پر جناح صاحب تشریف لائے، میں نے ان کا استقبال کیا اور اندر لے جا کر درد صاحب سے متعارف کروایا۔ 63 میلوز روڈ کے کمرہ استقبال میں یہ دونوں حضرات تشریف فرما ہوئے۔ اور میں چائے لانے چلا گیا۔ چند منٹ بعد میں چائے لے کر حاضر ہوا اور رکھ کر جانے لگا تو درد صاحب نے فرمایا کہ آپ بھی تشریف رکھیں۔ چنانچہ میں بھی بیٹھ گیا۔ درد صاحب نے قائد اعظم کو حضرت امام جماعت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام پہنچایا اور انہیں واپس جا کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کیلئے آمادہ کرنا شروع کیا۔ لیکن قائداعظم ٹس سے مس نہ ہوئے اور اس بات پر مصر ہوئے کہ وہ اب ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ خیر اس طرح کی چار یا پانچ نشستیں مختلف اوقات میں ہوئیں۔ ہر دفعہ درد صاحب مجھے بلاتے رہے اور میں ان کی گفتگو میں شامل ہوتا رہا۔

مکرم عزیز صاحب لندن مشن کی چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ آپ کے کرنل ڈگلس سے بہت قریبی مراسم تھے۔ یہ کرنل ڈگلس وہی ہیں جنہوں نے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہؑ پر قائم شدہ اقدام قتل کے مقدمہ کا فیصلہ سنایا تھا۔ انہوں نے عزیز صاحب کو سارا واقعہ کئی دفعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت مرزا صاحب کو میری عدالت میں پیش کیا گیا تو ان پر نظر پڑتے ہی میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی کہ یہ شخص بالکل معصوم ہے۔ لیکن

دوسری طرف گواہیاں بہت مضبوط تھیں اور عیسائی، مسلمان و ہندو سب مل کر حضرت مرزا صاحب کو قاتل ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ چند دن مقدمہ کی کاروائی جاری رہی اور میرا تذبذب بڑھتا رہا۔ آخر ایک دن جب مقدمہ ختم ہوا تو میں اپنے گھر کے برآمدہ میں ٹہلنے لگا اور مقدمہ کی کاروائی پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ مرزا صاحب میرے سامنے آن کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے آپ کے مطہر چہرہ کی طرف دیکھا تو میرا دل بھی کہنے لگا کہ اچھی طرح دیکھ لو۔ کیا یہ چہرہ کسی قاتل کا ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، ہرگز نہیں! میں واپس گھر کے اندر چلا گیا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلایا کہ یہ شخص گناہ گار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر چہ تمام گواہیاں اس کے خلاف ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ اس مقدمہ کا مرکزی کردار عبدالحمید ہے جس کے اس بیان پر، کہ حضرت مرزا صاحب نے اسے قتل کیلئے بھیجا ہے، سارے مقدمہ کا دارو مدار ہے۔ لیکن عبدالحمید پادریوں کے پاس رہتا ہے۔ اگر اسے ان سے الگ کر کے پولیس کی تحویل میں دیا جائے تو شاید وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ ڈگلس صاحب نے اگلے دن حکم جاری کر دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ پولیس کے پاس آتے ہی عبدالحمید پھٹ پڑا اور روتے روتے کہا کہ میں نے تو مرزا صاحب سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ سب تو مجھے پادری مارٹن کلارک نے سکھا کر مجھ سے مقدمہ کروایا ہے۔

عزیز صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک دن کرنل ڈگلس نے مجھ سے کہا کہ حیرت ہے کہ مرزا صاحب کی جماعت نے اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر ترقی کر لی۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن مضمون لمبا ہو رہا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے پیارے بھائی کے درجات بلند کرے۔ ان کی اہلیہ اور بچوں اور پوتے پوتیوں اور

نواسے نواسیوں اور بھائی منان دین اوران کے بچوں پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمائے اور انہیں احمدیت کا شیدائی بنادے اور دین ودنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کرے۔آمین۔

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

چند خوشگوار یادیں

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ 6 فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کے مرتبہ اور مقام کے انسان دنیا میں مدتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور ایسے انسان اپنے پاک نمونہ سے ہزاروں دلوں کو منور کر جاتے ہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ اس زمانہ میں اس لحاظ سے بھی منفرد اور یکتا انسان تھے کہ جہاں انہوں نے دنیا میں اپنی اعلیٰ کارکردگی، عظیم ذہانت اور قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نام پیدا کیا، وہاں روحانیت میں بھی نور کے مینار ثابت ہوئے۔وہ ایک درویش صفت، متقی اور خدا شناس انسان تھے۔انہوں نے دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے کبھی دنیوی عہدوں کی پرواہ نہ کی۔میں نے ان کی وفات پر ان کی یاد میں ایک کتاب ''محمد ظفر اللہ خانؓ کی چند یادیں'' لکھی، جو خدا تعالیٰ کے فضل سے بے حد مقبول ہوئی۔اس کتاب کو حکومتِ پاکستان نے ضبط کر کے میرے وارنٹ گرفتاری بھی جاری کر دیئے تھے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اجازت سے قبل از گرفتاری لندن آ گیا تھا۔

یہاں میں مختصراً چند واقعات کا ذکر کروں گا، جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں نہیں کیا۔

حضرت چوہدری صاب سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور نائب امام مسجد فضل لندن انگلستان پہنچا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ اُن دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ اُن دنوں آپ جب بھی لندن تشریف لاتے تو عام طور پر آپ کا قیام رائل کامن ویلتھ سوسائٹی میں ہوا کرتا تھا۔ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن سے ان کو اپنی قیام گاہ میں لایا کرتے تھے اور اکثر مجھے بھی ساتھ چلنے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات سے سرفراز ہونے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اسطرح حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی چل پڑا۔ اس کے بعد جب 1964ء میں خاکسار کو امام مسجد فضل لندن اور مشنری انچارج برطانیہ مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلہ مودّت واخوت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آپ کا لندن آنا جانا بھی بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کہ جب آپ لندن تشریف لاتے تو مشن ہاؤس میں میرے پاس ہی قیام فرماتے۔ خاکسار ہی انہیں ایئرپورٹ سے لے کر آتا اور واپس چھوڑنے بھی جاتا تھا اور پھر بالآخر جب آپ انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائر ہو گئے تو لندن میں مشن ہاؤس کے اوپر کی منزل میں ایک مختصر سے فلیٹ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ساتھ ہی میرا فلیٹ تھا۔ دونوں وقت کا کھانا ہم اکٹھے کھاتے تھے۔ سفر وحضر میں بھی ساتھ ساتھ رہے۔ شام کے کھانے پر اکثر میں ایسے احباب کو بھی مدعو کر لیا کرتا تھا جنہیں حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملنے اور ان کی گفتگو سننے کا اشتیاق ہوتا تھا اور

یوں یہ شام کی محفل جو کھانے کی میز پر منعقد ہوا کرتی تھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی درس گاہ بن جایا کرتی تھی، جس میں آپ علم وعرفان کے خزانے لٹایا کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائرمنٹ کا قصہ بھی بہت ایمان افروز ہے۔

1972ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا نام بطور جج دوبارہ انتخاب کیلئے بھجوایا گیا۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ بغیر کسی دقت کے مزید نو سال کیلئے منتخب ہو جائیں گے۔ آپ نے مجھے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ ججوں کی اکثریت نے آپکو ووٹ دینے کی حامی بھر لی ہے اور آپ کا انتخاب یقینی ہے۔ انہی دنوں جب ہم آپ کے انتخاب کی خوش خبری سننے کیلئے بے تاب تھے، اچانک ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ کا فون آیا اور فرمایا کہ میں لندن آ رہا ہوں، اس دفعہ سامان زیادہ ہوگا اس لئے مناسب ہوگا کہ دو کاروں کا انتظام کر دیں۔ میں یہ سن کر حیران ہوا اور میں نے آپؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپؓ منتخب ہوگئے ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا یہ میں لندن آ کر بتاؤں گا۔ میں بڑی بے تابی سے آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔ آپؓ تشریف لائے۔ شام کو کھانے کی میز پر بیٹھے تو میں نے پھر دریافت کیا کہ کیا آپؓ منتخب ہوگئے ہیں! اس پر آپؓ نے فرمایا:

''مجھے تمام جج صاحبان کی طرف سے یقین دہانی کرائی جا چکی تھی کہ انتخاب میں وہ مجھے ووٹ دیں گے اور یہ کہ میں یقیناً کامیاب ہوجاؤں گا اور مزید نو سال عالمی انٹرنیشنل کورٹ کے اس عہدہ صدارت پر فائز ہو جاؤں گا۔ میں اس یقین پر قائم ہوکر آئندہ کی پلاننگ کر رہا تھا کہ میں نے ایک رات خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے کمال شفقت سے مجھے فرمایا۔ ظفر اللہ خان! اب دنیا کے ان جھمیلوں کو چھوڑ کر بقیہ زندگی خدمتِ

دین کیلئے وقف کردو۔ چنانچہ صبح اٹھ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا نام واپس لے لیا اور فوراً اس لئے لندن چلا آیا کہ مبادا جج صاحبان کہیں مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کیلئے مجبور نہ کریں۔''

محترم چوہدری صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ارشاد پر ایک اعلیٰ عہدہ پر لات ماردی اور اپنی بقیہ زندگی خدمتِ دین کیلئے کلیۃً وقف کردی۔ خدمت دین تو آپؓ پہلے بھی کرتے تھے لیکن اب آپؓ کے وقت کا ہر لمحہ دینی کاموں میں صرف ہونے لگا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے وطن پاکستان سے بہت محبت تھی اور اس کیلئے وہ ہر قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ایک دفعہ کھانے کی میز پر انہوں نے تقسیم ہند کے وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ 1947ء میں جب تقسیم ملک کا باضابطہ اعلان ہوا تو میں اس وقت فیڈرل کورٹ آف انڈیا کا جج تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے پاکستان کی خدمت کرنی چاہئے اور فیڈرل کورٹ سے استعفیٰ دے دیا اور یہ ارادہ کیا کہ لاہور جاکر وکالت کے پیشہ سے منسلک ہوکر ملک وقوم کی خدمت کروں گا۔ جب جناب پنڈت نہرو جی کو میرے استعفیٰ کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے ہندوستان میں رہ جانے کی صورت میں پرکشش عہدوں کی پیشکش کی لیکن میں آمادہ نہ ہوا اور پاکستان جانے کی تیاری شروع کردی۔

آپ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ انہی دنوں نواب حمیداللہ خان صاحب والئی بھوپال اپنے کسی کام سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب انہیں میرے مستعفی ہوجانے کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے کچھ عرصہ کیلئے بطور مشیر اپنے ساتھ بھوپال جانے کی دعوت دی۔ میں نے محض اس وجہ سے، کہ نواب صاحب کا ہمیشہ میرے ساتھ محبت اور خلوص کا رویہ رہا تھا اور وہ میرے ساتھ بیحد شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، ان کی پیشکش کو

قبول کرلیااور بھوپال ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

بھوپال پہنچنے پر ایک شام کھانے کی میز پر نواب صاحب نے فرمایا ظفراللہ خان! آپ نے مجھ پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ میری مدد اور معاونت کیلئے بھوپال تشریف لائے، لیکن ہم نے اب تک آپ کے معاوضہ کی کوئی بات نہیں کی۔ میں نے عرض کیا کہ میں ہرگز کسی بڑی تنخواہ یا مراعات کی لالچ میں آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ سے میرے دیرینہ قریبی تعلقات تھے، جو مجھے آپ کے پاس کھینچ لائے ہیں۔ میں نے تو تنخواہ یا کسی معاوضہ کا تصور بھی نہیں کیا۔

نواب صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے میری پیشکش کسی لالچ کیلئے قبول نہیں کی بلکہ مجھ پر احسان فرماتے ہوئے آپ میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ آپ نے حق دوستی ادا کردیا جس کیلئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ لیکن میرا بھی اب یہ فرض بنتا ہے کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی ماہوار تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی۔ جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا۔ نیز میں نے آپ کی رہائش کیلئے اپنے محل کا ایک نہایت آرام دہ اور پرسکون حصہ مخصوص کرلیا ہے۔ آپ وہاں منتقل ہوجائیں۔ نیز دستور کے مطابق آپ، آپ کی فیملی اور مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام شاہی محل کی طرف سے ہوگا اور اس کا آپ سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ سب کچھ بھوپال سرکار کی طرف سے ہوگا۔

اگلے دن شام کو نواب صاحب نے یاد فرمایا اور مجھے اپنے ساتھ ان کے خوبصورت اور عالیشان باغ میں چہل قدمی کی دعوت دی اور فرمایا:

''ہمارا یہ باغ آپ کیلئے اور آپ کی فیملی کے استعمال کیلئے حاضر ہے اور

جب چاہیں یہاں تشریف لاکر اپنی فیملی اور مہمانوں کے ساتھ وقت گذارا کریں۔ یہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

واپسی پر نواب صاحب ایک طرف لے گئے جہاں قطار میں نہایت خوبصورت چھ امریکن موٹریں کھڑی تھیں ۔نواب صاحب نے فرمایا؛ یہ آپ کے استعمال کیلئے ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے لئے تو ایک گاڑی ہی کافی ہے۔ میری مختصر سی فیملی ہے لہٰذا مجھے مزید کاروں کی ضرورت نہیں ہے۔نواب صاحب فرمانے لگے کہ ایک گاڑی سے جلد آپ کا دل اُکتا جائے گا اس لئے یہ سب گاڑیاں آپ کے استعمال میں رہیں گی اور ان کے پٹرول، مرمت اور صفائی وغیرہ کا سب خرچ سرکار کے ذمہ ہوگا۔آپ کو کچھ بھی دینا نہیں پڑے گا۔

غرض نواب صاحب نے کمال حسن سلوک اور شفقت و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔

آپ فرماتے تھے کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن جناب قائداعظم نے مجھے فون پر یاد فرمایا۔ میں ان دنوں کسی کام سے کراچی آیا ہوا تھا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم فوراً بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے کراچی چلے آؤ۔ پاکستان کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں پاکستان حاضر ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد مجھے پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا۔

آپ نے فرمایا میری تنخواہ بھوپال میں چالیس ہزار تھی اور اب پاکستان میں چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔اس پر ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا۔ بھوپال میں مجھے نواب صاحب کے محل کا ایک حصہ رہائش کیلئے دیا گیا تھا۔ یہاں کراچی میں شروع میں ایک ہوٹل میں دو کمروں میں لمبے عرصہ تک قیام رہا۔بھوپال میں چھ کاریں میری تحویل میں تھیں، یہاں ایک موٹر ملی لیکن میں نے ملک وقوم کی ضرورت کے مدنظر یہ سب کچھ برضاورغبت برداشت

کیااور پاکستان کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ بھی مجھے یادآ رہا ہے کہ ایک دفعہ سرخضر حیات صاحب ٹوانہ جوتقسیم ملک سے قبل متحدہ پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے،لندن تشریف لائے اور پکاڈلی کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔آپ کا قیام اسی ہوٹل میں ہوا کرتا تھا۔ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ خضر حیات صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں اور میرا بیحد احترام کرتے ہیں۔میری خواہش ہے کہ ان کی ملاقات کیلئے ان کے پاس جاؤں۔تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم دونوں وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ ہوگئے۔سرخضر حیات خان صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری ہمارے استقبال کیلئے دروازہ پر موجود تھے۔وہ ہمیں بذریعہ لفٹ اوپر کی منزل پر لے گئے۔یہ ساری کی ساری منزل سرخضر حیات صاحب کیلئے بک کرائی گئی تھی۔لفٹ پر بھی ان کے ملازم لفٹ کواوپر نیچے لے جانے پر مامور تھے۔

سرخضر حیات خان صاحب ایک وسیع ڈرائنگ روم میں تشریف فرما تھے۔اردگرد ان کے خدام باادب ایستادہ تھے۔ہم حاضر ہوئے تو سرخضر حیات خان صاحب نے بڑھ کر حضرت چوہدری صاحبؓ کا استقبال کیا اوران کے ساتھ نہایت تپاک سے پیش آئے اور باربارفرمایا کہ انہیں حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات سے بیحد خوشی ہورہی ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا تعارف کرایا۔تو سرخضر حیات خان صاحب نے مجھ سے معانقہ کیا اورمیری آمد پر بھی بہت خوشی کا اظہار کیا۔اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کے بعد سرخضر حیات خان صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی لندن آتے ہیں تو ہوٹل کا یہ پوراونگ ان کیلئے ریزرو ہوتا ہے۔وہ اپنے ساتھ اپنے کچن کا سٹاف،نوکر چاکر وغیرہ بھی لاتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ اس سال میری بیوی بچے میرے ساتھ نہ آسکے،تاہم یہ ساراونگ میرے لئے

ریز رو ہے اور یہ کہ میں اپنے اردگرد ایسے لوگوں کو دیکھنا نہیں چاہتا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔

حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا، خضر صاحب! جب آپ کے اہل وعیال آپ کے ساتھ نہیں آئے تو پھر اتنی بڑی جگہ ریز رو کرنے اور اس پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو رقم کا ضیاع ہے۔ اس پر سر خضر حیات صاحب نے کہا:

چوہدری صاحب! میری ساری زندگی اسی طرح گذری ہے۔ ہمیں خدا نے بہت دولت دی ہے اور دولت تو ہوتی ہی انسان کے آرام کیلئے ہے۔''

اس کے بعد خضر حیات خان صاحب نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے دریافت کیا کہ آپ کی رہائش کہاں ہے اور آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''لندن کے احمدیہ مشن ہاؤس میں ان کے ساتھ والے فلیٹ میں رہتا ہوں اور کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا ہوں۔''

سر خضر حیات صاحب نے کہا:

''چوہدری صاحب! آپ کو بھی اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ آپ کو ایک بیڈ روم کے فلیٹ میں رہتے ہوئے گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی؟ مجھے تو اس تصور سے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایک کمرہ کے مختصر سے فلیٹ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ جب آپ کو خدا نے اس قدر مال و دولت عطا کی ہے تو پھر ایسی جگہ رہائش کیوں اختیار کی ہے۔ آپ کیلئے کسی چیز کی کمی نہیں۔ آپ بڑے سے بڑے مکان میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ پھر یوں فقیری اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

حضرت چوہدری صاحبؒ نے جواب دیا:

''خضر! اس طرح فقیری میں زندگی گزار کر غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور ناداروں کی خدمت کرنے میں جو لطف، سکون و اطمینان ہے، کاش وہ میں بیان کرسکنے کے قابل ہوتا! مجھے اللہ تعالیٰ نے باوجود فقیری اختیار کرنے کے انتہائی پرسکون اور خوشیوں سے معمور زندگی سے نوازا ہے۔ مجھے کبھی ایک لمحہ کیلئے دنیوی مال و منال اور ظاہری شان و شوکت کی تمنا نہیں ہوئی۔''

پھر فرمایا:

''خضر! کاش تمہیں بھی فقر کی یہ دولت نصیب ہو، تو پھر تم بھی سمجھ سکو گے کہ اس زندگی میں کتنا لطف اور آرام ہے!''

ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے۔ ایک دفعہ دسمبر میں آپ پاکستان جانے لگے تو مجھے ارشاد فرمایا کہ کسی سستی ایئر لائن کا ٹکٹ خرید لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کسی سستی ایئر لائن کے اکانومی کلاس میں سفر کر رہے ہیں؟ آپ کو تو کسی اچھی ایئر لائن کے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے۔ آپ کو ساری دنیا جانتی ہے۔ وہ کیا کہیں گے؟ آپ نے میری بات سن کر فرمایا:

''امام صاحب! میرے فرسٹ کلاس میں سفر نہ کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یوں بھی میں زیادہ آسائشوں کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے اکانومی کلاس میں بھی پورا آرام مل جاتا ہے۔

جو رقم میں فرسٹ کلاس کی بجائے اکانومی کلاس میں سفر کرنے سے بچا لیتا ہوں وہ کئی نادار طلباء، غربا اور بیوگان کے کام آجاتی ہے۔ کیوں نہ میں اپنے

آپ کومعمولی تکلیف میں ڈال کرمخلوق خدا پرخرچ کروں؟ جس سے مجھے
دنیوی تسکین بھی ملتی ہے اور اللہ کی رضا کی بھی امید رہتی ہے کہ وہ میری اس
خدمت کوقبول فرمائے گا اور میرے گناہوں اور لغزشوں کی پردہ پوشی فرماتے
ہوئے میری بخشش فرمائے گا۔ اگر اس معمولی رقم کومخلوق خدا پرخرچ کرنے
سے مجھے میرے مولیٰ کی رضا ملےتو یہ سودا بہت سودمند ہے۔''

میں نے اگلے دن ایک درمیانے درجہ کی ایئر لائن کا اکانومی ٹکٹ خرید کران کی خدمت میں پیش کردیا لیکن اپنی بے وقوفی سے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کوفرسٹ کلاس میں سفرکرنا چاہئے تھا۔ آپ یہ سن کرخاموش رہے۔ اسی شام کو مجھے اچانک اس ایرلائن کے جنرل منیجر کا فون آیا اور اس نے دریافت کیا کہ تم نے جو ٹکٹ سرظفر اللہ خان کیلئے خریدا ہے، کیا یہ وہی ظفر اللہ خان ہیں جو پاکستان کے وزیرخارجہ اور انٹرنیشنل کورٹ کے صدر تھے۔ میں نے کہاہاں یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا کہ اگرممکن ہوتو وہ اگلے دن حضرت چوہدری صاحبؓ سے اور مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں نے اگلے دن انہیں چائے پر بلایا۔ وہ تشریف لائے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کومخاطب کرکے فرمانے لگے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کی ایئر لائن پرحضرت چوہدری صاحبؓ سفرکرنے والے ہیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کیا اور ان کو بتایا کہ سرظفر اللہ خان ان کی فلائیٹ سے کراچی جارہے ہیں۔ اس پر مجھے ہیڈ آفس سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ سرظفر اللہ خان کے ٹکٹ کوفرسٹ کلاس میں بدل دیا جائے اور انہیں V.I.P کی تمام سہولیات میسر کی جائیں اور فلائٹ کے دوران ان کی خدمت کیلئے ائر ہوسٹس مخصوص کی جائیں اور ان سے اکانومی اور فرسٹ کلاس کے درمیان کے کرایہ کا فرق ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

جب یہ صاحب چلے گئے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت جذباتی انداز میں فرمایا:

''امام صاحب! آپ بار بار مجھے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کو کہہ رہے تھے اور میں اس بات پر مصر تھا کہ میں اکانومی سے ہی سفر کروں گا اور رقم بچا کر غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بحث ومباحثہ کو آسمان سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی محبت کا اظہار یوں کیا کہ اس نے ایئر لائن کے جنرل منیجر کو تحریک کی کہ ظفر اللہ خان جو ہمارا ایک عاجز بندہ ہے اور ہمیں پیارا ہے، اسے فرسٹ کلاس میں سفر کراؤ۔ خواہ اس کے پاس اکانومی کا ٹکٹ ہی کیوں نہ ہو!''

میں نے دیکھا کہ یہ بات کرتے ہوئے انکی آنکھیں نم تھیں اور وہ نہایت جذباتی ہو رہے تھے۔

ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے ۔7 فروری 1993ء کو محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم اور انکی اہلیہ محترمہ نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ان کے ساتھ چند روز کیلئے لیک ڈسٹرکٹ میں ان کے خوبصورت مکان میں رہیں۔ ان کے اس مکان سے ونڈرمیئر کی جھیل کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ 7 فروری 1993ء کا یہ دن حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی 100 ویں ولادت کا بھی دن تھا اور انہیں انگلستان کا یہ علاقہ جو لیک ڈسٹرکٹ کہلاتا ہے ، بہت پسند بھی تھا۔ ڈاکٹر سعید خان صاحب نے کہا کہ اسطرح ان کی یاد بھی تازہ ہو جائے گی اور ہم دن بھر ان کی یادوں کے سفر میں ان کے ساتھ رہیں گے۔ لیک ڈسٹرکٹ کے خوبصورت اور دلکش مناظر پر مشتمل یہ علاقہ لندن سے قریباً 250 میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس علاقہ میں سرسبز و شاداب وادیوں اور سربفلک پہاڑوں کے علاوہ خوبصورت جھیلوں کی بھی کثرت ہے۔ اس لئے اسے لیک ڈسٹرکٹ کہتے ہیں۔

انگلستان کے قدرتی مناظر کے عاشق مشہور شاعر ورڈز ورتھ نے اپنی بے شمار نظموں میں اس علاقہ کے دلفریب و دلکش مناظر کا ذکر کیا ہے۔ ان کی بین الاقوامی شہرت یافتہ نظم "The Dance of the Daffodills" بھی اسی علاقہ کے خوبصورت پھولوں بالخصوص Daffodills کی بہار سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی۔ فروری سے لیکر اپریل تک یہ علاقہ Daffodills اور Tulips کے پھولوں سے لدا ایک نہایت ہی حسین سماں پیش کرتا ہے۔ رنگ و نور کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ وادیوں کی وادیاں، جھیلوں کے کنارے اور دلکش سبزہ زاروں میں ان پھولوں سے، جو بیشمار رنگوں کے ہوتے ہیں، ایک عجیب دلربا اور رُومانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب بادِ نسیم چلنے لگتی ہے تو ان پھولوں کے پودے ہوا کے رُخ پر ہلتے ہوئے یوں لگتے ہیں، گویا ناچ رہے ہوں۔

میں نے یہ مناظر بارہا وہاں جا کر دیکھے ہیں اور ہر دفعہ یوں محسوس کیا ہے کہ قدرت کے ساز یعنی ہوا کی لہروں کے چلنے سے ایک خاص مدھر آواز کے ساتھ گویا یہ ہزاروں پھول رقص کناں ہیں۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ پہلی مرتبہ اس علاقہ میں دسمبر 1911ء میں تشریف لائے تھے۔ اُن دنوں آپ لندن میں طالب علم تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی نظر ہی میں مجھے اس علاقہ سے عشق ہوگیا تھا۔ بعد کی زندگی میں جب بھی انہیں موقع ملتا تو چند دن کیلئے لیک ڈسٹرک ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں کے حسین قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ 1969ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ یورپ

کے دورہ پر تشریف لائے تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے اصرار پر آپؒ مع قافلہ دو دن کیلئے لیک ڈسٹرکٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ خاکسار اس سفر میں حضورؒ کے قافلہ میں شامل تھا۔ حضورؒ کو یہ علاقہ اتنا پسند آیا کہ بعد کے قریباً تمام دوروں میں آپ وقت نکال کر اس علاقہ میں آرام کرنے اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے 1911ء میں جس ہوٹل میں قیام فرمایا تھا اس کا نام Longdale Chase Hotel ہے۔ یہ ہوٹل جھیل ونڈر میئر کے کنارے پر واقع ہے۔ اور اس کی عمارت پرانے طرز پر لکڑی کی تعمیر شدہ ہے۔ یہاں سے جھیل کے مناظر دل کو موہ لینے والے ہیں۔ اسی ہوٹل میں 1973ء میں آپ کو ایک حادثہ بھی پیش آیا تھا۔ خاکسار اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس حادثہ کا ذکر میں اپنی کتاب ''محمد ظفر اللہ خانؓ۔ چند یادیں'' میں کر چکا ہوں۔

ہم سب نے یعنی محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب، ان کی اہلیہ محترمہ اور خاکسار و خاکسار کی اہلیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی یادیں تازہ کرنے کیلئے ہم اس ہوٹل میں جا کر چائے نوشی کریں گے اور ساتھ کے ساتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کی یادوں سے بھی لطف اندوز ہوں گے۔ پرانے زمانہ میں دن ڈھلنے کی چائے انگریزوں کیلئے دن کا ایک ضروری حصہ ہوا کرتی تھی۔ اس چائے کا وقت غروب آفتاب سے دو اڑھائی گھنٹے قبل شروع ہوتا تھا اور انگلستان کے تمام بڑے اور چھوٹے ہوٹلز اور ریسٹورنٹس اس کا پرتکلف اہتمام کیا کرتے تھے۔ اسے Afternoon Tea کہا جاتا ہے۔ مچھلی، جام، ٹوسٹ، Skones، ملائی اور شہد اس چائے کا حصہ ہوتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو Toasted scones بیحد پسند تھے اور وہ ہمیشہ باصرار اسی کا آرڈر دیا کرتے تھے۔

ہم نے بھی اس دن اسی کا آرڈر دیا۔ چائے سے فراغت کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو ہوٹل کے وہ حصے دکھائے جو حضرت چوہدری صاحبؓ کے استعمال میں بھی آتے رہے۔ مثلاً ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ایک مخصوص حصہ ہے جہاں سے جھیل کا نہایت دلکش منظر نظر آتا ہے، آپ ہمیشہ ناشتہ کیلئے اسی حصہ میں ایک میز کو اپنے لئے ریزرو کیا کرتے تھے۔

لیک ڈسٹرکٹ میں انگلستان کے سب سے اونچے مقام یعنی پہاڑ کی چوٹی پر ایک 500 سالہ پرانی سرائے ہے، جہاں مسافر کچھ دیر ستانے اور چائے اور کافی سے لطف اندوز ہونے کیلئے ٹھہر جایا کرتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے 1500 فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور ایک درّہ کے درمیان واقع ہے، جسے Kirkstone Pass کہتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ جب بھی لیک ڈسٹرکٹ تشریف لے جاتے تو انکی خواہش ہوتی تھی کہ اس سرائے میں ٹھہر کر گرم دودھ میں 'کوکو' تحلیل کر کے نوش فرماویں نیز Toasted Scones اور Clotted Cream کا بھی لطف اٹھائیں۔

ہم نے بھی فیصلہ کیا کہ چائے نوشی کے بعد اس اونچی سرائے میں بھی ایک کپ کافی پی کر حضرت چوہدری صاحبؓ کی یادوں کو تازہ کریں گے اور ان کیلئے دعا بھی کریں گے۔

ہم وہاں پہنچ تو گئے لیکن شدید سردی، بادل اور دُھند نے اس علاقہ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور نظر صرف چند فٹ تک ہی کام کر رہی تھی۔ ہم سرائے میں داخل ہوئے (یہ بہت ہی پرانی طرز کی مختصر سی عمارت ہے)، اندر انگیٹھی جل رہی تھی جس سے اندر کا ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔ سرائے میں داخل ہوتے وقت یوں لگتا ہے گویا آپ پتھر کے زمانہ میں نکل آئے ہیں۔ ہم نے گرم کافی اور Scones کا آرڈر دیا اور گرم انگیٹھی کے گرد بیٹھ گئے، جس میں کوئلہ جل رہا تھا۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کی باتیں چل پڑیں تو محترمہ سلمیٰ مبارکہ خان صاحبہ نے ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ وہ فرمانے لگیں کہ ایک مرتبہ حضرت چوہدری صاحبؓ بریڈفورڈ تشریف لے گئے۔ خاکسار (بشیر احمد رفیق) بھی ان کے ساتھ تھا۔ دوپہر اور شام کو وہ دعوتوں پر مدعو تھے۔ شام کے کھانے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ دریافت فرمایا کہ اس دن کی سویٹ ڈش کیا ہے؟ آپؓ کے مہمان نواز نے عرض کیا کہ فریش کریم اور سٹرابری ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ مسکرائے لیکن خاموش رہے۔ آپ نے سٹرابری اور کریم بہت رغبت سے کھائے۔ جب بعد میں باصراران سے پوچھا گیا کہ انہیں اس دن سٹرابری اور کریم کے ملنے سے اتنی خوشی کیوں ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص سلوک ہے کہ جب انہیں کسی چیز کے کھانے کی شدید خواہش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے سامان مہیا فرما دیتا ہے۔ اس دن بھی انہیں صبح سے سٹرابری اور کریم کھانے کی خواہش تھی لیکن انہوں نے کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود از راہ شفقت ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔

پرنس چارلس پرنس آف ویلز سے ملاقات

13 دسمبر 1996ء کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خاکسار کو شہزادہ چارلس اور برطانیہ کے مسلمان و غیر مسلم دانشوروں اور سکالروں سے ملاقات کا موقع فراہم کیا۔ الحمدللہ۔ اس ملاقات کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ حکومت برطانیہ کے محکمہ خارجہ نے ایک سیمنار کا اہتمام کیا، جس کا عنوان تھا:

A Sense of the Sacred Building Bridges Between Islam and the West.

اس تقریب میں شمولیت اور تقریب کی دعوت پرنس آف ویلز کو بھی دی گئی جو انہوں نے منظور فرمالی۔ شرکاء کی تعداد 30 کے قریب تھی۔ جن میں بعض اسلامی ممالک کے سفراء، محکمہ خارجہ برطانیہ کے سرکردہ اراکین اور دانشور شامل تھے۔ سیمینار ایک بڑے گول میز کے اردگرد منعقد ہوئی۔

اس عاجز کو بھی اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ 13 دسمبر کو بذریعہ ٹرین Wilton Park نامی ایک خوبصورت محل میں پہنچنے پر تمام شرکاء کا استقبال کیا گیا اور سب کو خاص قسم کے Badges دیئے گئے۔ 10 بجے صبح پرنس آف ویلز بذریعہ ہیلی کاپٹر Wilton park کے باغ میں اُترے۔ سب شرکاء، جو قطار میں کھڑے تھے، نے پرنس سے مصافحہ کیا اور اپنا اپنا تعارف کرایا اور کچھ دیر شہزادہ کے اردگرد کھڑے رہے۔ اس دوران شہزادہ نے مختلف اسلامی موضوعات پر شرکاء سے گفتگو کی اور اس بات پر بے حد خوشی کا اظہار کیا کہ مغرب میں اسلام کی تعلیمات کو اب بہتر طور پر سمجھا جانے لگا ہے اور قدیم تعصّبات ختم ہوتے جارہے ہیں۔ اس غیر رسمی ملاقات کے بعد شرکاء گول میز کے ارد گرد جمع ہوگئے۔ خاکسار کو عین پرنس کے سامنے والی نشست ملی۔ خاکسار کے قریب ہی پاکستان کے قائمقام ہائی کمشنر بیٹھے تھے اور دوسری طرف سعودی سفیر تشریف فرما تھے۔

تقریب کا آغاز پرنس کی تقریر سے ہوا۔ بعد میں صرف ان شرکاء کو بحث میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی جو پہلے سے نامزد ہو چکے تھے۔

اس کے بعد برطانیہ میں پہلے پاکستانی نژاد بشپ ، مائیکل نذیر علی بشپ آف روچیسٹر نے Tolerance Among Religions پر اپنا مقالہ پڑھا۔ دوران تقریر بشپ صاحب نے علامہ اقبال کے چند اشعار کا ترجمہ پیش کیا جس میں اللہ تعالیٰ اور انسان کے

تعلق کا اظہار کیا گیا ہے۔اور وہ یہ ہے:

You made the night, and I the lamp,
You the clay and I the cup,
You desert, mountain peak and vale,
I flower bed, park and orchard.

بشپ صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ اسلام اور عیسائیت دونوں ایک خدا، وحی اور ایک دوسرے کے احترام پر زور دیتے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہ دونوں مذاہب آپس میں محبت اور احترام سے نہ رہ سکیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد مثالیں تاریخ اسلام وعیسائیت سے پیش کیں اور بھی چند تقاریر ہوئیں۔

یہ سلسلہ 12 بجے تک جاری رہا۔ جس کے بعد شرکاء کو آپس میں ملنے جلنے کا موقع دیا گیا۔ خاکسار نے دیگر شرکاء سے مختلف موضوعات پر گفتگو کے بعد بشپ مائیکل نذیر علی صاحب سے تفصیلی ملاقات کی۔ بشپ صاحب نے جماعت احمدیہ پر پاکستان میں ڈھائے جانے والے مظالم پر افسوس کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دیا کہ تمام مذاہب عالم کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی خاص جدوجہد کرنی چاہئے اور محض اختلافِ عقیدہ کی بناء پر کسی بھی انسان کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔

ایک بجے لنچ کا ٹائم تھا۔ چنانچہ سب شرکاء ڈائننگ ہال میں پرنس آف ویلز کے اردگرد کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ کھانے کے بعد پرنس کے ساتھ اجتماعی تصویر بنانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خاکسار بھی اس میں شامل ہوا۔ بعد میں جب یہ تصویر مجھے ملی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تمام شرکاء میں سے صرف ایک میں نے ہی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، باقی تمام شرکاء میں سے کسی کا سر ڈھکا ہوا نہیں تھا۔

تصویر کے بعد پرنس نے سب شرکاء کے ساتھ مصافحہ کیا اور بذریعہ کار رخصت ہو گئے۔ یہ تقریب اس لحاظ سے بھی بڑی بابرکت رہی کہ خاکسار نے متعدد شرکاء کو احمدیت کا پیغام پہنچایا اور بعض کو بعد میں لٹریچر بھی بھجوایا۔

برطانوی وزیراعظم کی طرف سے دی گئی دعوت طعام میں شرکت

11 مارچ 1997ء کو برطانوی وزیراعظم جان میجر نے ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ یہ تقریب لندن کے مشہور ہال Banquet House میں منعقد ہوئی۔ محکمہ خارجہ نے اس عاجز کو بھی اس دعوت میں شمولیت کا دعوت نامہ بھجوایا۔ تقریب میں وزیراعظم صاحب نے تقریر فرمائی اور برطانیہ اور پاکستان کے قریبی تعلقات اور تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی۔

اس تقریب میں بے شمار سفراء وزراء اور اراکین حکومتِ برطانیہ نے شرکت کی۔ خاکسار کو وزیراعظم صاحب کے عین بالمقابل میز پر جگہ ملی۔ خاکسار کے ساتھ میز پر بعض وزراء حکومت بھی تشریف فرما تھے جن سے اسلامی موضوعات پر دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔

مستشرقین اور دانشوروں سے ملاقاتیں

انگلستان کے ایک مشہور مستشرق Kenneth Craig جو سسکس یونیورسٹی میں پروفیسر ہونے کے علاوہ چرچ آف انگلینڈ کے نامور پادری بھی تھے، انہوں نے اسلام پر ایک درجن سے زائد کتب لکھی ہیں جو بہت مقبول ہوئیں اور ان میں سے بیشتر کتب کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔ مسٹر Craig کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ متعدد عرب ممالک کے نہ صرف کئی سفر کر چکے تھے بلکہ ایک وقت میں یروشلم کے چرچ کے پادری بھی رہے تھے۔ ان کی ایک کتاب Call of the Minarat بے حد مشہور ہوئی اور کئی

زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوئی۔ ایک اور کتاب جوانہوں نے قرآن مجید کے بارہ میں Event of the Holy Quran کے نام سے لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی بہت مشہور ہوئی۔

خاکسار کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا کیونکہ میں نے ان کی دو تین کتب کا مطالعہ کیا تھا اور مجھے ان کتب کے پڑھنے سے یہ محسوس ہوا تھا کہ مسٹر Craig کے دل میں اسلام اور بانیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت موجود ہے اور باوجود پادری ہونے کے ان کا دل اسلام کے خلاف تعصب سے پاک ہے۔

میں نے انہیں خط لکھا اور ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان کا جواب آیا کہ میں چند روز میں لندن آنے والا ہوں۔ وہاں ملاقات کا وقت اور مقام طے کر لیں۔ خاکسار نے انہیں لنچ کی دعوت دی جوانہوں نے قبول کر لی۔

دورانِ ملاقات مسٹر کریگ نے نہایت عقیدت ومحبت سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور کہا کہ میرے نزدیک وہ دنیا کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ نیز فرمایا کہ میں نے قرآن مجید کو کئی مرتبہ پڑھا ہے اور اسے علم ومعرفت کا خزانہ پایا ہے۔ مجھے ایک پادری سے ان خیالات کے اظہار کی ہرگز توقع نہ تھی اس لئے میں بیحد حیران ہوا۔ مسٹر Craig نے بتایا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اپنے ساتھ ان کیلئے جماعت احمدیہ کی چند مطبوعات بالخصوص 'اسلامی اصول کی فلاسفی' لایا ہوں جو میں نے انہیں پیش کر دیں۔ یہ ملاقات نہایت خوشگوار رہی اور ہم دونوں نے دوبارہ ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کیا۔ مسٹر Craig نے مجھے برائٹن، جہاں وہ مقیم تھے، آنے کی دعوت بھی دی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دن جب میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپکے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کے پڑھنے سے آپ کی آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں۔ میں نے جب کتاب کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب مسٹر Craig کی لکھی ہوئی Event of the Holy Quran ہے اور اس بات پر حیرت ہے کہ باوجود عیسائی اور پھر پادری ہونے کے اس کتاب میں اس شخص نے قرآن کریم کو اتنے عظیم الشان انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس پیارے انداز میں ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہیں رکھ سکا۔ پھر فرمایا؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کا یہ کمال ہے کہ دوست تو دوست بیگانے بھی آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

پھر فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو مسٹر کریگ سے میری ملاقات کا کوئی انتظام کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں انہیں پہلے سے اچھی طرح جانتا ہوں اور ان سے مل بھی چکا ہوں۔

چنانچہ میں نے برائٹن میں مسٹر کریگ کو فون کیا اور انہیں کھانے پر مدعو کیا اور بتایا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ ان سے ملاقات کے متمنی ہیں۔ مسٹر کریگ بے حد خوش ہوئے اور کہا کہ دو ایک دن میں وہ مجھے بتادیں گے کہ وہ کب آسکیں گے۔

مقررہ تاریخ پر مسٹر کریگ لندن تشریف لائے۔ میں نے انہیں اسٹیشن پر Recieve کیا اور رائل کامن سوسائٹی میں، جہاں میں نے دعوت کا انتظام کیا تھا، انہیں لے آیا۔ بہت پرلطف گفتگو کا سلسلہ چل پڑا۔ دورانِ گفتگو حضرت چوہدری صاحبؓ نے مسٹر کریگ سے پوچھا کہ آپ نے باوجود عیسائی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گل ہائے عقیدت پیش کئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ مسٹر کریگ نے جواب دیا کہ میں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سچا انسان سمجھتا ہوں اور انہیں نہایت پاکباز اور عظیم مصلح تصور کرتا ہوں جنہوں نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور کروڑوں لوگوں کو ان کی بدولت اعلیٰ اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق ملی ۔ان کا زمانہ انتہائی تاریکی کا زمانہ تھا جسے انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات اور اعلیٰ نمونہ کے ذریعہ روشنی میں بدل دیا۔اگرچہ عقیدۃً مجھے بعض باتوں سے اختلاف بھی ہے، بالخصوص اس بات سے کہ انہوں نے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو بطور ایک عام انسان کے پیش کیا ہے جبکہ میں انکی الوہیت کا قائل ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہودیوں کی طرف سے لگنے والے الزامات سے انہیں پاک بھی کیا ہے۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کو اور مجھے مسٹر کریگ کے ان خیالات کے سننے سے بے حد خوشی ہوئی۔مسٹر کریگ سے ملاقاتوں کا سلسلہ کافی عرصہ قائم رہا اور میری اور انکی خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ وہ مجھ پر ہمیشہ شفقت کا اظہار فرماتے تھے۔ اور جب بھی انہیں لندن آنا ہوتا تھا مجھے اطلاع کرتے تھے۔

مسٹر منٹگمری واٹ سے ملاقاتیں

جن دنوں میں کالج کا طالب علم تھا مسٹر منٹگمری واٹ کا نام اکثر سننے میں آتا تھا۔ یہ بھی میرے لئے بہت دلچسپی کا موجب تھا کہ مسٹر واٹ اسلام پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ لیکن کالج کے زمانہ میں مجھے ان کے کسی کتاب کو پڑھنے کا موقع نہ ملا۔انگلستان آ کر مجھے شوق پیدا ہوا کہ مسٹر واٹ کی کتابیں پڑھی جائیں چنانچہ میں نے انکی کتابیں Muhammad at Macca اور Muhammad at Medina بڑے شوق سے

پڑھیں اور دل میں ان سے ملنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ مسٹر واٹ ان دنوں ایڈنبرا یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ میں نے انہیں خط لکھا اور ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے ان کا جواب ملا کہ وہ عنقریب لندن کسی کام سے آرہے ہیں اور وہ مجھے مطلع کریں گے کہ لندن میں ان کے پاس کون سا فارغ وقت ہوگا؟ چند دن بعد وہ لندن تشریف لائے۔ میں نے انہیں ایک ریسٹورنٹ میں لنچ پر مدعو کیا اور یوں ہماری پہلی ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات میرے پوچھنے پر کہ انہیں اسلام میں کیسے دلچسپی پیدا ہوئی انہوں نے بتایا کہ 1937ء میں اچانک ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا جس سے دورانِ طالب علمی انہیں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ مجبوراً انہوں نے اخبار میں ایک Paying Guest کو اپنے مکان پر بطور کرایہ دار رکھنے کا اشتہار دیا۔ ایک نوجوان نے، جو Vetenary Medicine کا طالب علم تھا، بطور کرایہ دار آنے کی خواہش ظاہر کی اور یہ نوجوان میرے گھر میں میرے ساتھ رہنے لگا۔ ناشتہ کی میز پر اور فارغ اوقات میں ہم خوب بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ یہ نوجوان احمدی تھا اور اسلام کے دفاع میں بڑی غیرت رکھتا تھا۔ اس نوجوان نے مجھے اسلام سے متعارف کرایا اور میری دلچسپی اس مذہب کے تفصیلی مطالعہ میں پیدا ہوئی۔ اس طرح میں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور پھر عرب ممالک میں بھی جا کر اسلام کا مطالعہ کیا اور یوں میں اس قابل ہوا کہ اسلامی موضوعات پر کتابیں لکھ سکوں۔

یہ ملاقات بہت دلچسپ اور معلومات افزا تھی۔ میں نے پروفیسر صاحب کو جماعتی مطبوعات پیش کیں جن میں سے بعض کا وہ پہلے ہی مطالعہ کر چکے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یوکے مشن کے زیر اہتمام جلسۂ سیرۃ النبی ﷺ کا انعقاد ہوا۔ خاکسار نے مسٹر منٹگمری واٹ کو بھی

دعوت دی کہ وہ اس جلسہ میں شریک ہو کر آنحضرت ﷺ کی سوانح پر خطاب فرماویں۔ مسٹر واٹ نے یہ دعوت قبول کر لی اور لندن تشریف لائے۔ ان کے قیام کا انتظام تو ایک قریبی ہوٹل میں تھا لیکن دونوں دن کھانے کا انتظام خاکسار کے گھر پر تھا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اُن دنوں مشن ہاؤس کے اوپر والے فلیٹ میں رہائش پذیر تھے اور دونوں وقت کھانے پر میرے گھر تشریف لاتے تھے۔ یہ دونوں اوقاتِ طعام میرے لئے علم و معرفت کے خزانے ہوتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ سے اپنی زندگی کے واقعات، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت سے اپنی رُوح پرور ملاقاتوں کا تذکرہ اور سیاسی امور پر بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ کھانے پر میں اکثر بعض مہمانوں کو بھی بلا لیا کرتا تھا جو حضرت چوہدری صاحبؓ کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا اور میں اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتا رہا۔

ایک دن جب پروفیسر منٹگمری واٹ میرے گھر لنچ پر مدعو تھے، ان کی ملاقات حضرت چوہدری صاحبؓ سے بھی ہوئی۔ یہ بے حد دلچسپ ملاقات تھی۔ دُنیا کے دو عظیم دانشور ایک میز پر بیٹھے تھے اور موضوعِ گفتگو اسلام تھا۔ دورانِ گفتگو حضرت چوہدری صاحبؓ نے مسٹر منٹگمری واٹ سے کہا کہ جب آپ کی کتاب Muhammad at Mecca میں نے پڑھی تو مجھے بہت مایوسی ہوئی کہ آپ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر بے بنیاد اور غلط اعتراضات کئے ہیں۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب پڑھنے کے بعد دل میں عہد کیا کہ اب آئندہ آپ کی کوئی کتاب نہیں پڑھوں گا۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ کی کتاب Muhammad at Medina چھپ کر آئی تو ایک دوست یہ کتاب میرے لئے بطور تحفہ لیکر آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ میں مسٹر منٹگمری واٹ کی کوئی

کتاب نہیں پڑھوں گا کیونکہ انکی پہلی کتاب میں حضورﷺ کا ذکر دیانت دارانہ انداز میں نہیں ہوا اور مسٹر واٹ نے تعصب کی عینک لگا کر کتاب لکھی تھی۔ اس دوست نے بتایا کہ اس کتاب میں مصنّف کا رویہ بالکل بدلا ہوا ہے۔ آپ اسے ضرور پڑھیں چنانچہ میں نے کتاب کا مطالعہ کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کا اندازِ تحریر اس کتاب میں بالکل بدلا ہوا تھا اور اس میں آپ نے واقعات کو بالکل صحیح انداز میں پیش کیا۔

مسٹر واٹ نے کہا چوہدری صاحب ! آپ نے بالکل درست سمجھا ہے Muhammad at Mecca لکھتے وقت میری معلومات زیادہ وسیع نہیں تھیں۔ لیکن بعد کے مطالعہ سے مجھے حضورﷺ کی اعلیٰ و ارفع ذات کا ادراک ہوا۔ اس لئے Muhammad at Medina لکھتے وقت میں نے صحیح اور درست حالات و واقعات کو بیان کیا اور پچھلی کتاب کی کوتاہیوں کا ازالہ کر دیا۔

مسٹر واٹ سے بعد میں بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک بات جس سے میں میں بیحد متاثر ہوا وہ مسٹر واٹ کی انکساری تھی باوجود اس کے کہ وہ 30 سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، اسلام پر مشہور اور مقبول کتب لکھ چکے تھے۔ عرب کے سربراہانِ مملکت، بادشاہوں اور اعلیٰ حکام سے ان کی بے تکلفانہ دوستانہ تعلقات تھے لیکن کبھی ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں بھی کوئی گھمنڈ یا بڑائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ بہت تپاک سے ملتے، بات بڑے غور سے سنتے تھے اور کبھی اس بات کا اشارۃً بھی اظہار نہ کرتے تھے کہ وہ ایک بڑی علمی ہستی ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملاقات کے دوران تو ایسا لگتا تھا کہ مسٹر واٹ اپنے محترم استاد کے سامنے باادب بیٹھے ہیں۔

سیرۃ النبیﷺ کے جلسہ میں مسٹر واٹ نے نہایت شاندار الفاظ میں حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور یہاں تک کہا کہ حضور ﷺ دُنیا کے سب سے بڑے انسان تھے۔ انہوں نے دنیا کو قرآن کی صورت میں ایک عظیم رہنما کتاب دی ہے جسے میں روزانہ پڑھتا ہوں۔

عام طور پر مستشرقین نے اسلام کا بہت غلط رنگ میں ذکر کیا ہے اور مغربی علوم کے لبادے اوڑھ کر بانیٔ اسلام اور اسلام پر ناروا حملے کئے ہیں لیکن جن اصحاب کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے میں نے انہیں اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق صاف دل پایا۔ واللہ اعلم باللہ۔

میری تصانیف

جب خاکسار 1959ء میں انگلستان پہنچا تو میں نے شدت سے محسوس کیا کہ ہمیں نوجوانوں اور نومسلموں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ اس وقت انگریزی زبان میں تربیتی موضوعات پر لٹریچر نہ ہونے کے برابر تھا۔ سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ''اسلامی نماز'' کے موضوع پر کوئی کتاب تیار ہو جائے جو نوجوانوں اور نومسلموں کیلئے اسلامی نماز کو سمجھنے اور اس کی صحیح ادائیگی میں مفید ثابت ہو سکے۔ اس وقت میری تلاش کے باوجود مجھے انگریزی زبان میں ایسی کسی تصنیف کا پتہ نہ چل سکا جس میں نماز پڑھنے اور اس کے ارکان کی صحیح ادائیگی کا طریقہ درج ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے میں نے انگریزی میں Muslim Prayer Book کی تیاری کا کام شروع کیا اور خاصی محنت کے بعد 1962ء میں یہ کتاب شائع کر دی۔ یہ کتاب 63 صفحات پر مشتمل ہے اور نہایت مقبول ہوئی ہے۔ اب تک اس کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ چار زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ فالحمد للہ۔

غانا گورنمنٹ پبلی کیشنز نے اسے 20,000 کی تعداد میں شائع کیااور وہاں اسکولوں کے نصاب میں اسے شامل کیا گیا۔ قادیان سے یہ کتاب 7000 کی تعداد میں شائع ہوئی۔اس طرح اس کا ایک ایڈیشن نائیجیریا سے بھی شائع ہوا۔ اس کتاب پر ایک یوگو سلاوین پروفیسر نے مفصل تبصرہ شائع کیا جسکا ذکر حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ نے ایک انٹرنیشنل شوریٰ میں فرمایا۔ فالحمدللہ۔

انہی دنوں جب مجھے کلبوں اور سوسائٹیوں میں اسلام پر تقاریر کے مواقع میسر تھے تو زیادہ تر سوالات اسلام میں عورت کے مقام اور حقوق پر ہوئے تھے۔اس بارہ میں مغرب بے شمار غلط فہمیوں کا شکار ہے۔خاکسار نے ایک مختصر سی کتاب The Status of Woman In Islam کے نام سے لکھ کر شائع کی۔ یہ بھی بہت مقبول ہوئی اور اب تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

1963ء میں خاکسار نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی تحریک پر ایک مختصر سا کتابچہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید مرحوم کی شہادت کے حالات پر انگریزی میں لکھ کر شائع کیا۔

1974ء میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ احمدی نوجوان نسل کو غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات سے آگاہ کیا جائے اور غیر احمدی علماء کے جھوٹ کو واشگاف کیا جائے۔خاکسار نے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی۔اس کتاب کا نام Truth About Ahmadiyyat ہے اس کتاب کا نام حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے تجویز کیا اور کتاب پر نظر ثانی فرمائی۔ یہ کتاب 100 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں قریباً ایک درجن اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔اس کتاب پر بہت

خوبصورت تبصرے ہوئے ہیں اور جماعت کے باہر بھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔

1975ء میں خاکسار نے ایک مختصر سی کتاب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارہ میں لکھی۔اس کا نام

A Glimpse Into The Life Of Hazrat Khalifatul Masih III ہے

یہ انگریزی زبان میں ہے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت پسند کی گئی ہے۔

1965ء میں احمدی بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں خاکسار نے انگریزی زبان میں ایک کتاب Islam-My Religion کے نام سے لکھی۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بے حد مقبول ہوئی۔اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کا ترجمہ اور زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

1974ء کے پرآشوب دور میں جماعت احمدیہ انگلستان نے اخبارات ورسائل میں ایک campaign چلائی تھی جس میں دشمنان احمدیت کا مقابلہ کیا گیا تھا اور صحیح حقائق دنیا کے سامنے پیش کئے تھے ۔ برطانیہ کے متعدد اخبارات و رسائل کے علاوہ دنیا بھر کے درجنوں اخبارات و رسائل میں جماعت کے حق میں مضامین شائع کروائے گئے تھے۔خاکسار نے ان تمام کٹنگز کو جمع کیا اور انہیں ملک وار ترتیب دے کر ایک کتابی صورت دے دی اور From the World Press کے نام سے شائع کر دیا ۔ یہ کتاب قریباً 200 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بے حد مقبول ہوئی۔ جرمنی اور انگلستان میں احمدی مہاجرین کے کیسز میں اسے کورٹس میں بھی پیش کیا گیا۔

1985ء میں جب خاکسار ربوہ میں مقیم تھا تو احباب اور دوستوں کے شدید اصرار پر خاکسار نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ گزارے ہوئے ماہ وسال

کے تذکرہ پر مشتمل ایک کتاب اردو زبان میں لکھی ۔ اس کا نام ''محمد ظفر اللہ خانؓ۔ چند یادیں'' رکھا۔ یہ کتاب ابھی طباعت کے مراحل میں تھی کہ فیصل آباد کے سیکرٹری مجلس ختم نبوت نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا کہ یہ کتاب بدنام زمانہ انٹی احمدیہ آرڈیننس کی خلاف ورزی ہے۔ چنانچہ خاکسار کے نام اور جس پریس میں یہ کتاب زیر طباعت تھی اس کے نام F.I.R درج کر دی گئی۔ پولیس نے اس پر چھاپہ مار کر کتاب اپنی تحویل میں لے لی اور پریس کے چار غیر از جماعت کارکنان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ میں ان دنوں صوبہ سرحد کے جماعتی دورہ پر گیا ہوا تھا۔ وہیں اطلاع ملی۔ بعدہٗ خاکسار برطانیہ پہنچ گیا جہاں حضورؒ نے خاکسار کو ایڈیشنل وکیل التصنیف اور چیئر مین رسالہ ریویو آف ریلیجنز مقرر فرمایا۔

انگلستان پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد خاکسار نے یہ کتاب انگلستان سے شائع کر دی۔ یہ کتاب خدا تعالیٰ کے فضل سے بے حد مقبول ہے۔ مجھے بہت سارے احمدی احباب نے بتایا ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت کیلئے وہ اس کتاب کا گھروں میں درس دیتے ہیں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنے کے سامان خدا تعالیٰ غیب سے پورے فرمائے۔ آمین۔

1986ء میں خاکسار نے ایک کتاب ''شہیدان راہ وفا'' کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب 150 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ افغانستان اور حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہید افغانستان کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی ہے۔ جماعت نے اسے لندن سے شائع کیا ہے۔

''شہیدان راہ وفا'' جب شائع ہوئی تو کثرت سے احباب نے مطالبہ کیا کہ اس کا

انگریزی ترجمہ شائع ہونا چاہئے تاکہ احمدی نوجوان اور نومسلم پبلک کو بھی فائدہ پہنچے۔

خاکسار نے اپنے پیارے بھائی انور احمد کاہلوں صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس کا انگریزی ترجمہ کریں۔انہوں نے بتایا کہ مجھے اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں خوشی محسوس ہوگی اور یہ میرے لئے ثواب کا بھی موجب ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت محنت سے اس کا خوبصورت انگریزی میں ترجمہ کر دیا اور یہ کتاب The Afghan Martyrs کے نام سے شائع ہوگئی۔خدا کے فضل سے یہ بھی انگریزی دان طبقہ میں بے حد مقبول ہوئی اور چند ہفتوں میں ساری کتاب فروخت ہوکر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔فالحمدللہ۔

میں اپنے عزیزوں، بچوں اور میری اس سوانح حیات کے پڑھنے والے مخلص دوستوں سے اپنے اس پیارے بھائی اور بزرگ محترم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب کیلئے دل کی گہرائیوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی محض للہ کی ہوئی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کی آل واولاد کیلئے اپنی رضا و محبت کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے۔

1995ء میں خاکسار نے ایک کتاب اردو زبان میں ''درس عبرت'' کے نام سے لکھی۔اس کتاب میں معروف معاندین احمدیت کے عبرتناک انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ کتاب بڑی محنت سے تیار کی گئی ہے۔اب تک اس کے ہزاروں نسخے فروخت ہو چکے ہیں۔یہ کتاب 200 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دومرتبہ عمرہ کرنے کی توفیق ملی ہے۔ چنانچہ خاکسار نے اس سفر کے حالات کو ''سفرنامہ دیارحبیب'' کے نام سے ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب جو شائع ہو چکی ہے قریباً 200 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے تین ابواب لاہور سے شائع ہونے والے ہفت روزہ رسالہ ''لاہور'' میں بااقساط شائع ہو چکے

ہیں۔قارئین نے اس پر بہت اعلیٰ تبصرے مجھے بھجوائے ہیں۔

1996ء میں خاکسار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت کے 14 مختلف پہلوؤں پر ایک کتاب تیار کرنی شروع کی تھی۔ برادرم محترم انور احمد صاحب کاہلوں نے بڑی محنت سے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔میرے نزدیک انگریزی زبان میں سیرت کے مضمون پر یہ بہت اہم کتاب ہوگی۔اب بھی اس پر کام ہو رہا ہے۔اب تک برادرم انور احمد صاحب کاہلوں نے جو ترجمہ کیا ہے اور مجھے بھجوایا ہے وہ 100 ٹائپ شدہ صفحات سے زائد ہے۔فالحمدللہ۔یہ کام انشاءاللہ جاری رہے گا اور اگر خدا نے چاہا تو یہ ایک خوبصورت علمی گلدستہ تیار ہو جائے گا جو ہماری انگریزی دان نسل کیلئے مشعل راہ کا کام دے گا۔کیونکہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کے مختلف دلکش اور ایمان افروز گوشے اُجاگر کئے گئے ہیں۔

میدان تبلیغ کے کچھ تجارب

اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک لمبے عرصہ تک خدمت دین کی توفیق عطا فرمائی۔فالحمدللہ۔اس دوران جو باتیں میں نے سیکھیں اور جن سے مجھے بیحد فائدہ ہوا، میں چاہتا ہوں کہ اس کا تذکرہ محض اس خیال سے کروں کہ میدان تبلیغ میں اُترنے والے نوجوانوں کو اس سے کچھ فائدہ پہنچے اور میرے لئے دعا کی بھی تحریک ہوتی رہے۔

میرے نوجوان واقفِ زندگی بھائیو اور عزیزو! آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کیلئے اپنی زندگی راہِ مولیٰ میں وقف کی ہے۔ایسے وقت میں جب نوجوانوں کو دنیا میں ترقی کرنے ، بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے اور مال و دولت جمع

کرنے کا شوق ہوتا ہے اور دنیا کے دروازے بھی اِن کیلئے کھلے ہوتے ہیں، آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر دنیا اور اس کی تمام آسائشوں کو قربان کرتے ہوئے دنیا سے کلیتہً منہ موڑ کر دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی تمام زندگی کو وقف کر دیا ہے۔ یہ بہت اعلیٰ، ارفع اور روحانی ترقیات کے حصول کیلئے ایک عظیم مقصد ہے اور یہ مقام کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ دنیا کی چکا چوند اور دنیا کی محبت سے اپنے آپ کو آزاد کرنا آسان کام نہیں۔ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کیلئے اپنی تمام خواہشات اور اپنی انا کو کلیتہً قربان کرنا پڑتا ہے اور وقف کرنے کے بعد خواہ کتنی ہی آزمائشوں سے گذرنا پڑے، واقف زندگی وہی ہوتا ہے جو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا اور اپنے عہدِ وقف کو ہر قسم کی ابتلاؤں، آزمائشوں اور تکلیفوں میں بھی صدقِ دل سے نبھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے قدم آزمائشوں میں ڈگمگانے کی بجائے اور مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

قدم جب میں نے رکھا راہِ الفت میں، تو دنیا نے
بہت آواز دی لیکن نہ دیکھا لوٹ کر میں نے

میدان تبلیغ میں ایک مبلغ کا سب سے بڑا حربہ دُعا ہے۔ دعا سے بند دروازے کھل جاتے ہیں اور دعا ہی دلوں کے قفلوں کو کھولتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارا کام تبلیغ کرنا اور دعا کرنا ہے، دلوں کو کھولنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو مبلغ محض اپنے علم، اپنی تقریر و تحریر اور اپنی عوامی مقبولیت کے بل بوتے پر یہ سمجھتا ہو کہ وہ زیر تبلیغ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے گا، سخت غلطی پر ہے۔ ان سب چیزوں کے ساتھ اگر دعا کی طاقت نہ ہو تو کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔ یہاں مجھے ایک ایمان افروز واقعہ یاد آ رہا ہے کہ انگلستان میں ایک ولی اللہ بزرگ داعی الی اللہ جناب بشیر احمد صاحب آرچرڈ ہوا کرتے تھے۔ یہ

گلاسگو میں تعینات تھے۔ایک دفعہ میں نے انہیں بحیثیت مشنری انچارج لکھا کہ گلاسکو سے بیعتوں کی کم ہی خبر آتی ہے،اس کی کیا وجہ ہے؟ کچھ دنوں بعد مجھے جناب آرچرڈ صاحب کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ انشاء اللہ 31 دسمبر سے پہلے پہلے وہ تین سکاٹش لوگوں کی بیعت بھجوائیں گے۔ مجھے اس سے حیرت ہوئی کہ وہ کیسے یہ پیشگوئی کر سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ سے قبل تین لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے؟ بات آئی گئی ہوگئی اور میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی۔چند دنوں کے بعد انہوں نے دو سکاٹش عیسائیوں کے بیعت فارم بھجوا دیئے۔ایک ڈیڑھ ماہ میں سال ختم ہونے والا تھا۔دسمبر کے وسط میں انہوں نے تیسرا بیعت فارم بھی ایک سکاٹش آدمی کا بھجوایا اور لکھا کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ کچھ عرصہ بعد میری ان سے ملاقات ہوئی۔میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے اسقدر یقین سے یہ بات کیسے کہہ دی تھی کہ 31 دسمبر تک تین سکاٹش اسلام قبول کریں گے! آرچرڈ صاحب فرمانے لگے:

> ''جب آپ کا خط مجھے ملا تو مجھے بڑی پریشانی ہوئی۔میں روزانہ تبلیغ کیلئے نکل جایا کرتا تھا۔پمفلٹ بھی بانٹتا تھا،تقاریر بھی کرتا تھا لیکن نتیجہ بیعت کی صورت میں نہیں نکلتا تھا۔جب آپ کا خط مجھے ملا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے کیونکہ محض میری محنت سے مجھے میری مراد نہیں مل رہی تھی۔چنانچہ میں نے خصوصی دعائیں شروع کیں اور آستانہ الٰہی پر رورو کر اور گڑگڑا کر سوال کیا کہ مولیٰ مجھے غیب سے کچھ لوگ عطا کر،جو تیرے بھیجے ہوئے دین پر ایمان لائیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے والے بنیں۔

میں چند دن متواتر نہایت تضرع سے دعاؤں میں لگا رہا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعائیں قبول کر لی ہیں اور سال کے اختتام سے قبل تجھے تین نومبائعین عطا کرے گا۔ میں نے اگلے دن آپ کو خط لکھ دیا، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری خواب سچی ہے۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے یہ تین اشخاص وقفہ وقفہ سے خود میرے دروازہ پر آئے اور مجھ سے اسلام کے بارہ میں دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ انہیں راہ چلتے چلتے مشن کا بورڈ نظر آیا تو دل میں تحریک ہوئی کہ معلوم کیا جائے یہ کون لوگ ہیں!

میں نے انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا تو انہوں نے بغیر کسی حیل وحجت کے بیعت فارم پر کر دیئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔''

مکرم آرچرڈ صاحب نے مزید فرمایا:

''یہ محض دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا۔ اس میں میری کوئی کوشش نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ خود ان لوگوں کو میرے دروازہ پر لایا تھا اور ان کے سینوں کو اسلام کیلئے کھول دیا تھا''۔

پس یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بغیر دعا اور تضرع کے میدان تبلیغ میں کامیابی ناممکن ہے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ میں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی زبانی سنا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں لندن مشن ہاؤس میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ دروازہ پر ایک انگریز آیا۔ میں نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کی خاطر تواضع چائے وغیرہ سے کی اور

اسے خوب تبلیغ کی۔ وہ میری باتیں غور سے سنتا رہا۔ بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میرا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ مجھے اس کے اس طرح چلے جانے سے بیحد رنج ہوا اور طبیعت اداس ہوگئی۔ میں سجدہ میں گر گیا اور میں نے دعا کی کہ مولیٰ تو ہی مدد فرما۔ تو ہی لوگوں کے دل اسلام کیلئے کھول سکتا ہے۔ میری تو تمام تقاریر اور دلائل بے اثر ثابت ہو رہی ہیں۔ تیری مدد کے بغیر میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ میں خوب رویا۔ ابھی میں دعاؤں اور گریہ وزاری میں مشغول تھا کہ دروازہ کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک انگریز کو کھڑا پایا۔ میں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ اس نے مجھ سے اسلام کے بارہ میں پوچھا۔ میں نے مختصر سا جواب دیا اور دل میں یہ خیال کیا کہ یہ بھی پہلے آدمی کی طرح چند سوالات کر کے چلا جائے گا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب پہلے ہی سوال کا جواب سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا؛ مجھے اسلام میں داخل کر لیں، مجھے مسلمان بنا لیں۔ یقیناً آپ کا مذہب خدا کی طرف سے ہے۔

حضرت مفتی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی اور مجھے یہ سبق ملا کہ دلوں کے تالے کھولنا اللہ کا کام ہے۔ ہمارا کام محنت کرنا اور دعا کرنا ہے۔ دعا میں بڑی طاقتیں ہیں۔

جو مبلغ میدانِ تبلیغ میں دُعا کو اپنا ہتھیار بناتے ہیں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں

میدان تبلغ میں کامیابی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ مبلغ نہ صرف ان لوگوں کیلئے ، جن کے ساتھ اسے کام کرنے کا موقع مل رہا ہے، دعائیں کریں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جس

ملک میں اُس کو کام کرنا ہے اِس کے بارہ میں بھی مکمل معلومات حاصل کرے۔ اِس ملک کی تاریخ، رسم رواج، اخبارات ورسائل، مذہبی تحریکات وسیاسی معاملات سے مبلغ کا باخبر رہنا بہت ضروری ہے۔ انگریزی محاورے کے مطابق مبلغ اور زیرِ تبلیغ لوگوں کا wave lengthایک ہونا ضروری ہے۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ انگلستان کے چند مبلغین حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ دعوتِ طعام میں شریک تھے۔ یہ عاجز بھی موجود تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے انگلستان کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کے بارہ میں ہم سب سے پوچھا۔ ہم سب نے جواب دیا کہ ہم نے تو برطانیہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ انگلستان کے کون کون سے مشہور اخبار ہیں اور ہم کن کن اخبارات کا مطالعہ باقاعدگی سے کرتے ہیں؟ ہمارا جواب یہاں بھی نفی میں تھا۔ اسی طرح حضرت چوہدری صاحبؓ نے متعدد سوالات برطانوی لوگوں کے رہن سہن وغیرہ کے بارہ میں پوچھے۔

آخر میں حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ نہ تو برطانوی لوگوں کی زبان بولتے ہیں، نہ ہی ان کے رسم ورواج سے واقف ہیں، نہ آپ نے ان کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، تو آپ کیسے یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی باتوں میں دلچسپی لیں گے اور آپ کی تبلیغ کو قبول کریں گے؟

آپ نے فرمایا؛ انگریزوں نے دنیا پر حکومت کی ہے یہ جس افسر کو جس ملک میں بھیجتے تھے، اس کو تاکید کرتے تھے کہ وہاں کی زبان سیکھے اور اس ملک کے رسوم ورواج سے واقفیت حاصل کریں۔ چنانچہ ان زبانوں پر زیادہ ریسرچ کا کام انگریزوں نے ہی کیا ہے اور جن

مما لک میں انگریز افسران تعینات رہے انہوں نے بعد میں ان مما لک پر تحقیقی کتابیں شائع کیں جو آج بھی لوگوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔

مبلغ میں خودداری اور انکساری کا خوبصورت امتزاج ہونا ضروری ہے۔ خودداری سے میری مراد یہ ہے کہ وہ کبھی بھی کسی شخص کو اپنی جماعت میں اس نظر سے نہ دیکھے کہ اسے اس شخص سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مبلغ کو ان چیزوں سے بالاتر رہنا چاہئے۔ خدا خود اس کی ضرورت کو پورا کرے گا۔ قناعت میں بڑی برکت ہے۔ اگر مبلغ اپنی جماعت میں سے چند لوگوں کا زیرِ احسان ہو جائے گا تو پھر وہ حق کی بات پورے زور سے نہ کر سکے گا اور اس کا کام ادھورا رہ جائے گا۔ مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ انڈونیشیا میں ہمارے ایک مبلغ حضرت سید شاہ محمد صاحب ہوا کرتے تھے جنہیں ایک لمبے عرصہ تک میدان تبلیغ میں خدمت کی توفیق ملی تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ خاکسار کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور کی طرف دیکھنا اور ان سے مانگنا مبلغ کا شیوہ نہیں۔ انہوں نے اپنا ایک واقعہ یوں بیان فرمایا:

> ''میں متواتر اٹھارہ سال انڈونیشیا میں کام کرتا رہا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے میں نے کبھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ اپنی ہر حاجت کیلئے اپنے رب کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا اور وہ میری حاجت روائی کرتا رہا جب اٹھارہ سال بعد میری واپسی کے احکامات ملے تو میں خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔
>
> میں بذریعہ بحری جہاز پاکستان کے لئے روانہ ہوا۔ میرے پاس ایک پرانی اچکن اور دو ایک دُھلے جوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ راستہ میں مجھے ایک دن خیال آیا کہ میں اتنے عرصہ کے بعد واپس اپنے ملک جا رہا ہوں اور

میرے پاس نئے کپڑے بھی نہیں ہیں جنہیں پہن کر میں ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر اُتروں۔ میں انہی خیالات میں تھا اور دعاؤں میں لگا ہوا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے اس قسم کی خواہش بھی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ یہ وقف کی رُوح کے خلاف بات ہے۔ میں نے توبہ واستغفار کیا۔

چند دن بعد جہاز سنگاپور میں لنگر انداز ہوا۔ میں عرشہ پر کھڑا نظارہ کر رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو ایک گٹھڑی اٹھائے جہاز پر چڑھتے دیکھا۔ اس نے جہاز کے کپتان سے میرے بارہ میں دریافت کیا۔ کپتان اسے میرے پاس لے آیا۔ وہ مجھ سے بغلگیر ہو گیا اور اس نے کہا کہ وہ احمدی ہے اور درزی کا کام کرتا ہے۔

اس نے بتایا کہ جب میں نے الفضل میں پڑھا کہ آپ فلاں جہاز سے پاکستان جا رہے ہیں اور یہ کہ یہ جہاز سنگاپور ٹھہرے گا، تو میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپ کے لئے کوئی تحفہ پیش کروں۔ میں نے آپ کی تصاویر دیکھی ہوئی تھیں۔ ان سے آپ کے قد کاٹھ کا اندازہ کر کے میں نے آپ کے لئے دو جوڑے کپڑے، ایک اچکن اور ایک پگڑی تیار کی ہے۔ میں درزی ہوں اور میں یہی کچھ ہی پیش کر سکتا تھا۔ آپ یہ قبول فرماویں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ کس طرح میرے خدا نے میری خواہش کو پورا کرنے کیلئے ایک ایسے احمدی کے دل میں تحریک کی جسے میں نہیں جانتا تھا اور نہ ہی وہ مجھے جانتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اگر مبلغ صرف آستانہ الٰہی پر جھکا رہے اور کسی کے

سامنے دست سوال دراز نہ کرے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے لئے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔

انکساری بڑا وصف ہے جو مبلغ کا زیور ہے۔ مبلغ خادم ہوتا ہے، اسے دوسروں کی خدمت میں لطف آنا چاہئے نہ کہ لوگوں سے اپنی خدمت کرانے کا شوق ہو۔ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے مبلغین کی خدمت اور قدر اور عزت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصل عزت، قدر اور خدمت وہ ہے جو بن مانگے ملے اور جس کیلئے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ مبلغ کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ وہ محض للہ کام کرتا ہے اور سب کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی کامیابی کیلئے کسی خاص پارٹی میں شریک نہیں ہوتا۔ اس کا کوئی الگ اور مخصوص طبقہ نہیں ہوتا جو اس کی ہاں میں ہاں ملائے بلکہ وہ ان چیزوں سے بالا ہوتا ہے اور اس کا سلوک اپنی جماعت کے افراد سے باپ جیسا ہوتا ہے جو اپنی اولاد میں کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھتا۔ ایک مبلغ کو اہم فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ اس بات کی پابندی اختیار کرے کہ فیصلہ کرتے وقت وہ کسی خاص شخصیت یا گروہ سے متاثر ہوئے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرے گا، تو اس میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ڈالی جائے گی۔

ایک مبلغ کیلئے یہ بھی نہایت ضروری اور مفید بات ہے کہ وہ روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے ترجمہ وتفسیر پر غور کرے کیونکہ تربیت اور تعلیم کا اصل منبع تو قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن پر ہر فیصلہ کا دارومدار ہو اور قرآنی رہنمائی مبلغ کو میسر ہو تو پھر اس کی میدان تبلیغ میں کامیابی سو فیصد یقینی ہے۔

قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے احادیث کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔ قرآن وحدیث کو

اس زمانہ میں سمجھنے کیلئے اور قرآن اور احادیث کے علوم کی گہرائی میں غوطہ زنی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور ملفوظات کنجی کا کام دیتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ کے حکم و عدل ہیں۔ ایک مبلغ کو بار بار ان روحانی خزائن سے استفادہ کرنا چاہئے۔

مبلغ درحقیقت خلیفہ وقت کی آواز ہوتا ہے۔ اس کا کام خلیفۂ وقت کے احکامات، خیالات، فرمودات اور حالات کو جماعت تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لئے ایک مبلغ کو خلافت احمدیہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ کر احباب جماعت تک ان فرمودات کو، نہ صرف پہنچانا ہوتا ہے بلکہ اس بات کا بھی خاص خیال رکھنا ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت کے احکامات و فرمودات پر جماعت کے افراد کا عمل بھی ہو۔ خلافت سے ہماری تمام ترقیات، خواہ وہ روحانی ہوں یا دنیاوی، وابستہ ہیں۔ خلافت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور اسی سے ہماری روحانی بقا وابستہ ہے۔

باب ششم

میری شادی اور اولاد

1956ء میں میں جامعۃ المبشرین کا طالب علم تھا کہ میرے والد صاحب نے مجھے لکھا کہ ان کی خواہش ہے کہ جلد از جلد وہ میری شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں ۔ انہوں نے چند رشتے بھی اس خط میں تجویز کر کے میری رائے دریافت کی تھی۔ میں نے جواباً انہیں لکھا کہ وہ میرے لئے جو بھی رشتہ تجویز کریں گے وہ مجھے بخوشی منظور ہوگا، اس لئے وہ جہاں چاہیں، میرا رشتہ طے کر دیں۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ انہیں محترم عبدالرحمٰن خان صاحب آف اسماعیلہ کی بیٹی سلیمہ ناہید پسند ہے۔ محترم عبدالرحمٰن خان صاحب میرے خالو تھے اور ان کے والد صاحب خان امیر اللہ خان صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ گویا سلیمہ میری خالہ زاد تھی اور میں نے انہیں دیکھا ہوا تھا۔ میں نے فوراً اپنی آمادگی کا خط حضرت والد صاحب کو بھجوا دیا۔ میرے خسر محترم عبدالرحمٰن خان صاحب بی اے تھے اور حکومت صوبہ سرحد کی سول سروس میں ملازم تھے۔

محترم عبدالرحمٰن خان صاحب کے والد محترم حضرت خان امیر اللہ خان صاحبؓ اسماعیلہ کے خان تھے۔ صاحب جائیداد اور اپنے علاقہ میں مشہور و معروف خوانین میں سے تھے۔ 1905ء میں انہیں احمدیت کی نعمت سے سرفراز ہونے کی توفیق ملی اور اسی سال کے

آخر میں جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر انہیں دستی بیعت کی بھی توفیق ملی تھی اور یوں خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں شریک ہونے کا اعزاز پایا۔ آپؓ کو مجھ سے بے حد محبت تھی۔ جب میں 1959ء میں انگلستان کیلئے روانہ ہوا تو باوجود بڑھاپے اور شدید ضعف کے آپؓ مجھے رخصت کرنے کیلئے ربوہ تشریف لائے۔

10 دسمبر 1956ء کو میری شادی سلیمہ ناہید سے ہوگئی۔ بارات ہمارے گاؤں محبّ بانڈہ (Mohib Banda) سے پشاور گئی اور سلیمہ ناہید کو میں پشاور سے گاؤں لے آیا۔

آج یعنی مارچ 2009ء کو میری شادی ہوئے 53 سال ہو چکے ہیں۔ سلیمہ بیگم نے اس تمام عرصہ میں جس طرح میرا خیال رکھا، میری اطاعت کی اور مجھ سے تعاون کیا، وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا اور میں علی وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ وقف میں جو بھی تھوڑی بہت کامیابی مجھے ملی اور جس طرح میں نے عہد وقف کو نبھانے کی جدوجہد کی، اس میں بیشتر حصہ سلیمہ بیگم کا ہے۔ میں بوجہ مبلغ سلسلہ ہونے کے دن رات سلسلہ کے کاموں میں مگن رہتا رہا۔ راتوں کو بارہا اتنی دیر سے آتا رہا کہ سلیمہ بیگم اور بچے سو چکے ہوتے تھے لیکن سلیمہ بیگم نے مجھ سے کبھی اس سلسلہ میں کوئی شکوہ شکایت کی بات نہیں کی۔ سلسلہ کے مہمانوں کی مہمان نوازی نہایت بشاشت سے کرتی رہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت بیگم صاحبہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیشتر افراد ہفتوں ہمارے ہاں آکر قیام پذیر ہوتے تھے۔ ان سب کی خدمت نہایت بشاشت سے کرتی رہیں۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ برسوں ہمارے ساتھ کے فلیٹ میں مقیم رہے۔ ان کی خدمت خاطر تواضع اور ان کے مہمانوں کی بھی خاطر تواضع بہت شوق اور

اخلاص اور بشاشت سے کرتی رہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی ان سے نہایت شفقت فرماتے تھے اور پیار سے انہیں ''خانم'' کہہ کر پکارتے تھے۔ سلیمہ بیگم کو بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پورا کرنے کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔

میرے بچوں کی شادیاں ہوئیں۔ بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں ضروری انتظامات کرنے اور باقی تمام ضروریات کا باحسن خیال رکھنے میں سلیمہ بیگم نے مجھے کلیۃً بےفکر رکھا اور انتہائی سلیقہ سے میرے گھر کو جنت بنائے رکھا۔ فجز اہ اللہ احسن الجزاء۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے چھ بچوں سے نوازا جن میں سے ایک بچہ جمیل احمد صرف دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ یہ بہت بھاری صدمہ تھا، لیکن سلیمہ بیگم نے مومنانہ صبر سے اس صدمہ کو برداشت کیا اور اللہ کی رضا پر راضی رہیں۔

منیر احمد: اکتوبر 1957ء میں میرا بڑا بیٹا منیر احمد پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش سے چند گھنٹے قبل میرے والد صاحب کو دورانِ نماز منیر احمد دکھایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً مجھے مبارک باد دی اور فرمایا کہ میں نے تمہارا لڑکا دیکھا ہے۔ خوش شکل ہے، تمہیں مبارک ہو۔ اس کے دو یا تین گھنٹے بعد منیر احمد پیدا ہوا۔ فالحمدللہ۔

میں نے اسی وقت حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں خط لکھا، دعا کی درخواست کی اور بچے کا نام تجویز فرمانے کی بھی درخواست کی۔ حضورؓ نے دعائیہ جواب بھجوایا اور نام ''منیر احمد'' رکھا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے شہد جسے پہلے انہوں نے خود چکھا تھا، بچہ کو دینے کیلئے بھجوایا۔

منیر نے جب پرائمری تعلیم مکمل کی تو میری خواہش ہوئی کہ اسے لندن کے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے Emanuel School میں داخل کراؤں۔ اس کے داخلے کا امتحان بہت

سخت تھا۔ منیر احمد نے بھی امتحان دیا چونکہ اس سکول میں داخلہ آسانی سے نہیں مل سکتا تھا اس لئے میں نے بہت دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے غیر معمولی کامیابی عطا فرمائے۔ ایک دن صبح کے وقت میری زبان پر یہ مصرع جاری تھا۔

بر کریما کارہا دشوار نیست

کہ اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہے۔

اور تفہیم یہ ہوئی کہ منیر احمد کو داخلہ مل جائے گا۔ اسی دن جب ڈاک آئی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے منیر احمد کو داخلہ مل جانے کی اطلاع کا بھی خط تھا۔ فالحمدللہ۔

منیر احمد کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمت کا بھی خوب موقع ملا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو بھی اس سے بہت پیار تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر جب منیر احمد کو ایک ریفرنس کی ضرورت پڑی تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے ریفرنس لکھ کر دیا اور خلافِ معمول اس کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ اپنے خطابات و اعزازات کا بھی اندراج کیا۔

منیر احمد کی شادی محترم چوہدری ناصر محمد صاحب سیال مرحوم کی بیٹی سعدیہ بیگم سے ہوئی۔ ان کے تین بچے ہیں۔ ایک لڑکا فراز احمد ہے۔ دو بیٹیاں زجاجہ عفت اور آمنہ عنبر ہیں۔ الحمدللہ۔

امۃ الجمیل: میری بڑی بیٹی کا نام امۃ الجمیل ہے۔ یہ لندن میں پیدا ہوئی۔ میں سلسلہ کے کام سے ساؤتھ آل گیا ہوا تھا۔ وہاں مجھے اطلاع ملی کہ فوراً مشن واپس پہنچوں۔ تھوڑی دیر کے بعد امۃ الجمیل پیدا ہوئیں فالحمدللہ۔ پٹھانوں میں لڑکیوں کی پیدائش کو اچھا نہیں سمجھا جاتا جبکہ لڑکوں کی پیدائش پر خوب خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ میں نے خدا کے فضل

سے اس فضول اور غیر اسلامی رسم کو توڑتے ہوئے امۃ الجمیل کی پیدائش پر خوب مٹھائی تقسیم کی اور خوشی منائی۔ فالحمدللہ۔

امۃ الجمیل کی شادی جناب صوبیدار عبدالغفور خان صاحب آف ٹوپی صوبہ سرحد کے فرزند محترم اعجاز احمد خان صاحب سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں پانچ لڑکوں سے نوازا ہے۔ بڑا بیٹا افتخار احمد خان ہے جس کی شادی اپنی پھوپھی کی بیٹی رابعہ بیگم سے ہوئی ہے۔ دوسرا بیٹا ریاض احمد ہے، تیسرا بیٹا غالب احمد ہے، چوتھا عباس احمد اور پانچواں ایاز احمد ہے۔ یہ ڈیٹرائیٹ امریکہ میں مقیم ہیں۔ اعجاز احمد خان IT میں ملازم ہیں۔

امۃ النصیر: میری دوسری بیٹی امۃ النصیر ہے۔ جسے ہم پیار سے ''نینو'' کہتے ہیں۔ یہ بھی لندن میں پیدا ہوئی ہے۔ جمیلہ اور نینو اور بشریٰ یعنی میری تینوں بیٹیوں کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور حضرت خلیفہ ثالثؒ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کی خوب توفیق ملی۔ فالحمدللہ۔ امۃ النصیر کی شادی میرے ماموں زاد محترم ڈاکٹر عبدالوحید خان صاحب سے ہوئی ہے۔ مکرم ڈاکٹر عبدالوحید خان کے والد حضرت عبدالقدوس خان صاحب میرے ماموں تھے۔ صوبائی امیر تھے اور لمبے عرصہ تک خدمت سلسلہ کی توفیق انہیں ملی۔ امۃ النصیر کی شادی کھاریاں میں ہوئی، جہاں میرے بھائی کرنل نذیر احمد اُن دنوں کمانڈنٹ تھے۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، حضرت چوہدری بشیر احمد صاحب والد بزرگوار برادرم انور احمد صاحب کاہلوں نے لاہور سے تشریف لاکر شادی میں شرکت کی اور ہماری عزت افزائی فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

ڈاکٹر عبدالوحید خان اور امۃ النصیر کو اللہ تعالیٰ نے تین بچوں سے نوازا ہے۔ بڑی بیٹی مدیحہ حنا ہے۔ اس کی شادی حال ہی میں عزیز فیض الرحمٰن ابن محترم ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب

آف لاس اینجلس سے ہوئی ہے۔ محترم ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب کے والد صاحب محترم مولوی خلیل الرحمٰن صاحب قادیان میں میرے استاد تھے اور پختون ہونے کے ناطے مجھ سے بے حد محبت، شفقت اور پیار کا سلوک فرماتے تھے۔ عزیز فیض الرحمٰن ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے نواسے ہیں۔

بیٹے کا نام ہمایوں احمد خان ہے۔ ہمایوں کے بعد ایک بیٹی ہے جس کا نام عالیہ نور ہے۔

بشریٰ ناہید: میری تیسری بیٹی بشریٰ ناہید ہے۔ یہ بھی لندن میں پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ ربوہ میں بھی رہی۔ بشریٰ نے لندن یونیورسٹی سے بی اے آنرز کیا ہے۔ بشریٰ کی شادی جلنگھم کے محترم مرزا بشیر احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے عزیزم مرزا ضمیر احمد صاحب سے ہوئی ہے۔ ضمیر احمد نے انجینئرنگ میں لندن یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ہے اور اب یہ سب امریکہ میں مقیم ہیں۔ ان کے چار بچے ہیں۔ نتاشہ بڑی بیٹی ہے اس کے بعد ماہہ چھوٹی بیٹی ہے پھر اس سے چھوٹی بیٹی زینب اور پھر ایک بیٹا ہے جس کا نام موسیٰ ہے۔ فالحمد للہ۔

محمود احمد: میرا آخری بچہ محمود احمد ہے۔ انہی دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اپنے دورہ انگلستان پر تشریف لائے تو حضرت بیگم منصورہ صاحبہ نے بار بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا فرمائے گا، میں دعا کر رہی ہوں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمود احمد پیدا ہو گیا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں اس کی پیدائش پر تار دی تو حضورؒ نے بغیر میری درخواست کے بذریعہ تار مبارک باد بھجواتے ہوئے اس کا نام "

محموداحمدؒ'' تجویز کیا۔

ایک عجیب بات یہ بھی ہوئی جو ہم سب کیلئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہے کہ میرے بہت پیارے دوست اور بزرگ حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحب جنہیں اپنے سینیاء میں جماعت کی خدمت کی غیر معمولی توفیق ملی اور جو حضرت سردار مہر سنگھ صاحب (حضرت عبدالرحمٰن صاحب) کے فرزند تھے، ان دنوں لندن میں مقیم تھے۔ آپ بہت دُعا گو بزرگ تھے۔ ایک دن میں نے ان سے درخواست دعا کرتے ہوئے عرض کیا کہ دعا کریں، مجھے اللہ تعالیٰ لڑکا عطا فرمائے۔ کچھ دنوں بعد حضرت ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے دعا کی ہے انشاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا لیکن اس کا نام ''محمود احمد'' رکھنا ہوگا۔ جب محمود احمد پیدا ہوا اور بغیر میری درخواست کے حضورؒ نے اس کا نام محمود احمد رکھا تو ایک دن حضرت ڈاکٹر نذیر احمد صاحب تشریف لائے۔ بچے کی پیدائش پر مجھے مبارک باد دی اور پھر دریافت کیا کہ نام کیا رکھا ہے؟ میں نے انہیں حضورؒ کا تار دکھایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دیئے ہوئے نام کو حضورؒ کے دل میں بھی القاء کر دیا۔ محمود احمد کی شادی پشاور میں میرے ماموں زاد بھائی عبدالعزیز خان صاحب نائب امیر پشاور کی بیٹی عزیزہ ثمر سے ہوئی ہے۔ فالحمدللہ۔ ان کے دو بچے ہیں۔ بیٹے کا نام یوسف احمد ہے اور بیٹی کا نام مریم ہے۔

میرے تمام بچے نواسے اور نواسیاں، پوتے اور پوتیاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سعادت مند، خوش اخلاق، سلسلہ کے مخلص خادم، خلافت کے فدائی اور ہمارے خدمت گذار ہیں۔ فالحمدللہ۔ یہ سب میرے والدین اور خلفائے احمدیت اور بزرگوں کی دعاؤں کے شیریں ثمر ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ آمین۔

میرے بہن بھائی

میرے والدین کو اللہ تعالیٰ نے 5 بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے۔ میرا ایک بھائی اور ایک بہن 5 اور 6 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ بھائی کا نام بشیر احمد تھا اور بہن کا نام ماہِ طلعت تھا۔ یہ صدمہ میرے والدین کیلئے بہت عظیم تھا اس لئے کہ یہ دونوں بہن بھائی چالیس دن کے اندر اندر وفات پا گئے تھے۔ پہلے ماہِ طلعت بیمار ہوئی اور اس کی وفات کے چالیس دن بعد بشیر احمد فوت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان دونوں کی وفات پر میرے والدین نے صبر کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ گاؤں کے رواج کے برخلاف کوئی ماتم نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے کا اعلیٰ عملی نمونہ دکھایا۔ حضرت والد صاحب نے اس شدید غم کے دنوں میں خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔ بالخصوص دو لڑکوں کی پیدائش کی بھی خوشخبری دی گئی۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواب تحریر کی تھی، جو میں نے بھی دیکھی تھی لیکن افسوس کہ اب کہیں ضائع ہو چکی ہے۔

امۃ الکریم: میری بڑی ہمشیرہ امۃ الکریم تھیں جو چند سال قبل وفات پا چکی ہیں۔ یہ مجھ سے تین سال بڑی تھیں۔ ہم دونوں کا بچپن ساتھ ساتھ گذرا اور ہم دونوں کو آپس میں بے حد محبت تھی۔ امۃ الکریم کی شادی چارسدہ کے خان محمد اکرم خان صاحب کے بیٹے محمد حسن خان صاحب درانی مرحوم سے ہوئی۔ خان محمد اکرم خان صاحب صوبہ سرحد کے پہلے گریجویٹ تھے اور علامہ اقبال کے کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ بہت مخلص اور فدائی احمدی تھے۔

مجھ سے بہت پیاراور محبت سے پیش آتے تھے۔قادیان جب بھی آتے ، مجھے بورڈنگ میں خاص طور پر ملنے کیلئے تشریف لاتے تھے اور تحفے بھی لاتے تھے۔انہیں تبلیغ کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ان کے اس خصوصی جذبہ ٔ تبلیغ کی وجہ سے غیر احمدی انہیں ''پیغمبر'' بھی کہا کرتے تھے۔چارسدہ کے قریب انہوں نے ایک گاؤں خود آباد کیا تھا،جس میں رہائش پذیر تھے۔اردگرد ان کی زرعی زمینیں تھیں۔انہیں اللہ تعالیٰ نے شہادت کا مقام عطا کیا۔ چنانچہ تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 256 پر ان کی شہادت کا واقعہ یوں درج ہے:

''اس سال کے شروع میں ایک المناک واقعہ چارسدہ ضلع پشاور کے رئیس اور مخلص احمدی محمد اکرم خان صاحب کا واقعہ شہادت ہے جو 10 جنوری 1950ء کو پیش آیا۔سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ 76 سال کی عمر کے تھے اور ایک رئیس خاندان میں سے تھے۔یہ وہی ہیں جن کے متعلق ان کے بھائی نے بیان کیا تھا کہ ہم نے ایک اٹھنی احمدیوں کو دے دی ہے اور ایک اٹھنی غیر احمدیوں کو دے دی ہے۔یہ پہلے پیغامی جماعت کے ساتھ تھے،بعد میں مبائعین میں شامل ہو گئے۔خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی شہادت میں بعض مولویوں کا ہاتھ تھا،لیکن ممکن ہے یہ غلط ہو۔کیونکہ پٹھانوں میں چھوٹی سی چھوٹی رنجش پر بھی ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں۔بہرحال وہ نہایت مخلص اور جوشیلے احمدی مبلغ تھے''

میرے بہنوئی محمد حسن خان درانی بہت مخلص، دیندار اور صوفی مزاج انسان تھے۔امۃ

الکریم اور محمد حسن خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تین فرزند محمد سعید خان درانی، محمد ارشد خان درانی اور محمد داؤد خان درانی عطا فرمائے اور ایک بیٹی شاہدہ بیگم عطا فرمائی۔

کرنل نذیر احمد خان: میرے ایک ہی بھائی کرنل نذیر احمد خان ہیں جو ان دنوں شکاگو میں مستقلاً مقیم ہیں۔ ہمارا بچپن اکٹھے گذرا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم دونوں میں بیحد پیار اور محبت ہے۔ باوجود اس کے کہ نذیر احمد مجھ سے صرف تین سال چھوٹے ہیں، وہ میرا احترام باپ کی طرح کرتے ہیں۔ نذیر احمد فوج میں کرنل کے عہدہ پر فائز رہے۔

1959ء میں جب میں انگلستان کیلئے روانہ ہوا تو میری والدہ بہت غمگین رہنے لگیں۔ ان دنوں سات سمندر پار کا سفر یوں لگتا تھا گویا جانے والے اب شاید کبھی واپس نہ آئیں۔ مجھے یاد کر کے اکثر والدہ صاحبہ روتی رہتی تھیں۔ ایک دن میرے والد صاحب انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملاقات کیلئے لے گئے اور حضورؓ کو والدہ صاحبہ کے غمگین رہنے اور رونے دھونے کا بتایا اور عرض کیا کہ یہ بشیر احمد کے بچھڑنے پر بیحد غمزدہ ہیں۔ حضورؓ نے والدہ صاحبہ کو مخاطب کر کے فرمایا؛ آپ کیوں روتی ہیں آپ کو تو خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے دیئے جن میں سے ایک دین کی فوج کا سپاہی بنا ہے اور دوسرا دنیا کی فوج کا سپاہی ہے۔

برادرم نذیر احمد فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد جماعت احمدیہ شکاگو کی خدمت میں دن رات مگن ہیں۔ کئی سال تک جماعت شکاگو کے جنرل سیکرٹری رہے اور دوسرے کئی جماعتی عہدوں پر فائز رہے اور اب بھی ہیں۔ 1974ء میں جماعت کے خلاف پاکستان میں مجلس ختم نبوت کے مولویوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ احمدیوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور اُن پر حملے کر کے بعض کو شہید اور بے شمار معصوم احمدیوں کو زخمی کیا گیا۔

برادرم کرنل نذیر احمد محفوظ فوجی چھاؤنی میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے گردونواح کے معصوم احمدیوں کیلئے اپنے دروازے کھول دئے اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ مہمان، جب تک ہنگامے جاری رہے بحفاظت چھاؤنی میں ان کے ہاں مقیم رہے۔

انکی شادی محمد رستم خان صاحب شہید کی صاحبزادی عزیزہ شمیم اختر صاحبہ سے ہوئی۔ محمد رستم خان صاحب خلافت ثالثہ کے دور کے پہلے شہید ہیں جنہیں احمدیت کے مخالفین نے ان کے گاؤں میں گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔

نذیر احمد کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں تنویر احمد، ڈاکٹر ندیم احمد اور ڈاکٹر فہیم احمد سے نوازا ہے اور ایک بیٹی درثمین نوشین ہیں۔ یہ سب شکاگو میں آباد ہیں۔ عزیزم ڈاکٹر فہیم احمد کارڈیالوجسٹ ہیں اور قابل ڈاکٹر ہیں۔ میں جب بھی شکاگو جاتا ہوں، عزیزم فہیم احمد میرے دل کا علاج انتہائی توجہ، محبت اور اخلاص سے کرتے ہیں اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔ فجزاءاللہ احسن الجزاء۔

امۃ الحفیظ: میری دوسری بہن امۃ الحفیظ ہیں۔ ان کی شادی پشاور کے قریب گاؤں شیخ محمدی کے خان عبدالقیوم خان کے صاحبزادے محمد حسین خان صاحب مرحوم سے ہوئی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں ڈاکٹر مبشر احمد، مقصود احمد، کلیم احمد اور منصور احمد سے نوازا۔ ایک بیٹی راشدہ ہیں۔ محترم محمد حسین خان صاحب بہت حلیم طبیعت کے انسان تھے اور مخلص اور فدائی احمدی تھے۔

امۃ الحمید: میری تیسری بہن امۃ الحمید ہے۔ ان کی شادی حضرت صاحبزادہ

عبداللطیف صاحب شہیدؓ کے پوتے صاحبزادہ محمود احمد صاحب سے ہوئی۔ صاحبزادہ محمود احمد صاحب چند سال قبل وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم نہایت کم گو، بے حد مخلص اور نیک انسان تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں، ڈاکٹر منظور احمد وعمران خان اور دو بیٹیوں امۃ الباسط اور طاہرہ بیگم سے نوازا ہے۔

امۃ الوحید: میری چوتھی بہن امۃ الوحید ہے۔ ان کی شادی بھی حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ کے پوتے صاحبزادہ فاضل لطیف صاحب سے ہوئی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیوں نومی اور عاشی اور ایک بیٹے خالد احمد سے نوازا ہے۔ فالحمدللہ۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہم سب کو مخلص احمدی ، خلافت احمدیہ کے شیدائی اور دین دار بنائے۔ آمین۔

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتداء کررہاہوں

آج میں نے اپنی زندگی کے 77 سال پورے کر لئے ہیں۔اب زندگی کی شام ہے۔ جوانی کی بےشمار سرگرمیاں اب ماند پڑ چکی ہیں اور بقولِ شاعر حال یہ ہے کہ؎

وقتِ پیری شباب کی باتیں
چھوڑئے یہ ہیں خواب کی باتیں

زندگی کے جس گھوڑے پر میں سوار ہوں وہ سرپٹ بھاگا جارہاہے اور اپنی منزل مقصود یعنی دنیائے آخرت کی طرف رواں دواں ہے۔سوار کو یہ معلوم نہیں کہ کب وہ اپنی منزل مقصود کو پالے گا؎

رو میں ہے رَخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یعنی عمر کا گھوڑا تیزی سے اپنی منازل طے کررہاہے اور سوار کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ نہ اس کے پاؤں رکاب میں ہیں اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ ہے۔وہ بے بسی کی تصویر بنا بیٹھا ہے۔اس کیفیت کو سادہ الفاظ میں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے؎

لائی حیات آئے قضاء لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

انسان بھی کتنا بے بس ہے! نہ اسے اپنی پیدائش پر اختیار ہے اور نہ موت پر۔وہ اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو روکر احتجاج کرتا ہے کہ اسے،اب جب تک وہ زندہ ہے،اپنے کئے کا

حساب دینا ہوگااور جب مرتا ہےتو دوسرےاس پر روتے ہیں کہ نہ جانے اب اگلے جہان میں اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ وہ اللہ کی رضا پانے والوں میں سے ہوگا یا اس کی ناراضگی کی دوزخ کا ایندھن بنے گا۔غرض وہ ایک بیم ورجاء کی کیفیت میں زندگی گذارتا ہے۔

میں اپنی گذشتہ زندگی کے ماہ وسال پرنظر ڈالتا ہوں تو ایک فلم ذہن کے پردہ پر چلنے لگتی ہےاور میں اس میں ہمہ تن کھوجاتا ہوں۔

میری زندگی کی سمت اوراس کا قبلہ تو میری پیدائش سے قبل ہی میرے مرحوم ومغفور محترم والدصاحب نے متعین کرلیا تھا۔انہوں نے احمدیت قبول کی تو گاؤں میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ پرائے تو پرائے اپنوں نے بھی ان کی مخالفت میں کوئی کسرنہیں چھوڑی۔وہ کونسا ظلم ہے جوان پر روانہ رکھا گیا؟اورتو اوران کے والدصاحب،جنہیں اِن سے بیحد پیارتھا،ان کے جانی دشمن ہوگئے اوران کے قتل کے درپے ہوئے۔اِن کے بھائی بہنوں نے اِن سے نہ صرف منہ موڑا بلکہ اِن کے دشمنوں کے ساتھی بن گئے ۔ان کے دوست ان کے دشمن بن گئےاوردوستی کےلبادہ میں ان کےخلاف سازشیں کرتے رہے۔

کھا کر جو تیر دیکھا کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

والی کیفیت سے انہیں گذرتا پڑا۔ان کا رشتہ ٹوٹ گیا،ان کا بائیکاٹ کیا گیا،ان پر جان لیوا حملے ہوئے،انہیں مقدمات میں پھنسایا گیالیکن آفریں ہےاس مردِمومن پر کہ اس کے قدم مضبوطی سے احمدیت پر جمے رہےاوروہ خوشی خوشی دوستوں ودشمنوں کے تیرکھاتے رہےلیکن ان کی زبان سے اُف تک نہ نکلا۔ وہ اپنے دشمنوں کیلئے دعا کرتے رہے اور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خوبصورت شعر کو انہوں نے حرز جاں بنائے رکھا۔

گالیاں سن کے دعا دو، پا کے دُکھ آرام دو

میرے محسن و مشفق باپ نے میرے لئے احمدیت کی نعمت میری پیدائش سے قبل ہی مہیا کر دی تھی اور یہ ان کا اتنا بڑا احسان ہے جس کا بدلہ میں تو کیا میری آئندہ آنے والی نسلیں بھی ادا نہ کر سکیں گی۔ آج میں اپنے ماں باپ کو یاد کرتا ہوں تو میرا دل پگھل جاتا ہے، آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور میرے دل کی گہرائیوں سے انکی مغفرت کیلئے دعائیں نکلتی ہیں۔ پھر مجھے خدا نے ایک ایسی ماں عطا فرمائی جو اسلام اور احمدیت کی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ تھیں۔ میں نے انہیں کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا، کبھی کسی کو گالی دیتے نہیں سنا، کبھی کسی کی دل آزاری کرتے نہیں دیکھا۔ وہ مجسم رحمت و شفقت تھیں۔ انہوں نے میری تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آج مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں، بوجہ حصول تعلیم، لمبے لمبے عرصہ تک ان سے جدا رہا اور اِن سے مکمل استفادہ نہ کر سکا۔ آج بھی میں اس محرومی پر افسردہ ہو جاتا ہوں اور غمگین ہو جاتا ہوں۔ اس جہانِ رنگ و بو میں آنے کے بعد میرے والد صاحب نے سب سے پہلا اور سب سے بڑا احسان مجھ پر یہ کیا کہ انہوں نے مجھے بتلائے بغیر راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں کیں کہ میں اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کروں۔ میں ان کا بڑا بیٹا تھا اور مجھ سے پہلے ان کا ایک بیٹا نوعمری میں ہی فوت ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ سکتے تھے اور اس کے لئے بھی دعا کر سکتے تھے کہ میں دنیا میں بڑا آدمی بنوں اور نام کماؤں اور مال و دولت کا وافر حصہ پاؤں۔ لیکن انہوں نے صرف ایک دعا پر زور دیا کہ ان کا یہ پہلوٹھا بیٹا واقف زندگی بنے۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وقف کرنا جان جوکھوں کا کام ہے، دنیا سے کلیتہً منہ موڑنے کا نام ہے۔ اپنے آپ کو تکالیف، مصائب اور ابتلاؤں

میں ڈالنے کا نام ہے۔لیکن انہوں نے اپنے پاؤں میں کسی قسم کی لرزش نہ آنے دی۔ ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا آخری عمر میں اس کا سہارا بنے اور وقت رخصت اس کے جنازہ کو کندھا دے،لیکن میرا باپ تو اللہ کی رضا کے حصول کیلئے دنیا جہان کو تیاگ دینے اور قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتا تھا۔ان کی زندگی کا مطمح نظر صرف اور صرف اپنے مولیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول تھا۔ وہ انسان کے بھیس میں ایک فرشتہ تھا۔انہوں نے اپنے آپ کو فنافی اللہ کے اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ان کی کیفیت دست درکار دل بایار والی تھی۔وہ راتوں کو اٹھ اُٹھ کر، رورو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔ان کا دل دنیا سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ان کو نہ اپنی جائیداد میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ اپنی زمینداری اور تجارت میں۔انہوں نے ایک کثیر زرعی جائیداد کا مالک ہونے کے باوجود درویشی میں زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔

میرے والد صاحب مرحوم اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کے مسیح موعودؑ کے عشق میں فنا ہو چکے تھے۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سنتے تو اٹھ کر احتراماً بیٹھ جایا کرتے تھے۔ قرآن و حدیث اور کتب مسیح موعودؑ کا مطالعہ انکا اوڑھنا بچھونا تھا۔درجنوں احادیث بزبان عربی ان کو ازبر تھیں۔قرآن کریم کا مطالعہ اس کثرت سے کیا تھا کہ دوران گفتگو اپنی بات کی تائید میں قرآنی آیات کثرت سے پیش کیا کرتے تھے۔

مجھے آج بھی وہ منظر نہیں بھولتا جب انہوں نے مجھے ایک خدمت کیلئے رخصت کیا تھا۔میرے ذہن کے پردہ پر یادوں کی برات چل رہی ہے۔ مجھے فیصل آباد کا ریلوے

اسٹیشن یاد آتا ہے۔ میں اپنی بیوی سلمٰی ناھید اور بچے منیر احمد کے ساتھ انگلستان روانہ ہونے کیلئے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی کے آنے کا منتظر ہوں۔ میرے والد صاحب مرحوم بھی میرے ساتھ خاموش کھڑے ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا سات سمندر پار جا رہا تھا۔ دونوں کو نہیں معلوم کہ اب زندگی میں ان کی ملاقات ہوگی بھی یا نہیں اور دونوں کے دلوں میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے۔ ہم کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ پھر میرے والد صاحب مرحوم نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ مجھے ان کی سسکیوں کی آواز آ رہی ہے، ان کا سینہ اُبل رہا ہے۔ مجھے بھی اپنی طبیعت پر کوئی ضبط نہیں رہا۔ دیر تک میرے پیارے والد صاحب مرحوم نے مجھے سینے سے سے لگائے رکھا۔ پھر انہوں نے مجھے الگ کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمانے لگے:

> پیارے بیٹے! تم نے اپنی مرضی سے، جس میں میری دعائیں بھی شامل تھیں، اپنی زندگی اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ اب تم میدان تبلیغ میں مجاہد بن کر جا رہے ہو۔ نہ معلوم اب زندگی میں ہماری ملاقات ہو بھی یا نہیں۔ مجھے تم سے بچھڑ جانے کا غم ضرور ہے لیکن میرا دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے میرے بیٹے کو زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔
>
> پیارے بیٹے! اب جب کہ تم نے اپنے آپ کو وقف کر لیا ہے تو اب پیچھے مڑ کر دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب تم نے بقیہ زندگی بطور واقف زندگی بسر کرنی ہے۔ خبردار تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے، تمہیں یورپ کی چکا چوند متاثر نہ کرے۔ اگر خدانخواستہ میں نے سنا کہ تم

نے عہد وقف توڑ دیا ہے،تو پھر میری طرف نہ دیکھنا۔میرے لئے تم اس
دن سے مر گئے ہو گے۔ ہمارے راستے اس دن سے جدا ہو جائیں گے۔تم
میری دعاؤں سے محروم ہو جاؤ گے اور پھر تمہارا مجھ سے کوئی واسطہ نہ
ہوگا۔میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ سلیمہ کو ہمیشہ باپردہ رکھنا۔ یورپ کی
تقلید میں اگر تم نے اس میں کمزوری دکھائی تو بھی میرا تعلق تم سے ختم ہو
جائے گا۔''

گاڑی پلیٹ فارم پر آ گئی۔والد صاحب نے دوبارہ مجھے گلے سے لگایا،دعائیں دیں اورآنسوؤں کو پونچھتے ہوئے مجھے رخصت کیا۔میں بھی رورہا تھا۔گاڑی آہستہ آہستہ پلیٹ فارم سے چل نکلی۔والد صاحب مرحوم میری طرف ٹکٹکی لگائے اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ میں ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

میرے والد صاحب مرحوم ربوہ واپس تشریف لے گئے تو میری والدہ کو میرے غم میں نڈھال پایا۔وہ دوایک مرتبہ میری جدائی کے غم سے بے ہوش بھی ہو چکی تھیں اور مسلسل رو رہی تھیں۔والد صاحب نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ میرے غم میں بے چین تھیں۔

اگلے دن میرے والد صاحب میری والدہ کو لیکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں گئے اور عرض کیا کہ بشیر احمد کی ماں کو اسکی جدائی کا بے حد غم اور صدمہ ہے۔حضورؓ نے ازراہ شفقت میری والدہ صاحبہ مرحومہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

'' آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ آپکا ایک بیٹا دین کا سپاہی ہے اور
دوسرا ملک وقوم کا سپاہی ہے اور آپکو کیا چاہئے !آپ نے اپنے دونوں

بیٹوں کے روشن مستقبل کو دیکھ لیا ہے۔''

میری والدہ صاحبہ کو حضورؒ کی باتوں سے قرار آ گیا۔

مجھے وہ زمانہ نہیں بھولتا جب میں پیپی کے سکول میں طالب علم تھا، جو ہمارے گاؤں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ میں روزانہ جب سکول سے آتا تو میری والدہ صاحبہ مرحومہ دروازہ میں کھڑے ہو کر میرا انتظار فرمایا کرتی تھیں۔ گرمیوں کے موسم میں میں پسینے سے شرابور گھر میں داخل ہوتا تو میری پیاری والدہ صاحبہ نے میرے آنے سے قبل غسلخانہ میں میرے لئے پانی رکھوایا ہوتا تھا۔ میں منہ ہاتھ دھوتا تو وہ کھانا لگاتیں۔ مجھے تلے ہوئے آلو بہت پسند تھے۔ وہ بڑے اہتمام سے یہ ڈش تیار کرواتیں۔ گرم روٹی کے ساتھ تلے آلوؤں کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ ساتھ ہی لسی کا بڑا گلاس رکھتیں۔ جب تک کھانا کھاتا، وہ ہاتھ میں پنکھا لئے مجھے ہوا پہنچاتیں۔ میں نخرے کرتا، کم کھانا کھاتا تو بے چین ہو جاتیں تھیں، پوچھتی تھیں بتاؤ! تمہیں کیا پسند ہے؟ میں وہ ابھی بنا دوں گی۔

کھانے کے بعد میں لمبی تان کر سو جایا کرتا۔ بیدار ہونے پر والدہ صاحبہ نے میرے غسل کیلئے غسلخانہ میں پانی رکھوا دیا ہوتا تھا۔ غسل سے فارغ ہوتا تو والدہ صاحبہ چائے سامنے رکھ دیتیں۔ جس کے ساتھ گھر میں تنور میں بنائے ہوئے بسکٹ بھی ہوتے تھے، جن کی لذت آج بھی مجھے یاد ہے۔

ہائے! وہ بھی کیا دن تھے؟ جب ہم اپنے پیارے والدین کی دعاؤں کی گھنی چھاؤں میں مست زندگی بسر کرتے تھے۔ مجھے آج یہ لکھتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے کہ میں بارہا آدھی رات کو لیٹے لیٹے اپنی ماں سے پانی طلب کرتا، وہ فوراً اٹھ بیٹھتیں اور گھڑے سے گلاس بھر کر مجھے پانی پلاتیں۔ میں سو جاتا اور تھوڑی دیر بعد پھر اٹھ کر پانی مانگتا۔ میری پیاری ماں فوراً

اٹھ کر پانی لاتیں۔ ایسارات میں کئی بار ہوتا تھا۔ لیکن مجال ہے میری ماں نے کبھی اُف بھی کی ہو۔ میری وجہ سے ان کی نیند ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھی۔ وہ مجھے یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ اُٹھ کر خود پانی پی لو۔ لیکن انکی محبت اور شفقت نے کبھی یہ گوارا نہ کیا۔ وہ ایک عظیم ماں تھی۔ مشفق و مہربان، فرشتہ صفت، خوبصورت وخوب سیرت۔ کاش! وہ پھر مجھے ملیں تو میں اُن پر اپنی جان قربان کردوں۔ اُن کے گرد والہانہ رقص کروں۔ ان کے ہاتھوں کو چوموں۔ انہیں اپنے سینے سے لگا کر تسکین پاؤں۔

لیکن، جانے والے کبھی واپس نہیں آتے، جانے والوں کی صرف یاد آتی ہے۔

میں آج بھی رات کی خاموشی میں اپنے مولیٰ کے حضور رو رو کران کیلئے دعائیں کرتا ہوں۔ یہ سب نعمتیں جو مجھے اور میرے پیارے بھائی نذیر احمد اور میری پیاری بہنوں کو نصیب ہوئی ہیں، یہ سب میرے مرحوم والدین کی آہ وزاری سے کی گئی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

اے میرے مولیٰ! تو میرے پیارے والدین کو اپنی رضا کی جنتوں میں داخل فرما۔ ان کو اپنا قرب نصیب فرما۔ انہوں نے اس جہان میں جو دعائیں ہمارے لئے کی ہیں، انکو قبول فرما۔ آمین۔

''روح پرور یادیں''......ایک اقتباس

حضرت مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مرحوم، سلسلہ احمدیہ کے نامور مبلغین میں سے تھے۔ آپ کو ایک لمبے عرصہ تک افریقہ، انگلستان، جزائر فجی اور سنگاپور میں خدمت کی توفیق ملی اور آپ کے ذریعہ ان ممالک میں بہت ساری جماعتیں قائم ہوئیں۔ آپ نہایت دعا گو، منکسر المزاج اور پاک سیرت انسان تھے۔

ذیل میں ان کی معرکۃ آراء کتاب ''روح پرور یادیں'' سے ایک اقتباس درج کرتا ہوں۔انہوں نے بہت زور دیکر مجھ سے یہ مضمون لکھوا کر اپنی کتاب میں شامل کیا تھا:

دُعا کامعجزانہ اثر

1960ء میں خاکسار ایک ماہ کی رخصت پر انگلستان سے پاکستان آیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔حضورؓ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ تم واپس جا کر انگلستان کے شہر برائٹن میں تبلیغ کا کام شروع کرو۔اللہ تعالیٰ اس شہر میں احمدیت کے لئے راستہ کھول دے گا۔حضورؓ نے اپنا یہ ارشاد دو تین مرتبہ دہرایا اور فرمایا کہ ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں جب انگلستان کو ہسپانوی بیڑے کے انگلستان پر حملہ آور ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو ملکہ الزبتھ نے ترکی کے سلطان سے مدد کی درخواست کی۔سلطان ترکی نے اپنے چند جرنیلوں کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے انگلستان بھجوایا۔ملکۂ انگلستان نے ان مسلمان جرنیلوں کو برائٹن شہر میں ٹھہرایا۔ جس مکان میں یہ مسلمان جرنیل ٹھہرائے گئے تھے،اس کے ایک کمرہ کو انہوں نے مسجد میں تبدیل کر کے اس کی دیوروں پر بعض قرآنی آیات لکھ دی تھیں۔

حضورؓ نے فرمایا کہ جب حضورؓ 1924ء میں دورۂ انگلستان پر تشریف لے گئے تھے تو حضورؓ برائٹن بھی تشریف لے گئے اور اس کمرہ کو جا کر دیکھا اور وہاں دُعا بھی کی۔حضورؓ نے مزید فرمایا کہ اب جبکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہے،اللہ تعالیٰ برائٹن میں اسلام اور احمدیت کیلئے دروازے کھول

دے گا۔

برائٹن میں تبلیغ کے خوشکن نتائج

چنانچہ انگلستان پہنچنے پر خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں برائٹن میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ برائٹن میں ایک نہایت خوبصورت شاہی محل ہے جس کی طرزِ تعمیر ہندوستانی طرز تعمیر کے مطابق ہے۔ اس محل کے خوبصورت اور منقش گنبد اور مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ اس محل کے ایک کمرہ کو ہم نے کرایہ پر حاصل کر لیا اور لوکل اخبارات میں اس بات کا اشتہار دیا کہ خاکسار (امام مسجد فضل لندن) ہفتہ کے روز اس کمرہ میں اسلام پر تقریر کرے گا۔ دستی اشتہارات پانچ ہزار کے قریب گھروں میں تقسیم کئے گئے۔ ہفتہ کے روز مقررہ وقت پر لندن سے خاکسار کے ہمراہ آٹھ دس افراد، مکرم مولوی عبدالکریم صاحب کی کار میں برائٹن پہنچے۔ ہم نے کمرہ کو لیکچر کے لئے تیار کیا۔ اس جلسہ کی صدارت مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم نے کرنی تھی۔ تاہم جوں جوں لیکچر کا وقت قریب آتا گیا، ہماری پریشانی میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ لیکچر کے شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل تک ایک شخص بھی ہال میں داخل نہ ہوا تھا۔ جب تقریر میں صرف دس منٹ رہ گئے تو خاکسار نے وہاں موجود احمدی احباب کو تحریک کی کہ چونکہ ہم اس شہر میں تبلیغ کا آغاز سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خاص ارشاد کے ماتحت کر رہے ہیں اور چونکہ حضورؓ کو اس شہر میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ ہے اس لئے آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ

غیب سے ہمارے لئے سامعین مہیا کر کے حضورؓ کی خواہش کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرماوے۔ہم سب کمرہ کے ایک کونے میں اجتماعی دعا میں لگ گئے اور اشکبار آنکھوں سے آستانۂ الٰہی پر گڑ گڑانے لگے۔ہم نے غالبًا پندرہ بیس منٹ دعا میں صرف کئے ہوں گے۔جب دعا ختم ہوئی اور ہم نے کمرہ کی طرف نگاہ کی تو ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے بھر گئے۔ہم نے ایک عظیم اعجاز دعا کی فوری قبولیت کا یہ دیکھا کہ کمرہ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

خود ہی چیلنج دیکر ایک پادری صاحب کا فرار

خاکسار نے مکرم عبدالعزیز دین صاحب کی صدارت میں اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔تقریر کے بعد سامعین کو سوال وجواب کی دعوت بھی دی گئی۔تقریر کی کامیابی کو دیکھ کر ایک پادری صاحب، جو کمرہ میں موجود تھے، بہت جز بز ہوئے اور تقریر کا اثر ختم کرنے کیلئے انہوں نے خاکسار کو دعوتِ مناظرہ دے دی جو خاکسار نے اسی وقت قبول کر لی۔ پادری صاحب سے یہ طے ہوا کہ اگلے ہفتہ کے روز اسی کمرہ میں ان کا خاکسار سے اسلام اور عیسائیت پر مناظرہ ہوگا۔

لیکن دوسرے ہفتہ جب کمرہ کھچا کھچ سامعین سے بھرا ہوا تھا، پادری صاحب نہ آئے اور یوں عیسائی سامعین کے قلوب پر اسلام کی حقانیت کو ثبت کر گئے۔خیر جب سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوا تو لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے۔ ایک خاتون جن کا نام مس Irene Crene تھا، بیٹھی

رہیں۔ جب سب لوگ جا چکے تو اس خاتون نے خاکسار کو کہا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہیں۔ اس وقت جو خوشی ہم سب کو ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ خاکسار نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ وہ کیوں مسلمان ہونا چاہتی ہیں تو وہ کہنے لگیں کہ وہ بچپن سے ہی عیسائیت سے متنفر تھیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین تھا۔ وہ کہنے لگیں کہ میں نے عیسائیت سے بیزاری کے بعد بڑی تضرع سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں شروع کیں کہ مولیٰ کریم میری رہنمائی سچے دین کی طرف کردے۔ اس عرصہ میں میں بہائیوں، بدھ مت اور ہندوؤں کے جلسوں میں بھی شامل ہوتی رہی لیکن کہیں بھی مجھے روشنی کی کرن نظر نہ آئی۔ اب کچھ عرصہ سے مجھ پر مایوسی مسلط ہوتی جا رہی تھی اور قریب تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہو جاتی کہ آپ لوگوں کا اشتہار اخبار میں پڑھا اور نہ جانے کیوں میں اس یقین پر قائم ہو گئی کہ یہاں مجھے ضرور روشنی نظر آ جائیگی۔ میں نے پچھلی رات بہت دعا کی تو میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ گوہر مقصود کل کی میٹنگ میں مل جائے گا۔ چنانچہ آج میں نے آپ کی تقریر سنی تو دل نے بے اختیار صداقت کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ واقعہ بیان کرتے وقت ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ کہنے لگیں کہ میں تو سمجھتی ہوں آپ کو اللہ تعالیٰ میری ہدایت کے لئے کھینچ کر لایا ہے۔ خاکسار نے اس کا بیعت فارم اسی وقت حضورؒ کی خدمت میں بھجوایا۔ حضورؒ نے ان کا اسلامی نام سلیمہ کرین رکھا۔ یہ خاتون اسلام کی اعلیٰ تعلیم پر اس سختی سے عامل ہوئیں کہ جب دوسرے ہفتہ خاکسار کی تقریر سننے آئیں تو کہنے لگیں کہ یہ ہفتہ میرا بہت ذہنی

کشمکش میں گزرا ہے۔ خاکسار کے دریافت کرنے پر کہ کس قسم کی کشمکش سے ان کو دوچار ہونا پڑا، وہ کہنے لگیں کہ آپ نے بیعت فارم پر کروانے کے بعد یہ کہا تھا کہ اسلام نے سور کا گوشت کھانے، شراب پینے اور مخلوط محفلوں میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ میں جب گھر گئی تو شام کے کھانے پر سؤر کا گوشت میری والدہ نے میرے سامنے لا کر رکھا میں اس شش و پنج میں پھنس گئی کہ کبھی کبھار بھی تھوڑا سا سؤر کا گوشت کھانا بھی منع ہے یا کبھی کبھار کی استثناء ہو سکتی ہے۔ آخر میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ سور کے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور اگلے ہفتہ امام صاحب سے جا کر پوچھ لیا جائے۔ اگر انہوں نے کہا کہ سؤر بالکل نہیں کھانا تو میں گناہ سے بچ جاؤں گی اور کہا کہ کبھی کبھی اجازت ہے تو پھر کبھی کھا لوں گی۔

اس کے بعد برائٹن میں حضورؒ کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے دس بارہ افراد کی اچھی خاصی جماعت بن گئی، جو بعد میں کچھ تو ترکی جا کر اور کچھ ملک کے دوسرے حصوں میں منتشر ہو گئے لیکن انہوں نے اپنا رابطہ مشن سے قائم رکھا۔ فالحمدللہ تعالیٰ۔

الٰہی بشارتوں کے مطابق عمر بڑھا دی گئی

قیام انگلستان کے دوران خاکسار کو اپنے گاؤں سے یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ میرے والد مرحوم حضرت دانشمند خان صاحب پر کسی ظالم نے فائر کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ خاکسار کو علم تھا کہ گاؤں میں ہماری کسی سے دشمنی نہ تھی اور ہمارے والد صاحب اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے گاؤں میں

بیحد ہردلعزیز اور مقبول شخصیت تھے اور سوائے احمدیت کے ان کے اقدام قتل کی اور کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ خیر جب اطلاع ملی تو طبعًا بہت پریشانی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی اور دعا کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ میں نے مسجد فضل لندن میں جا کر مسجد کے دروازے بند کر کے بڑی ہی رقت اور تضرع سے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میں اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہوں اور اس وقت جبکہ مجھے ان کے قریب ہونا چاہئے تھا، بوجہ میدان تبلیغ میں ہونے کے، ان سے دور ہوں۔ تو محض اپنے فضل سے ان کو شفا دے اور عمر دراز عطا فرما۔ نہ معلوم وہ کیسا مبارک وقت تھا، میں نے محسوس کیا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے اور دل میں تسکین اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے۔

رات کو سویا تو خواب میں ایک بزرگ انسان کو دیکھا جنہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ فکر نہ کرو تمہارے والد صاحب کی عمر اسّی سال ہوگی۔

اگلے دن صبح مجھے اپنے چھوٹے بھائی کرنل نذیر احمد کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا کہ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو والد صاحب اس جہان سے رخصت ہو چکے ہوں گے میں نے اسی وقت ان کو خط لکھا اور اپنے خواب سے ان کو اطلاع دے کر ان کو تسلی دی۔ میرے والد صاحب مرحوم کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا اور بظاہر مایوس کن حالات میں ہونے کے باوجود مولیٰ کریم نے ان کو صحت عطا فرمائی اور گویا مردہ کے زندہ ہو جانے کا معجزہ ظاہر ہوا۔

پانچ سال اور عمر بڑھ گئی

عجیب بات ہے کہ جب حضرت والد صاحب کی عمر اسّی سال کو پہنچنے لگی تو خاکسار ابھی انگلستان میں ہی میدان تبلیغ میں مشغول تھا۔ ان دنوں میری طبیعت میں بہت رقت پیدا ہوئی اور میں نے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میرے والد صاحب کو مزید مہلت دے دے تا میں جلسہ سالانہ پر وطن جا کر ان سے ملاقات کر سکوں۔ عجیب بات ہے کہ اس رات پھر وہی بزرگ صورت شخص مجھے خواب میں ملے اور کہا کہ تمہاری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے اور تمہارے والد صاحب کی عمر میں ۵ سال کی توسیع کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب مرحوم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ انہوں نے ان واقعات کو الفرقان میں بھی شائع کرا دیا۔ چنانچہ میرے والد صاحب مرحوم کی وفات عین اس خواب کے مطابق 1976ء میں بعمر پچاسی سال ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان

یہ 1996ء کی بات ہے۔ میں مع اپنی اہلیہ کے اپنے بچوں کو ملنے کیلئے امریکہ گیا ہوا تھا۔ شکاگو میں عزیزان ڈاکٹر عبد الوحید خان اور میری بیٹی امتہ النصیر نینو نے ہمیں ان کے ساتھ فلوریڈا چلنے کی دعوت دی تا وہاں ڈزنی ورلڈ اور دیگر مشہور تفریح گاہوں کی سیاحت کر سکیں۔ ہم نے بخوشی ان کی یہ دعوت قبول کر لی اور بذریعہ ہوائی جہاز ایک ہفتہ کیلئے فلوریڈا پہنچ گئے۔ ڈزنی ورلڈ دیکھا جو امریکہ کا ایک عظیم الشان عجوبہ ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارا یہ وقت خوشی خوشی گزر گیا۔ واپسی پر میں اور میری اہلیہ اپنی بڑی بیٹی امتہ الجمیل اور ان کے خاوند اعجاز احمد خان اور بچوں کو ملنے کیلئے ڈیٹرائیٹ چلے گئے۔ میری عمومی صحت بالکل ٹھیک تھی۔ ذیابیطس کے علاوہ اور کوئی تکلیف بھی نہ تھی۔ ڈیٹرائیٹ میں قیام کے دوران میری ملاقات ایک مخلص اور قابل احمدی ڈاکٹر قاضی وسیم صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے ازراہ کرم نوازی مجھے اگلے دن اپنے کلینک آنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یوں تو تمہاری صحت بہت اچھی ہے اور تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں لیکن جنرل چیک اپ کروانے میں کیا حرج ہے؟ میں نے ان کی اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور اگلے دن ان کے کلینک میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے متعدد ٹیسٹ کئے، خون اور پیشاب کا معائنہ کیا اور اختتام ٹیسٹ پر فرمایا کہ انہیں میرے دل کی دھڑکن بے قاعدہ محسوس ہوئی ہے۔ اس لئے ان کا مشورہ یہ ہے کہ اگلے دن ہسپتال جا کر دل کا مکمل معائنہ کراؤں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ خود ہسپتال میں انتظام کر لیں گے۔ میرے پاس چونکہ ہیلتھ انشیورنس موجود تھی، جو میں نے سفر پر روانہ

ہونے سے قبل انگلستان سے حاصل کی تھی ، اس لئے ہسپتال کے شعبہ امراض قلب میں داخل ہو کر مختلف ٹیسٹ کروانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ مجھے بڑے بڑے کیمروں کے نیچے لٹا کر دل کی تصاویر لی گئیں۔Echo ٹیسٹ ہوئے اور سارا دن میں مختلف کیمروں کی زد میں رہا۔

شام کو چار بجے معائنہ مکمل ہوا۔ مجھے کنسلٹنٹ کے آنے کے انتظار میں رکنا پڑا۔ خیر وہ تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ تمہارے دل کی حالت بے حد خراب ہے۔ ذیابیطس نے دل کو بہت نقصان پہنچایا ہے، نیز دل کو جانے والی شریانیں کافی حد تک بند ہیں۔ میں حیران ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نہ تو کبھی سینہ میں درد ہوا ہے اور نہ ہی کوئی تکلیف۔ انہوں نے فرمایا کہ ذیابیطس کے پرانے مریضوں کو سینہ میں درد کا اکثر احساس نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کہ کہ اب کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ فوری طور پر تمہارا بائی پاس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ میں نے کہا کہ کیا ادویات کے ذریعہ علاج نہیں ہوسکتا؟ انہوں نے کہا کہ تمہارے دل کی حالت ایسی ہے کہ کسی وقت بھی تمہیں شدید دل کا دورہ پڑ سکتا ہے جو جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے تمہیں فوری طور پر اس آپریشن کو کروانا ہوگا۔ میں نے کہا کہ اگر چند دنوں بعد یہ آپریشن ہو تو بہتر ہوگا۔ میں اپنے بچوں سے مشورہ کرلوں۔ انہوں نے کہا اب جبکہ میں نے تمہارے دل کا تفصیلی معائنہ کرلیا ہے۔ اب اگر آپریشن کئے بغیر تم یہاں سے جانا چاہو تو مجھے لکھ کر دینا ہوگا کہ تم اپنی ذمہ داری پر جارہے ہو۔ باوجود اس کے کہ تمہیں ڈاکٹر نے فوری آپریشن کا مشورہ دیا ہے۔

میری بیوی موجود تھیں۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگیں کہ بچوں کو تو اطلاع ہو ہی جائے گی۔ آپ کی جان قیمتی ہے، اس لئے جو بھی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں اس پر عمل

ہونا چاہیئے۔ میں نے حامی بھر لی۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ چونکہ بیچ میں ویک اینڈ آ گیا ہے اس لئے آپریشن سوموار کو ہوگا۔ مجھے ایک الگ کمرہ میں پہنچا دیا گیا۔ بچوں کو اور اپنے بھائی کرنل نذیر احمد کو شکاگو میں اطلاع دے دی۔ وہ اگلے دن ڈیٹرائیٹ پہنچ گئے۔ ویک اینڈ پر مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے اور مجھے آپریشن کیلئے تیار کیا گیا۔ سوموار کو آپریشن کیلئے آپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔ میں تو بے ہوش تھا۔ بعد میں بچوں نے بتایا کہ آپریشن گیارہ گھنٹوں میں مکمل ہوا۔ چھ شریانیں بدل دی گئیں۔ آپریشن کے دوران ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ جس سے دل کا 1/3 حصہ ماؤف ہو گیا۔ خیر آپریشن کا مرحلہ تو طے ہو گیا۔ لیکن معمول کی رفتار سے ہوش آنے میں مشکل پیش آئی۔ میں گیارہ دن بے ہوش رہا۔ ڈاکٹر سر توڑ کوشش کر رہے تھے لیکن دن بدن زندگی کی امید ختم ہوتی چلی گئی۔ حتی کے سرجن نے میری بیوی کو بتایا کہ چونکہ بچنے کی امید بہت کم ہے اس لئے تم نے اگر رشتہ داروں وغیرہ کو بلانا ہے تو بلا لو۔

میں تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور بے ہوشی کی وجہ سے پرسکون تھا۔ لیکن میری بیوی، بچوں اور رشتہ داروں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ جب سرجن نے میری بیوی کو بتایا کہ اب میرے بچنے کی امید بہت کم ہے تو میری بیوی نے فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو بذریعہ فیکس اور فون میری کیفیت سے مطلع کیا اور دعا کی درخواست کی۔

اگلے دن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے فون موصول ہوا اور بتایا گیا کہ حضورؒ کو جب میری خطرناک صورت حال سے مطلع کیا گیا تو حضورؒ اس وقت اپنے گھر میں تھے۔ حضورؒ کو میری حالت پر رحم آیا اور حضورؒ نے تضرع سے میری صحت یابی کیلئے دست دعا بلند کئے۔ دعا کے دوران ہی حضورؒ پر کشفی حالت طاری ہوئی۔ حضورؒ نے دیکھا کہ ان کے کمرہ کا

دروازہ کھلا ہے جس میں سے میں سفید لباس میں ملبوس اچھی صحت میں اندر داخل ہوا ہوں اور حضورؒ کو السلام علیکم کہا ہے۔اس کے بعد کشفی حالت جاتی رہی اور حضورؒ کو یہ القاء ہوا کہ بشیر احمد رفیق کو آپکی دعاؤں کے طفیل بچالیا گیا ہے۔

میری بیوی اور سب رشتہ داروں کو حضورؒ کے اس کشف سے بہت تسلی ہوئی۔یہ حضورؒ کی قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان تھا۔فون سننے کے بعد اور حضورؒ کی طرف سے تسلی دئے جانے کے بعد میری بیوی ہسپتال آئی تو معجزانہ طور میں ہوش میں آچکا تھا۔

خاکسار اس کے بعد بھی 41 دن ہسپتال میں رہا اور بالآخر قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان بن کر پوری صحت میں واپس لندن آیا۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو ، زور دعا دیکھو تو

خاتمۂ کتاب

﴿......اپنے بچوں کونصائح......﴾

12 ستمبر 1931ء کو میں زندگی کی کشتی میں سوار ہوا۔ اب یہ کشتی 77 منازل پر ٹھہرتی ہوئی اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ جواب زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ میرے مولیٰ کی ملاقات کی منزل ہے۔ ان 77 سالوں میں زندگی کی میری یہ کشتی چھوٹے موٹے گردابوں میں ہچکولے کھاتی رہی اور کئی مرتبہ اسے تیز ہواؤں اور طوفانوں میں سے بھی گذرنا پڑا۔ دو ایسے زبردست طوفان بھی آئے جن سے میری کشتی حیات بڑی مشکل سے ڈوبتے ڈوبتے بچی۔ ان دو خوفناک روحانی ابتلاؤں نے میری زندگی کو تہ و بالا کر دیا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کا خاص ہاتھ میری دستگیری نہ کرتا تو نہ معلوم میرا کیا حشر ہوتا۔ بہرکیف محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان بظاہر انتہائی خوفناک ابتلاؤں سے دامن بچا کر کامیابی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ فالحمدللہ۔

میں نے اپنی زندگی میں قدم قدم پر اپنے مولیٰ کی مدد کا ہاتھ اپنے سر پر دیکھا ہے اور میں اس یقین پر قائم ہوں کہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ انی قریب کہ میں اپنے بندے کی دعاؤں کو نہ صرف سنتا ہوں بلکہ انہیں قبول بھی کرتا ہوں اور میں اپنے بندے کے قریب ہوں، میں اس کی پکار کو سن کر جواب دیتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں بارہا اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ واقعی میرا مولیٰ میرے سب سے زیادہ قریب ہے۔

کچھ عرصہ ہوا، میں نے جناب سردار خوشونت سنگھ جی کی آپ بیتی پڑھی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا موجود ہے، لیکن میں نے تو اسے کبھی محسوس نہیں کیا ہے۔ تو مجھے حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا مصنف، صحافی، دانشور اور پڑھا لکھا انسان اتنی بڑی حقیقت اور سچائی کو کیوں نہیں پا سکا؟ جو مجھ جیسے حقیر اور کمزور اور لاعلم انسان کو قدم قدم پر محسوس ہوتا رہا ہے کہ خدا ہے، وہ موجود ہے، وہ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، وہ بولتا ہے، جواب دیتا ہے، غم کے وقت تسلی اور اطمینان نصیب کرتا ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ ہر وقت مانگنے والے کیلئے کھلے رکھتا ہے، شرط صرف اس سے مانگنے کی ہے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ نہ معلوم اس سے تعلق کاٹ کر لوگ کیسے مطمئن رہ سکتے ہیں؟ اس سے انکار تو انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ اس کو تو ہمات اور طرح طرح کے خوف گھیر لیتے ہیں۔ وہ اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اسباب کا غلام بن جاتا ہے۔ جبکہ اس پر ایمان لانے والے اور اس کا ہاتھ پکڑنے والے ایک انتہائی مطمئن زندگی گذارتے ہیں۔ پس میری اپنے بچوں کو یہ نصیحت ہے کہ کبھی بھی اپنے مولیٰ کا در نہ چھوڑنا۔ سب کچھ اس سے ہی مانگنا کہ سب کچھ اُسی کا ہے اور اس کے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ تم تجربہ کر کے دیکھو، وہ تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گا جیسے اُس نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جب بھی اس سے مانگا اس نے مجھے اس سے بڑھ چڑھ کر عطا کیا ہے اور کبھی بھی مجھے مایوس نہیں کیا ہے۔ میری کوئی بھی ایسی ضرورت نہیں جو اس نے محض اپنے فضل سے پوری نہ کی ہو۔ میں اگر ان افضال کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو شاید کئی کتابوں میں بھی نہ سما سکے۔ وہ ماں باپ سے کہیں بڑھ کر پیار کرنے والا ہے۔ وہ دنیا کے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر دینے والا ہے۔ پس اس کا در کبھی نہ چھوڑنا، چاہے اس کے لئے تمہیں کتنی بھی قربانی

کرنی پڑے۔

اُسے ہی سجدہ کرو کہ یہ ایک سجدہ تمہیں سینکڑوں غیر خدائی طاقتوں کو سجدے کرنے سے نجات دے گا۔ اسی سے ہی مانگو کہ جو اس کے پاس ہے، وہ کسی کے پاس نہیں۔ اللہ کرے تم سب صرف اور صرف اللہ ہی کے ہو کر رہو اور دنیا کی چکا چوند تمہیں اس کے در سے دُور نہ کر سکے۔ اگر وہ تمہارا ہو گیا تو تمہیں سب کچھ مل گیا۔

میری زندگی کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا کو پانے کی راہ دُعا میں ہے۔ دُعا میں بڑی طاقتیں ہیں۔ مجھے بچپن سے دعاؤں کا شغف رہا ہے۔ میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا یعنی میری عمر اس وقت صرف بارہ تیرہ سال کی تھی۔ میں شام کو گاؤں کے قریب بہنے والے دریائے کابل کے کنارے چلا جاتا اور وہاں مجھے دعا مانگنے میں بے حد لطف آتا تھا۔ اس زمانہ میں قبولیت دعا کا مجھے کوئی تجربہ بھی نہ تھا، بس دعا کا شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس عادت کو بارآور کیا اور ساری عمر دعاؤں میں شغف اور لطف آتا رہا اور پھر قبولیت دعا کے ایسے ایسے نظارے دیکھتا رہا کہ زندگی نہایت پُرمسرت اور پُرلطف ہوتی چلی گئی۔ دعا انسان کو پہاڑ جیسی قوت عطا کرتی ہے۔ اس کے دل کو اطمینان بخشتی اور اُسے مضبوط بناتی ہے۔ غم، تکلیف اور پریشانیوں کے سمندر میں محفوظ کشتی کی طرح انسان کو ساحل مراد پر پہنچاتی ہے۔ زندگی سے دُعا کو خارج کرلیں تو باقی کچھ نہیں رہ جاتا۔ اور زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔

میں اپنے بچوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ دعا کو اپنا مضبوط قلعہ بناؤ۔ دُعا سے قوت وطاقت حاصل کرو اور کبھی ایک لحظہ کیلئے بھی دعاؤں سے غفلت نہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ جتنا تمہارا شغف دعاؤں میں بڑھتا جائے گا اتنا تم کو اطمینان قلب

و پرمسرت زندگی نصیب ہوتی چلی جائے گی۔ میں عام طور پر اپنی دعاؤں کو شروع کرنے سے قبل درود شریف پڑھتا ہوں اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آپ کے خلفاء اور آپ کے خاندان کیلئے دعا کرتا ہوں۔ پھر اپنے ماں باپ نانا نانی اور دادا دادی کیلئے دعا کرتا ہوں۔ پھر ان بزرگوں کیلئے دعا کرتا ہوں جو اب اس جہان میں نہیں رہے۔ ان میں میرے ماموں اور ممانیاں۔ خالو اور خالہ اور ان سب کے بچوں کیلئے دعا کرتا ہوں۔ ان کے بعد میں اپنی بیوی اور بچوں کیلئے دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خادم دین بنائے اور انہیں دعاؤں کا شوق نصیب کرے۔ پھر اسلام اور احمدیت کی ترقی کیلئے دعائیں کرتا ہوں۔ پھر اپنے زندہ پیارے دوست احباب کیلئے دعائیں کرتا ہوں۔ نیز ان کیلئے دعا کرتا ہوں جنہوں نے مجھ پر حسن ظن رکھتے ہوئے مجھے دعا کیلئے کہا ہوا ہوتا ہے۔ اپنے بھائی اس کی بیوی اور بچوں اور اپنی بہنوں اور ان کے خاندانوں اور ان کی اولاد کیلئے دعا کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی بیشمار اور دعائیں ہیں جو میں بالالتزام کرنے کی توفیق پاتا ہوں۔ میری اپنی بچوں کو یہ بھی نصیحت ہے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کو ہر قسم کے مصائب سے بچنے کیلئے ایک قلعہ کی صورت میں قائم کیا ہے، ہمیشہ اس کے اندر ہی رہنا۔ جماعت سے کبھی بھی ذرّہ بھر بھی تمہارا تعلق نہ کٹنے پائے۔ خلافت کے دامن کو کبھی نہ چھوڑنا اور خلیفۂ وقت کے ساتھ ہمیشہ مضبوط تعلق قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔ جماعت

احمدیہ کے باہر خوف ہی خوف ہے۔ جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہمارے درمیان قائم کی گئی ہے۔اس کی قدر کرنا اور ضرورت پڑے تو اس کے لئے جان دینے سے بھی گریز نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں اپنی نعمتوں کو بڑھاتا چلا جاؤں گا اور اگر میری ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی شدید ہوگا۔ اس عظیم قرآنی تعلیم کو اپنی زندگی میں مشعل راہ بنائے رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتیں ہیں۔اس کے شکر کا طریق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان نعمتوں میں سے کچھ تم سے دین کیلئے مانگے تو بلا تامل پیش کر دینا۔ یہ شکرانِ نعمت ہے۔اس میں کبھی بخل نہ کرنا۔

میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ہمیشہ سچائی پر قائم رہنا۔ سچ بولنا اور جھوٹ کے قریب بھی مت جانا۔ جھوٹ انسان کے کیریکٹر پر ایسا بدنما دھبہ لگاتا ہے کہ دوسروں کو بھی اس دھبہ کو دیکھ کر کراہت آنے لگتی ہے۔ جھوٹ بدبو ہے اور بدبو کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ سچائی خوشبو ہے، سچائی انسان کو بہادر بناتی ہے اور ہر قسم کے خوف سے نجات دلاتی ہے۔ معمولی معمولی فوائد حاصل کرنے کیلئے جھوٹ کی لعنت اپنی گردنوں پر ڈال کر کوئی حقیقی فائدہ نصیب نہیں ہوتا۔ جھوٹا انسان خدا کے دربار میں لعنتی ہے اور انسان بھی اس پر لعنت ہی بھیجتے ہیں۔ اللہ کرے تم ہمیشہ سچائی کے علمبردار رہو اور سچائی تمہارا اوڑھنا بچھونا ہو۔

میں آخر میں تم سب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے اور سلیمہ ناہید کیلئے ضرور دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور ہمارا خاتمہ بالخیر کرے اور ہمیں اس جہان سے ایسی حالت میں رخصت کرے کہ وہ ہم سے راضی اور ہم اُس سے راضی ہوں۔ آمین۔

مصنف کا تعارف

بشیر احمد رفیق

پیدائش ...... پشاور (پاکستان) میں 12 ستمبر 1931ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم ...... 1953ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے بی.اے کیا اور شاہد کی ڈگری جامعۃ المبشرین سے 1958ء میں حاصل کی۔

☆......آپ پیدائشی احمدی ہیں۔ آپ کے والد محترم نے 1921ء میں احمدیت قبول کی۔

☆......1959ء میں آپ کی تقرری مسجد فضل لندن میں نائب امام کے طور پر ہوئی۔

☆......1964ء میں امام مسجد فضل لندن اور مشنری انچارج برطانیہ مقرر رہوئے۔

☆......1970ء میں پاکستان واپس آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر تقرر ہوا۔

☆......1971ء میں لندن واپس آئے اور امام کے طور پر اپنی سابقہ ذمہ داری دوبارہ سنبھال لی۔

☆......1979 میں پاکستان بلائے گئے اور 1987ء میں واپس برطانیہ آئے۔ آپ نے درج ذیل عہدوں پر کام کیا:

1. ......امام مسجد فضل، لندن ......1964ء تا 1970ء اور 1971ء تا 1979ء

2.......مسلم ہیرالڈ میگزین کے بانی ایڈیٹر.......1961ءتا1979ء

3....... پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ.......1970ءتا1971ء

4.......وکیل التصنیف، ربوہ.......1982ءتا1985ء

5.......ایڈیشنل وکیل التبشیر ،ربوہ.......1983ءتا1984ء

6.......ایڈیشنل وکیل التصنیف،لندن.......1987ءتا1997ء

7.......ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز.......1983ءتا1985ء

8.......چیئرمین بورڈ آف ایڈیٹرز- ریویو آف ریلیجنز.......1988ء تا1995ء

9.......ممبر صدر انجمن احمدیہ پاکستان.......1971ءتا1985ء

10.......ممبر افتاء کمیٹی.......1971ءتا1973ء

11.......ممبر بورڈ آف قضا.......1984ءتا1987ء

12.......ممبر اور وائس پریذیڈنٹ روٹری کلب آف وانڈز ورتھ.......1987ء

13....... پریذیڈنٹ روٹری کلب آف وانڈز ورتھ.......1978ءتا1979ء

آپ کو1968ء میں لائیبیریا کے صدر مملکت جناب ٹب مین کی دعوت پر بطور مہمان خصوصی بلایا گیا اور لائیبیریا کا اعزازی چیف مقرر کیا گیا۔ آپ نے1978ء میں کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ لندن میں کسر صلیب کانفرنس (مسیح کا صلیب سے زندہ اتر آنا) کے موضوع پر انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کروائی۔ اس کانفرنس کا نہ صرف برطانوی پریس میں بلکہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں بھی غیر معمولی چرچا ہوا۔

آپ مندرجہ ذیل کتب کے مصنف ہیں:

1.......''دی مسلم پریئر بک''بزبان انگریزی (The Muslim Prayer Book) یہ کتاب اب تک چار زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہو چکی ہے۔

2.......''سوانح حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہیدؓ ''بزبان انگریزی

3.......''ٹروتھ اباؤٹ احمدیت''بزبان انگریزی

(Truth About Ahmadiyyat)

4.......''حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی سوانح -ایک طائرانہ نظر''بزبان انگریزی

5.......''محمد ظفر اللہ خان''بزبان اردو

6.......''شہیدان راہ وفا''بزبان اردو

7.......''اسلام مائی ریلیجن''بزبان انگریزی

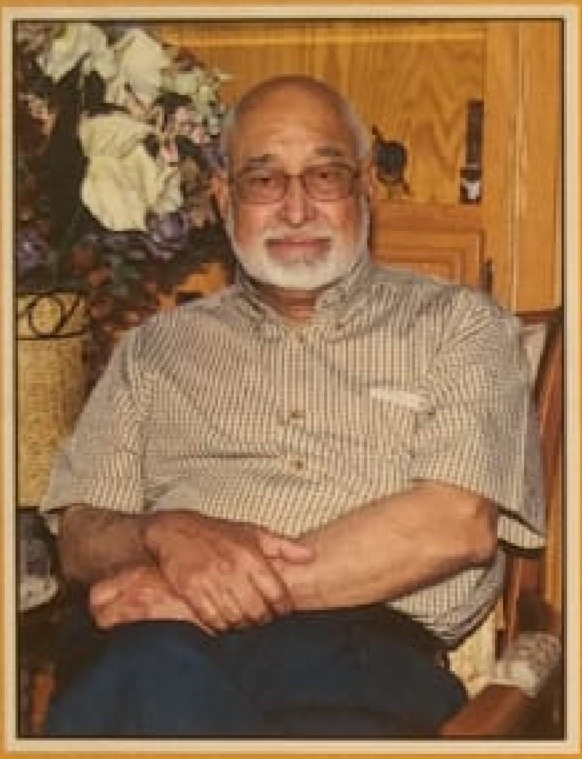
8.......''فرام دی ورلڈ پریس''بزبان انگریزی

9.......''اسلام میں عورت کا مرتبہ''بزبان انگریزی

10.......''افغان مارٹرز''بزبان انگریزی

11.......''سفرنامہ دیار حبیبؐ ''

محترم بشیر احمد رفیق صاحب اب تک برطانیہ میں 500 کلب اور سوسائیٹیز میں اسلام اور موازنہ مذاہب کے موضوع پر خطاب کر چکے ہیں۔



As a young student Mr. B.A. Rafiq answered the call of *Hazrat Khalifatul Masih II,* for young men to volunteer to serve Islam and Ahmadiyyat.

After graduating from the Punjab University he enrolled at *Jamiatul Mobashireen* in Rabwah for the study of Comparative religion. He was selected by *Hazrat Khalifatul Masih II* to serve in the UK as a missionary, and so began a lifelong association with the UK *Jamaat.*

As Missionary In-charge UK, he inaugurated the first Jalsa Salana and set in motion the foundation of several auxiliary organisations such as *Ansar, Lajna and Atfal* in the UK.

His memoirs cover important events in the history of the UK *jamaat* such as the visits of *Hazrat Khalifatul Masih III,* the launching of the *Nusrat Jahan* Scheme, the building of Mahmood Hall, and the establishment of branch missions throughout the UK.

The Deliverance of Jesus from the Cross Conference was a landmark event in the history of the UK *jamaat*. This momentous event was organised during his 21 year tenure.

Mr. Rafiq also served as *Hazrat Khalifatul Masih III's* Private Secretary in Rabwah from 1970-71. He shares his reminiscences of many memorable incidents during this time in his memoir.

A MEMOIR

by

B.A RAFIQ (LONDON)

ISBN 81-905556-8-5

9788190555685